شاہ ولی اللہؒ کا نظریہ معیشت
اور
عصر حاضر میں اس کی افادیت

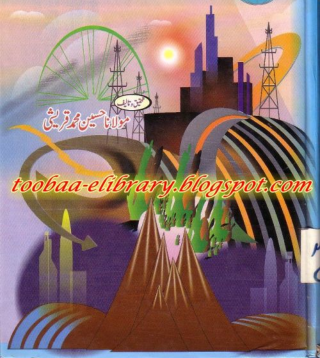

تحقیق وتالیف
مولانا حسین محمد قریشی

toobaa-elibrary.blogspot.com

Message from Imam Shah Waliullah-Dehelvi.

To the world wide Muslim Ummah!!

.... Religion of Islam has come for the establishment of the greatest international power and when its domination is to continue for ever, it can be rightly insured only when the Muslim nations make themselves strong both morally and materially, for this purpase be unite, draw closer and stable, forget their past jealousies and work for the solidarity of Islam and lose no time and effort to make themselves the greatest power in the world.

Extract :

Teachings of Shah waliullah written by jalbani

TAYYAB PUBLISHERS

5- Yousaf Market Urdu Bazar Lahore.

toobaa-elibrary.blogspot.com

شاہ ولی اللہؒ
کا
نظریہ معیشت

اور عصر حاضر میں اِسکی افادیت

MUNICIPAL
ACC No:
46359
LIAQUAT BAGH RAWALPINDI
LIBRARY

تحقیق وتالیف
حسین محمد قریشی
فاضل وفاق المدارس / ایم فل
ایم اے عربی و اسلامیات

طیب پبلشرز
5 یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور۔ فون: 7241778

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

نظرئیہ معیشت
۳۳۵
قاشی

جملہ حقوق محفوظ ہیں

کتاب:	شاہ ولی اللہؒ کا نظریہ معیشت
تحقیق وتالیف:	مولانا حسین محمد قریشی
اشاعت:	2005ء (دوسرا ایڈیشن)
اہتمام:	محبوب الرحمن انور
مطبع:	حاجی حنیف اینڈ سنز لاہور
برائے:	طیب پبلشرز لاہور
قیمت:	150/-

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرف سپاس

شاہ ولی اللہ دھلویؒ ایک جید عالم دین، ایک باکمال فقیہ، ایک عظیم مدبر کی حیثیت سے کسی تعارف کے محتاج نہیں، وہ برصغیر کے مسلمانوں کے عہد زوال کے عینی شاہد اور اغیار کی چیرہ دستیوں پر نوحہ کناں ہی نہیں تھے، بلکہ اس دور کے واقعات کو اپنے تدبر و تفکر سے بدل کر اسلام کی شوکت رفتہ اور عظمت ماضیہ کے نقیب کے طور پر اپنے ہم عصروں کے لئے ہدایت و راہنمائی کا مرکز بھی تھے۔

امام الہندؒ کی ہمہ جہت شخصیت کے کئی پہلوؤں کا احاطہ ہو چکا ہے، مگر ابھی ان کے قد وقامت کے کئی خد و خال نکھرنے باقی ہیں، تحقیق و جستجو ایک جاوداں عمل ہے، اور اس کے ثمرات ہمارے علمی، ادبی ثقافتی، سیاسی اور معاشی ورثے کی بازیافت کی صورت میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔

پیش نظر کاوش جہاں اس کا باعث ایک علمی سند کا حصول ٹھہری اور الحمد اللہ اس میں کامیابی حاصل ہوئی، وہاں شاہ صاحبؒ کے عمران و اقتصادیات کے حوالے سے ایک منضبط مجموعہ ہاتھ آیا۔ داعیہ پیدا ہوا، کہ کیوں نہ اسے شائع کر کے قافلہ ولی اللّٰھی سے منسلک باذوق اہلِ علم کے سامنے پیش کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اشاعت کے اسباب پیدا کئے۔ فللہ الحمد و المنۃ.

مجھے یہ دعوای تو نہیں، کہ میں نے موضوع کے تمام پہلوؤں کا احاطہ بطریق احسن کر لیا، تاہم بساط بھر کوشش کرنے کے بعد میں اپنی فکر و جستجو کے اس حاصل کو صاحبانِ علم و فضل میں پیش کرنے کی جسارت کرتا ہوں۔ اس مقالہ کی نوعیت و حقیقت کے بارے میں مقالہ کے نگران جناب ڈاکٹر محمد الغزالی کی رائے پر اکتفاء کرتا ہوں۔

''پیش نظر مقالہ کی خوبیوں میں سے یہ بات نمایاں ہے، کہ اس میں شاہ صاحب کے افکار کی جامعیت کو دکھانے کی مستحسن کوشش کی گئی ہے۔ اس لیے کہ شاہ صاحب کا تصور اسلامی معیشت ان کے مجموعی نظریہ حیات اور فلسفہ دین ہی سے مستنبط ہوتا ہے۔ مقالہ کی دوسری نمایاں صفت یہ ہے کہ اس

toobaa-elibrary.blogspot.com

کو اس انداز میں تحریر کیا گیا ہے، کہ موجودہ زمانہ کے معاشی مسائل کے اسلامی حل کی تلاش میں اس سے مدد لی جاسکتی ہے، اس کی تیسری قابل ذکر بات یہ ہے، کہ اسلامی شریعت کے عمومی احکام معیشت سے بھی اس کتاب کے مباحث کو مربوط کیا گیا ہے۔ اس طرح یہ بات سامنے لانے کی کوشش کی گئی ہے کہ شاہ صاحب کے معاشی نظریات اپنی جدت اور تعمق کے ساتھ ساتھ شریعت اسلامیہ کے عمومی مقاصد وہدایات سے مغایر نہیں ہیں بلکہ انہی کی توضیح وتشریح ہے"

یہ ایک امر واقعہ ہے، کہ شاہ صاحب جن کا عرصہ حیات ۱۷۰۳ء تا ۱۷۶۲ء اکسٹھ سال پر محیط ہے، نے اپنا نظریہ اور فکر اس وقت پیش کیا، جب یورپ میں مشینی دور کا آغاز ہو رہا تھا، دنیا حیران ہے کہ جس "عمرانی عدل" کا پہلی بار آپ نے تعارف کرایا، یورپ میں پوری ایک صدی بعد اسکی بازگشت معاشرتی حقوق، جمہوری آزادی اور معاشرتی عدل کی صورت میں سنائی دی گئی، آپ کے فکر کو اس وقت پذیرائی حاصل نہ ہوسکی، اس کی کئی وجوہ تھیں۔

مثلاً آپ کی فکر کو یہ المیہ پیش آیا کہ اسے پروپیگنڈہ کی وہ قوت میسر نہ آسکی جو دیگر اہل فکر کو حاصل رہی۔ دوسرا المناک پہلو یہ تھا، کہ شاہ صاحب نے ایسے دور میں آنکھ کھولی جس وقت کہ یورپ کی نظریں ایشاء پر لگی ہوئی تھیں اور وہ اپنے استعماری ہتھکنڈوں سے اس کے باشندوں کا استحصال کر رہا تھا، لہذا نظریے کی اشاعت سے زیادہ بقاء کی جنگ کا مسئلہ مدنظر تھا۔

اس وقت پوری دنیا امیر غریب، مزدور اور سرمایہ دار کی اساس پر منقسم ہو کر بھیانک قسم کا طبقاتی نظام پروان چڑھ رہا تھا۔ ارتکاز دولت کا مرض پورے معاشرے کو دیمک کی طرح چھاٹ رہا تھا، اب جبکہ یہ استحصالی نظام تن ومند ہو کر عفریت کی شکل اختیار کر چکا اور اپنے استبدادی پنجوں کو غریب اور متوسط الحال سماج پر گاڑ چکا ہے، دیکھنا یہ ہے، کہ اسلام جو ایک فطری دین ہے اور ہر قسم کے جبر کا انکار کرتا ہے، اپنے ماننے والوں کے لئے کیا لائحہ عمل دیتا ہے ؟ اسلامی معاشرہ میں سرمایہ کی تقسیم کی اساس کیا ہے ؟ یہ اپنے مجوزہ نظامِ معیشت میں "عدل عمرانی" کے قیام کے لئے کیا طریقے وضع کرتا ہے؟ اس طور پر دائیں بائیں نظامہائے معاش کے افراط وتفریط سے ہٹ کر متوازن فطری تقسیم دولت کا کیا حل تجویز کرتا ہے۔ یہ کاوش دراصل ان سوالات کے جوابات کا حاصل ہے۔

یہ واضح ہے کہ اسلام نے مادیت کو مقصود نہیں گردانا تاہم مقصود کا ذریعہ تسلیم کر کے نظام مالیات کا منضبط حلال وحرام پر مبنی ایک قابل عمل نظام دیا ہے، جس پر ایک انسان چل کر دنیا و آخرت میں سرخرو ہوسکتا ہے امام الہند" جو اسلامی حکیم ہیں، کی نظر میں اس مذکورہ مسئلہ کا حل کیا ہے۔ یہی اس مقالہ کا موضوع ہے۔

ان خطوط پر کئی اہل علم نے دادِ تحقیق دی ہے، جن میں مولانا عبید اللہ سندھیؒ جو امام الہند" کے فلسفہ کے صحیح ترجمان مانے جاتے ہیں، کے تمام علمی شاہکار سرفہرست ہیں، اس طرح شیخ بشیر احمد، جناب ڈاکٹر غلام مصطفےٰ قاسمی صاحب کا مقالہ برائے پی ایچ ڈی "شاہ ولی اللہ کے معاشی نظریات" قابل قدر پیش رفت ہے۔ ان فضلاء کی عرق ریزی نے نشان راہ کا کام دے کر مقالہ نگار کو اس قابل بنایا کہ، وہ یہ طالب علمانہ کام اہل علم کے سامنے پیش کرے۔ اس کاوش کیلئے اساس شاہ صاحبؒ کی جملہ علمی کتب خصوصاً حجۃ اللہ البالغہ اور البدور البازغۃ ہی نے فراہم کی۔

میں ان جملہ اہل علم کا جنہوں نے کسی بھی انداز سے میری معاونت کی، شکریہ ادا کرتا ہوں، خصوصاً جناب مولانا صوفی عبدالحمید صاحب مدظلہ گوجرانوالہ نے کارگر اشارے دیے، ناسپاسی ہوگی اگر میں برادرم نور محمد قریشی کا ذکرِ خیر نہ کروں، جنہوں نے تسویدی واشاعتی سلسلہ میں مدد دی۔ اور میں مولانا مفتی عبداخالق آزاد صاحب کا بھی بے حد مشکور ہوں کہ جنہوں نے اس مقالہ کو دیکھا اور مجموعی طور پر پسند فرمایا، آخر میں طیب پبلشرز کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے عامۃ الناس تک اسے پہچانے میں خطیر رقم خرچ کی۔ میری یہ کاوش بارگاہ رب الاعلیٰ میں مقبول اور اہل علم کی نظروں میں معتبر ٹھہرے۔ آمین

حسین محمد قریشی

۱۰ شوال ۱۴۲۲ ہجری

toobaa-elibrary.blogspot.com

انتساب

ان بیدار دلوں کے نام جو رضائے الٰہی کے حصول کی تڑپ کے ساتھ روح دین کو پاکر سوز صدیق، رگ فاروقی، ثبات عثمانی وشجاعت مرتضٰی کی صفات ظاہرہ و باطنہ سے مصلح ہوکر مقاصد خداوندی کو دنیا میں قائم ودائم رکھنے کیلئے میدان عمل میں سر اٹھا کر چل سکیں۔

فہرست مضامین

تمہیدی باب

(شاہ ولی اللہ کی سوانح حیات اور گردوپیش)

عنوان	صفحہ
شاہ ولی اللہ کی سوانح حیات	۱
شاہ ولی اللہ کی شخصیت خود انکی زبانی	۲
شاہ صاحب کا بڑا کارنامہ	۳
شاہ صاحبؒ کی تصنیفی خدمات	۵
انقلابات اور آپ کی زندگی	۵
شاہ صاحب کا فکر انضمام	۷
شاہ صاحب کی وفات، خانوادہ	۸
شاہ صاحب اور ان کا گردوپیش	۹
بین الاقوامی حالت	۹
ہندوستان کی حالت	۔
عامۃ الناس کی اقتصادی حالت کا نقشہ	۱۳
مشرفانہ زندگی کے واقعات	۱۶
شاہ صاحب اور نظریہ فک کل نظام	۱۹
حواشی	۲۱__۳۲

باب اول

(تعارف نظامہائے معاش)

عنوان	صفحہ
معاشیات کا مفہوم	۳۴
معاشیات کا تاریخی پس منظر	۔۔
سرمایہ دارانہ نظام	۳۶
سرمایہ دارانہ نظام کی حقیقت	۳۷
عوامل پیداوار اور علم معیشت	۳۸
نظام سرمایہ دارانہ کے اصول	۳۹
اشتراکی نظام	۳۹
سوشلزم کی حقیقت	۴۴
مارکس کا نظریہ قدر زائد	۴۶
شاہ صاحب اور علم معیشت	۴۸
شاہ صاحب اور علم معاشیات کی تعریف	۔
نظامہائے مذکورہ اور مولانا عبید اللہ	۴۹
سندھی کا محاکمہ	۔
حواشی	۵۱__۵۴

باب دوئم

(ارتفاقات اول ودوم)

عنوان	صفحہ
ارتفاقات کا مفہوم	۵۶
مولانا عبید اللہ سندھی کی نظر میں ارتفاقات	۵۷
بنیادی ضروریات (خوراک، مسکن، لباس)	۵۹
روحانی آسودگی ایک فطری تقاضا	۶۱
تمدنی زندگی اور اس کا معاشی نظام	۶۵

باب سوم

(قومی حکومت اور اس کے معاشی امور)

عنوان	صفحہ
حکومت کی ضروریات	۸۷
اقسام شہر اور اس کے نظام	۸۸
خلافت کی تعریف	۹۱
تشکیل حکومت اور سربراہ حکومت	۹۳
حکمران طبقہ کا اخلاقی معیار	۹۴

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب دوم
(ارتفاقات اول دوم)

باب سوم
(قومی حکومت اوراس کے معاشی امور)

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
حکمتِ معاشیہ	۶۵	شاہ صاحب کی نظر میں حکومت کے	۹۵
فرد اور اجتماع کا باہمی ربط	۶۶	ضروری محاکے	.
شاہ صاحب کی نظر میں ملکیت	۶۷	احتساب صدر اسلام میں	۱۰۰
ذرائع پیداوار کی تقسیم	۶۹	شہری حکومت کا مالیاتی نظام	۱۰۳
شخصی ملکیت رعایتِ حدود کے ساتھ	۷۱	ٹیکس جمع کرنے کے اصول	۱۰۴
شیخ الہند محمود حسنؒ اور اشیاءِ کائنات	۷۲	تخفیف ٹیکس کی حکمت	۱۰۶
ایک غلط فہمی کی بنیاد پر ایک غلط نتیجہ	۷۵	بیت المال پر بوجھ کم ہو	۱۰۷
حکمت منزلیہ یا انتظام خانہ داری	.	ملازمین کی تنخواہیں اور مراعات	۱۰۸
خاندانی معاشیات کا بنیادی اصول	۷۶	حاکم کے اخراجات	۱۰۹
حواشی	۷۹_۸۵	حواشی	۱۱۰
باب چہارم		**باب پنجم**	
(ارتفاق چہارم)		(خلافت کبریٰ کی اقتصادی ذمہ داریاں)	۱۲۶
خلافت کبریٰ کی حقیقت	۱۱۳	کفالت عامہ	.
خلافت کبریٰ کی مالی مدات	۱۱۴	معذوروں کی کفالت	۱۳۰
غیر مملوکہ زمین اور معدنیات	.	معاشی استحکام کا اہتمام	۱۳۱
فئی اور غنائم	۱۱۶	زراعت اور صنعت کی حوصلہ افزائی	۱۳۲
خراج اور جزیہ	۱۱۷	احیاء موات کی اہمیت	۱۳۴
غیر ملکی تجارتی ٹیکس (عشور)	.	تاجروں کی حوصلہ افزائی	۱۳۵
اوقاف	۱۱۸	بے روزگاری کے خاتمہ کے لئے اقدامات	۱۴۰
خمس		مختلف پیشوں کی منصوبہ بندی	۱۴۲
لقطہ		تقسیم دولت میں اعتدال لانا	۱۴۴

باب چہارم
(ارتفاق چہارم)

باب پنجم
(خلافت کبریٰ کی اقتصادی ذمہ داریاں)

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
صدقات زکوٰۃ عشر	۱۱۹	اموال غنیمت اور تقسیم دولت	۱۴۴
ریاست کے مصارف	۱۲۰	نظام زکوٰۃ اور تقسیم دولت	۱۴۵
بیوت اموال کا تصور	.	معدنیات اور تقسیم دولت	۱۴۶
بیت المال اور مصالح عامہ (حواشی)	۱۲۲	آبپاشی اور تقسیم دولت (حواشی)	۱۴۷
باب ششم		**باب ہفتم**	
(اسلامی معیشت کی بنیادی قدر "تعاون باہمی")	۱۵۶	(معاشی انحطاط اور اس سے بچاؤ کی تدابیر)	
حقوق ملکیت	.	مسرفانہ تمدن سے اجتناب	۱۸۹
مباح اشیاء پر عدم ملکیت	۱۵۸	لباس گھر کی تعمیر اور خوراک میں اعتدال	۱۹۲
پیشوں کی آزادی	۱۶۰	معیار زندگی اور اس میں جادۂ عدل	۱۹۲
عدل و مساوات کی روح	.	ضرورت سے زائد اشیاء جمع کرنے کا مرض	۱۹۳
احسان و تبرع	۱۶۲	عیش و عشرت اور اس کے مفاسد	.
ہدیہ، وصیت، عمریٰ	۱۶۴	گراں بار ٹیکس	۱۹۵
ظالمانہ معاملات اور انکی حرمت	۱۶۵	پیشوں کی غلط تقسیم، مخرب اخلاق	۱۹۷
عقود میں باہمی تعاون	۱۶۷	سود اور اس کے استحصالی نتائج	۱۹۹
تجارتی شراکت کی شکلیں	۱۶۹	جوا بازی، رشوت	۲۰۰
شرکت مضاربت	۱۷۱	مفت خوری، احتساب	۲۰۲
شرکت مفاوضہ	.	ظلم کا مٹانا	۲۰۴
شرکت الصنائع	۱۷۲	خلاصہ بحث	۲۰۹
مزارعت شاہ صاحب کی نظر میں	۱۷۳	حواشی	۲۱۳
قطائع اراضی کی آبادکاری	۱۷۵	ضمیمہ	۲۱۵
حواشی	۱۷۵	کتابیات	۲۵۱

toobaa-elibrary.blogspot.com

تمہیدی باب

شاہ ولی اللہ دہلوی کی سوانح حیات

اور

درپیش اقتصادی حالات

toobaa-elibrary.blogspot.com

شاہ ولی اللہؒ دہلوی کی سوانح حیات ولادت

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی ولادت ۴ شوال ۱۱۱۴ھ بمطابق ۲۱ فروری ۱۷۰۳ء دہلی کے قریب "پھلت" نامی قصبہ میں ہوئی۔ آپ کا سلسلہ نسب والد ماجد کی طرف سے حضرت عمرؓ سے جا ملتا ہے۔ آپ کے والد نے آپ کا نام معروف بزرگ شخصیت، قطب الدین بختیار کاکی کی نسبت سے قطب الدین رکھا، لوگوں نے بزرگی کی وجہ سے 'ولی اللہ' پکارنا شروع کیا۔ آپ اپنی تصانیف میں اپنا نام 'احمد' لکھا کرتے تھے۔(۱)

شاہ صاحب نے جس عہد میں ولادت پائی' یہ سیاسی طور پر اسلام کے زوال کا زمانہ تھا۔ آپ کی ولادت کے چار سال بعد علم دوست انسان اورنگ زیب عالمگیرؒ نے ۱۷۰۷ء میں وفات پائی۔(۲)

شاہ ولی اللہؒ کا تعلیمی سلسلہ: پانچ سال کی عمر میں شاہ صاحب کی تعلیم کا آغاز ہوا۔ معلم کی خدمات والد ہی نے انجام دیں۔ انہوں نے دو سال کے اندر قرآن مجید ختم کیا۔

آپ نے دس سال کے عرصہ میں معقولات و منقولات پر پوری دست گاہ حاصل کر لی اور تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، ادب فلسفہ، منطق اور طب کے علاوہ ہیئت، معیشت و عمرانیات اور ریاضی جیسے علوم میں مہارت تامہ حاصل کی۔ علوم و حکمت کے ارتقاء میں والد ہی آپ کے مساعد رہے۔(۳)

سترہ سال کی عمر میں مشفق باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا، اس کے بعد والد ماجد کے قائم کردہ "مدرسہ رحیمیہ" میں آپ تدریسی مسند پر جلوہ افروز ہوئے، اور بارہ سال تک تعلیم دیتے رہے۔ ۱۱۴۳ھ میں حرمین شریفین تشریف لے گئے، وہاں انہیں فاضل استاد امام فنِ حدیث شیخ ابو طاہر محمد بن ابراہیم کردی سے شرف تلمذ ہوا۔(۴)

پورے چودہ ماہ حرمین شریفین میں رہ کر ایک طرف اپنی تکمیلِ تعلیم کرلی، تو دوسری طرف مقدس مقامات کے جوار میں رہ کر بڑا فیض حاصل کیا، جب دہلی واپس آئے، تو لوگوں کو قرآن حکیم کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دی۔ قدرت نے آپ کو قائم الزمان اور مجددیت کے منصب پر فائز کر کے لوگوں کے اصلاح حال کے لئے منتخب کیا۔ آپ نے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں بہتری اور استحکام پیدا کرنے کے لئے اصول وضع کیے۔ اخلاقی معیار قائم اور بلند کرنے کے لئے آپ نے فرسودہ

نظام کو توڑنے اور عدل عمرانی کے قیام کو لازمی قرار دیا۔ اس طرح استحصالی (**Exploitative**) نظام معیشت کی بجائے نظام عدل کے قیام کے لئے آپ کی منصوبہ بندی بڑی اہمیت کی حامل ہے بایں طور آپ نے لوگوں میں دین اسلام کی نئی روح پھونکی۔(۵)

شاہ صاحب کی شخصیت خود ان کی زبانی: شاہ صاحب نے ایک رسالے میں اپنے حالات زندگی قلم بند کئے ہیں، اس میں آپ نے اپنی زندگی کی جن پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے، ان کا ایک حصہ درج ذیل ہے۔

"میں نے جو کچھ پڑھا اور روحانی فیض حاصل کیا، اپنے حالات کا جو جائزہ میں نے لیا علماء سے علمی فائدہ اٹھانے کے بعد جو جو باتیں میرے ذہن میں آئیں، وہ خدا کا مجھ پر انعام ہے۔ خدا نے اپنے فضل و کرم سے مجھے ایک خاص مقصد کے لئے چنا ہے۔ اس دور کا آغاز مجھ سے ہوتا ہے اب تک فقہ کے مذاہب کا کافی اختلاف تھا، میں نے ان سب کو جمع کر کے "فقہ الحدیث" کی نئے سرے سے بنیاد رکھی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس امت کو جو عبادات اور معاملات میں حکم دئے ہیں، ان کی خوبیوں اور حکمتوں کو میں نے اس انداز سے لکھا ہے، کہ مجھ سے پہلے کسی نے یہ کام اس طرح نہیں کیا۔ خدا نے مجھے انسانی نفوس کی استعدادوں وغیرہ کا علم عطا کیا اور ساتھ ہی ابداع و تدبیر (طبعیات و ما بعد الطبعیات) سے سیاستِ مدن اور معاشیات وغیرہ کے علوم سے بھی سرفراز کیا، یہ ایسے علوم ہیں، جن میں فقیر کے سوا کسی نے اس سے پہلے اس انداز میں قدم نہیں رکھا۔ خدا نے مجھے یہ توفیق دی ہے، کہ میں آنحضرت ﷺ کی تعلیمات کی صحیح پرکھ کر سکوں اور یہ کہ جو باتیں آپ ﷺ کی تعلیمات کی روح ہیں، انہیں الگ کر دوں۔(۶)

بالا عبارت سے واضح ہے کہ شاہ صاحب ایک ہمہ جہت شخصیت تھی اور آپ کا علمی و روحانی پایہ بلند تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو متنوع علوم سے سرفراز فرمایا تھا، قدرت نے جودت طبع، تخلیقی و تنقیدی نظر سے نوازا تھا۔ فقہ الحدیث کے تناظر میں آپ نے فقہ و حدیث میں تطبیق کی گران قدر خدمات بجالائیں اور یوں مذاہب اربعہ آپس میں قریب تر آئے۔ اس سے بالا بشارت کی تصدیق ہوتی ہے کہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

میرے سے رب تعالیٰ امت کی شیرازہ بندی کا کام لے گا۔

اس زمانے میں ایسے رجال کا فقدان تھا، آپ کی ولادت ایسے دور میں ہوئی کہ برسراقتدار ارتجاعی طاقتیں قرآنی انقلاب کے آخری آثار کو ہندوستان سے محو کر رہی تھیں۔ مجدد ملت ہونے کے اعتبار سے وہ کام جس کی ابتداء امام ربانی مجدد الف ثانی سرہندیؒ نے کی تھی، اسے آپ نے تکمیل تک پہنچایا۔ آپ انہیں اپنے طریقے کا پیش رو "ارھاص" راہ ہموار کرنے والا مانتے ہیں ایک تحریر میں شاہ صاحب لکھتے ہیں، شیخ مجدد ارھاص ایں دور است۔(۷)

شاہ صاحب کا بڑا کارنامہ : شاہ صاحب کا بڑا کارنامہ مسلمانوں کی سیاسی، معاشی، اور اخلاقی حالت کی اصلاح ہے۔ قیام حجاز کے بعد آپ ہندوستان آئے تو آپ یہ دیکھ کر مضطرب ہوئے کہ یہاں ہندوستان کی حکومت اور رعایا ہر زاویہ سے تباہ ہو چکے ہیں۔ گو زوال وانحطاط حکومت کے بارے میں بقول ابن خلدون جب حکومت پر بڑھاپا طاری ہو جائے تو پھر اس کا جوان ہونا ممکن نہیں ہوتا، تاہم شاہ صاحب کی پوری کوشش رہی کہ مسلمانوں کی اجتماعی وسیاسی نظم میں بہتری ہو اور مسلمانوں کا اقبال بحال ہو۔ اس غرض کے لیے آپ نے ان میں دینی شعور بیدار کرنے کے لیے رجوع الی القرآن کا نسخہ آزمایا۔ اور پہلی بار آپ نے قرآن حکیم کا ترجمہ عوامی زبان فارسی میں کیا تاکہ ہر کوئی اس کی روشنی میں اپنی منزل متعین کر سکیں۔ اجتماعی وسیاسی نظام کی فرسودگی کا یہ عالم ہو کر رہ گیا تھا، کہ اسے بیخ و بن سے اکھاڑنے اور نئے خطوط پر اسے استوار کرنے کی ضرورت پڑ گئی تھی۔ تخریب کے بعد تعمیر کے لیئے خام مال کے طور پر آپ نے مسلمانوں میں نظریاتی اساس کو خوب سے خوب تر مضبوط کر دیا۔ آپ اسلامی معاشرہ کی تشکیل نو کے لیے معاشی توازن، نظم وضبط کو بنیادی اہمیت دیتے تھے۔ اسلامی اقدار کے اطلاق ونفاذ کے لیے وہ باطل نظام حکومت کی برتری کو ختم کر کے ایسی حکومت کی داغ بیل ڈالنا چاہتے تھے جو صحیح نظریات کی آئینہ دار ہو اور معاشی توازن کے اصولوں پر کاربند ہو۔ اس مقالہ کا موضوع ایسی حکومت کا انتظامی ڈھانچہ اور معیشت سے متعلق امور کا بیان ہے۔

شاہ صاحب کے والد ماجد : آپ کے والد ماجد شاہ عبدالرحیمؒ زبردست عالم دین تھے، وہ بذات خود ایک صوفی منش طبیعت کے مالک تھے اور گوشہ نشینی کی زندگی کو ترجیح دیتے تھے۔ ان کے لیے عالمگیر اول

جیسے راسخ العقیدہ فرمان روا کی حکومت میں شمولیت کے بے نظیر مواقع موجود تھے، مگر وہ ان مواقع کو خاطر میں نہ لائے البتہ انہوں نے فقہ کی کتاب "الفتاویٰ الھندیہ" جو فتاویٰ عالمگیریہ سے مشہور ہے، کی ترتیب و تدوین میں بادشاہِ وقت سے تعاون کیا اور اس میں بذاتہ حصہ لیا۔(۹)

چونکہ آپ کے والد ماجد عالم دین اور صوفی دونوں تھے، اس لیے انہوں نے یہ کوشش کی کہ دینیات اور تصوف کے درمیان کش مکش دور ہو جائے۔ سمجھوتے کی یہ روح ان کی طرف سے ان کے بیٹے شاہ ولی اللہ کو ورثے میں ملی، الجزء اللطیف میں آپ رقمطراز ہیں۔

"اللہ تعالیٰ نے مجھ حقیر پر بڑے بڑے الطاف فرمائے ہیں، جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مجھے چند بار والد بزرگوار سے معانیِ قرآن میں تدبر کرنے اور تفسیر میں مطالب کی تحقیق کے ساتھ قرآن پڑھنے کا موقع ملا، جس کی وجہ سے مجھ پر علم وعرفان کا دروازہ کھل گیا۔(۱۰)

مندرجہ بالا حقائق سے دو باتیں واضح ہو جاتی ہیں پہلی یہ کہ برصغیر میں اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے حوالے سے رجوع الی القرآن (**Back to the Quran**) کی جتنی تحریکیں اٹھ رہی ہیں، ان کا اصل محرک یہ خاندان تھا۔ دوسری یہ کہ شاہ عبدالرحیم کی شخصیت ہی تھی، جنہوں نے بیٹے کے قلب ودماغ میں اس تحقیق وتجدید کی تخم ریزی کی، جس کے وہ بعد میں چل کر داعی بنے"۔

آپ اپنے والد ماجد کے بارے میں تحریر کرتے ہیں کہ وہ بڑے دیدہ ور بزرگ تھے، ان کا قاعدہ تھا کہ امراء کے گھر قطعاً نہیں جاتے تھے، لیکن امراء میں سے کوئی آپ کی زیارت کے لیے آتا، تو اس کا بہت پاس کرتے، اسے وعظ ونصیحت کرتے، مزید یہ کہ وہ اپنی معاشرت میں اعتدال پسند تھے۔ والد ماجد کا شمار زمانے کے اہل دل علماء میں ہوتا تھا۔ آپ عام طور پر عہد عالمگیرؒ کے درباری علماء سے الگ تھلگ رہے اورنگ زیب کی دعوت کے باوجود آپ اس کے دربار میں نہیں گئے اور اس زمانے کی فقہی ماحول اور علماء کا دنیادارانہ رنگ آپ کو ناپسند تھا، تاہم آپ کے تعلقات دارالخلافہ کی اکثر علمی شخصیتوں سے تھے، لہٰذا بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ آپ کی علمی وروحانی ترقیوں میں آپ کے جلیل القدر اور صاحب عزم وہمت والد کی تعلیم و تربیت کو بڑا دخل تھا۔ بقول سندھی شاہ ولی اللہؒ کی اساسی تربیت فکریہ میں ہم شاہ عبدالرحیم کو مرکز مانتے ہیں آپ کے دادا شیخ وجیہ الدین بھی صاحب السیف والقلم تھے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

شاہ ولی اللہؒ کی خدمات : آپ کی مختلف النوع خدمات کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ کی خدمات کا احصاء ممکن نہیں۔ علمی سیاسی، معاشی واخلاقی حوالہ سے آپ کا انجام دیا ہوا کام اس بات کا شاہد عدل ہے۔ تصنیفی میدان میں آپ نے قرآن حکیم، حدیث، تصوف اور منطق جیسے علوم ہی اجاگر نہیں کئے بلکہ علوم معیشت و عمرانیات سے تعلق رکھنے والے بنیادی مسائل میں آپ نے جو گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں، وہ ہی رہتی دنیا تک یاد رہے گی۔

آپ کی منفرد شخصیت اس وقت ابھر کر سامنے آتی ہے، جب مورخین یہ پڑھ کر دیکھتے ہیں کہ اس زمانہ میں ربانی علماء کا دستور تھا کہ وہ اسباب معیشت کے بارے میں سوچنا برا سمجھتے تھے اور تقویٰ کے لیے ترکِ اسباب پر زور دیتے تھے، ان علماء کے نزدیک دنیا ناقابل التفات تھی، اور دنیا کا کاروبار چلانے والے کو اس کے چھوڑنے والے سے کم درجہ پر سمجھتے تھے لیکن اس کے باوجود آپ کی شخصیت تھی کہ وہ اپنے تمام مابعد الطبعیاتی بات اور تصوف وریاضت سے اس قدر دل بستگی کے ساتھ ساتھ انسان کے معاشی ضرورتوں کو اپنے عمرانی فلسفہ میں غیر معمولی اہمیت دیتے ہیں اور اس امر کی وضاحت کرتے ہیں کہ انسان کی اخلاقی زندگی کا دارومدار بہت حد تک اس کی اقتصادی زندگی کی حسن انتظام پر ہے۔(۱۱)

آپ کی تصنیفی خدمات : آپ کئی معرکۃ الاراء کتب کے مصنف ہیں، ان کی تصنیفات سو سے زیادہ بتائی جاتی ہیں جن میں سے نصف کتب ناپید ہو چکی ہیں، تمام کتب بلند پایہ ہیں ان میں جو مقام "حجۃ اللہ البالغہ" اور "البدور البازغۃ" کو حاصل ہے شاید ہی کسی دوسری کتاب کو وہ مقام حاصل ہو، ان میں سے اول الذکر تصنیف منفرد نوعیت کی ہے جس میں آپ نے اسرار دین اور فلسفہ حیات کے بارے میں سیر حاصل بحث کی ہے کتب مذکورہ میں معاشیات و فلسفہ کے مباحث کو آپ نے جس لطافت سے چھیڑا ہے وہ اپنی مثال آپ ہیں، آپ نے جن موضوعات کے بارے میں قلم اٹھایا ہے وہ اس وقت تو علمی دقیقہ سنجیاں تھیں ہی بلکہ آج بھی یہ اصول اتنے ہی کارگر قابل عمل اور موجب اعتناء ہیں، جتنے اس زمانے میں تھے۔(۱۲)

انقلابات اور آپ کی زندگی : شاہ صاحب کی ولادت ہوئی، تو یہ اورنگ زیب عالمگیر

(۱۶۵۸ء) تا (۱۷۰۷ء) کا دور تھا، اور جب آپ کا انتقال ہو رہا تھا، تو اس وقت شاہ عالم (۱۷۵۹ء) تا (۱۸۰۶ء) کا دور تھا۔ (۱۳) اس طور پر انہیں اپنی پوری زندگی میں گیارہ مغل سلاطین کی حکومت دیکھنے کا اتفاق ہوا، ان سلاطین کے ادوار میں کئی انقلابات اور حالات پیش آئے، ان کا جائزہ فلسفہ ولی اللّٰھی سے منسلک شخصیت عبیداللہ سندھیؒ نے ان الفاظ میں لیا ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں۔

"تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ شاہ صاحب نے جن گیارہ سلاطین کا عہد پایا، ان میں ہندوستان کو کن کن لرزہ خیز حوادث سے گزرنا پڑا، سادات بارھہ کا ان میں تسلط، فرخ سیر کا ان کے ہاتھوں بصد بے کسی قید ہونا، پھر تورانی امراء کے ہاتھوں سادات بارھہ کا زوال، مرہٹوں کی بغاوت اور ان کا عروج سکھوں کی بغاوت، نادر شاہ کی یلغار اور دہلی میں قتل عام، احمد شاہ ابدالی اور معرکہ پانی پت، حق کا باطل پر غلبہ، سیاست ہند میں روہیلوں کی شرکت و مساہمت، ایرانی و تورانی امراء کی رقیبانہ چپقلش، ہندوستان میں یورپین اقوام کی للچائی ہوئی نگاہیں، پھر انگریزوں کا بنگال وغیرہ میں عمل دخل اور اس قسم کے دوسرے انقلابات شاہ صاحب نے اپنی آنکھوں سے دیکھے"۔(۱۴)

ان حالات نے آپ کے ذہن میں ہیجان بپا کیا، لہٰذا آپ سے رہا نہ جا سکا اور آپ نے وقت کی نزاکت کو پیش نظر رکھ کر مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی بحالی کے لئے ایک جامع پروگرام تشکیل دیا، جو نظری اور عملی ہر دو لحاظ سے افادیت کا حامل تھا، آپ نے ایسے حالات میں اپنے علمی مشاغل اور احیاء و تجدید کی مساعی کے ساتھ ایسے سیاسی تدبر اور ایسی ذہانت اور بلند نگاہی سے کام لیا، کہ اگر مغلوں میں کچھ بھی صلاحیت یا امرائے سلطنت میں ہمت اور سیاسی شعور ہوتا تو ہندوستان نہ صرف تنگ نظر اور انتشار پسند ملکی طالع آزماؤں سے محفوظ ہو جاتا بلکہ انگریز کے اس تسلط سے بھی محفوظ ہو جاتا، جس نے انیسویں صدی کے وسط میں ہندوستان کو کمزور اور میدان کو خالی پا کر اپنے قدم جما لیے اور اس کو برطانوی سلطنت میں نہ صرف شامل کیا، بلکہ اس سے وہ قوت اور وسائل چھین لئے جس نے دنیا کی پوری سیاست پر اثر ڈالا اور مسلم عرب پر اپنا اقتدار جما لیا آپ کی اس جمعیت خاطر، ہمت و استقامت، بلند نگاہی و اولوالعزمی اور اس کے مقابلے میں ملک کی زلزلہ انگیز فضاء کو دیکھتے ہوئے جس میں نہ کسی سنجیدہ اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

عمیق و مسلسل مشغولیت کی گنجائش معلوم ہوتی ہے نہ کسی انقلاب حال اور نہ عروج بعد زوال، اقبال کا یہ شعر حقیقت حال کی سچی تصویر معلوم ہوتا ہے۔

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیئے ہیں انداز خسروانہ

اس پروگرام کے اقتصادی پہلو کا جائزہ لینا، جسے شاہ صاحب نے مختلف عنوانات کے تحت اپنی کتب میں بیان کیا ہے، اس مقالہ کا موضوع ہے۔ شاہ صاحب کے پروگرام کو سمجھنے کے لئے آپ کے فکرِ انضمام سے متعلق معلوم کرنا حسب حال ہے۔

شاہ صاحب کا فکر انضمام : آپ نے بہت سے موضوعات کے بارے میں لکھا ہے۔ ان کے یکجائی مطالعہ سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ وہ تمام موضوعات کو معنوی حیثیت سے ملاتے ہیں۔ ان کی سیاسیات کی بنیاد وہی ہے، جس پر ان کی اخلاقیات اور تاریخ مبنی ہے، ان کی معاشیات کی وہی اساس ہے، جو ان کی سیاسیات و اخلاقیات کی ہے، ان افکار کا یہ انضمامی پہلو ان کی ہر ایک تحریر سے نمایاں ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے ہر موضوع تحریر کی ساخت **(Structure)** متن **(Text)** اور معنی **(Meaning)** میں ایک چیز جلوہ گر ہے اور وہ ہے "عمرانیات" اس کا مطلب یہ کہ ان کے نزدیک علم کا مقصد غائی یہ ہے، کہ معاشرہ میں تہیج، حرکت اور ترقی کے میلانات پیدا ہوں اور انہیں افراد، معاشرے، جماعت اور ادارت کو بہتر بنانے کے لئے کام میں لایا جائے۔ انہوں نے تمام علوم کو، جن پر انہوں نے لکھا ہے اسی ایک نقطہ نظر سے دیکھا ہے اور اس پر انہوں نے دقت نظری اور بصیرت سے کام لیا ہے۔

شاہ صاحب نے اس انضمامی فکر کو بروئے کار لاتے ہوئے نہ صرف ماضی کے معاشرتی حالات کا مطالعہ کیا ہے، بلکہ اپنے زمانے کے معاشرتی حالات کا گہرا جائزہ لے کر مستقبل کے لئے راہنمائی بھی کی ہے۔ چنانچہ وہ معاشرے کے بگاڑ کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے رومی اور ایرانی شہنشاہی معاشرت کا مطالعہ پیش کرتے ہیں اور آخر میں کہتے ہیں۔

وماتراہ من ملوك بلادك يغنيك عن حكا ياتهم : ترجمہ : یعنی شہنشاہی دہلی کے معاشرے کا مطالعہ کر لیا جائے تو رومی اور ایرانی معاشروں کا حال خود بخود کھل جاتا ہے۔ (۱۵)

ایک اور موقع پر خرابی معاشرہ کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں،

فليتنبه اهل الزمان بهذا النكتة ۔ ہم نے شہری زندگی کی بربادی کے جو اسباب گنوائے ہیں ان کا مطالعہ کر کے ہمارے ہم عصر اہل فکر اس نکتے پر فکر کریں کہ بربادی کیوں کر ہوتی ہے۔

لہٰذا شاہ صاحب کا یہ فکر انضمام آپ کے فلسفہ کو سمجھنے کے لئے لازمی ہے۔ اس فکر ہی کی بدولت وہ ماضی و حال کے رشتوں کو مربوط کر دیتے ہیں اور غیر مرئی مستقبل مرئی بن کر نظر آنے لگتا ہے۔ اس طرح معاشیات و الٰہیات کے ڈانڈے وہ آپس میں ملاتے ہیں وغیرہ۔

شاہ صاحب کی شخصیت اور فری لینڈ کا بیان : مزید بر آں شاہ صاحب کی شخصیت کے بارے میں پروفیسر فری لینڈ ایبوٹ کا یہ بیان کہ ان کی شخصیت قرون وسطی اور دور جدید کے درمیان ایک کڑی معلوم ہوتی ہے جیسے کہ یورپ میں "دانتے" تھا معنی خیز ہے۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ شاہ صاحب ولی اللہ جدت پسند نہیں تھے، بلکہ اپنے عقائد میں وہ راسخ العقیدہ مسلمان تھے۔ وہ ہندوستان میں عظیم عالم دین شیخ احمد سرہندیؒ کے پیرو تھے، اور دونوں کا مقصد، ایک ہی تھا کہ اسلام کو کیسے تقویت دی جا سکتی ہے فرق صرف یہ ہے کہ آخر الذکر کے دور میں اسلامی سلطنت اپنے عروج کی طرف گامزن تھی جبکہ شاہ ولی اللہ کے دور میں سلطنت زوال پذیر تھی۔ وہ دونوں شخصیات کا موازنہ کرتے ہوئے یوں فیصلہ دیتے ہیں۔

"غالباً شاہ صاحب کا ذہن زیادہ دور رس تھا انہوں نے اسلام کے فعال اور حرکت آفریں کردار کو زیادہ عمیق تجزیے کے ذریعہ سمجھنے کی کوشش کی"۔ (۱۶)

شاہ صاحب کی وفات : آپ نے اکسٹھ سال کی عمر میں ۲۹ محرم الحرام ۱۱۷۶ھ میں وفات پائی (اناللہ وانا الیہ راجعون) آپ کو دہلی میں مہندیوں والے قبرستان میں اپنے والد عبدالرحیم (۱۰۵۹ھ تا ۱۱۳۱ھ) کے قریب سپرد خاک کیا گیا۔ (۱۷)

آپ کی اولاد : آپ کی اولاد میں شاہ عبدالعزیزؒ، شاہ رفیع الدینؒ اور شاہ عبدالغنیؒ، شاہ محمد اسحاقؒ نور اللہ مرقدھم جیسے بزرگ و عالم پیدا ہوئے، یہ شاہ صاحب کی تحریک اور نظریات کے صحیح ترجمان اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

وارث تھے، جنھوں نے ولی اللٰھی تحریک کو دوام بخشا۔(۱۸)

چونکہ شاہ صاحب کے معاشی نظریات سمجھنے کے لیے اس وقت کے سیاسی، اقتصادی اور اخلاقی حالات کا جاننا ضروری ہے لہٰذا آئندہ صفحات میں اس ضرورت کو مدِ نظر رکھ کر اس وقت کے حالات کا خاکہ پیش کیا جائے گا۔

شاہ ولی اللہؒ اور ان کا گرد و پیش

بین الاقوامی حالت : شاہ ولی اللہؒ نے جس دور میں آنکھ کھولی، اس وقت پوری دنیا کے انسانوں میں سیاسی و معاشی کش مکش جاری تھی۔ انگلستان میں عوام کے نمائندے ان کے حقوق کے لئے نوابوں اور بادشاہوں سے پارلیمنٹ میں لڑ رہے تھے۔ فرانس میں روسو (۱۷۱۲ء تا ۱۷۷۸ء) "معاہدہ عمرانی" کا پرچار کر رہا تھا۔(۱۹) امریکہ میں مقامی تحریکیں زور پکڑ رہی تھیں، ساتھ ہی وہ صنعتی میدان میں روز افزوں ترقی کر رہا تھا۔ یورپی ملکوں کی نظریں ایشیاء پر جمی ہوئی تھیں اور وہ تجارتی کمپنیوں کے ذریعہ ان علاقوں کے دولت سمیٹ کر اپنے ملکوں میں لے جانا چاہتے تھے۔ ادھر ایشیائی ممالک جن میں اکثر مسلمان ملک تھے، میں نہ اتحاد تھا نہ لڑنے کی طاقت اس کی وجہ دراصل یہ تھی کی ان کا عوامی طبقہ معاشی طور پر بدحال تھا اور خواص (جاگیردار و امراء) کا طبقہ وجاہت و اقتدار بچانے کی فکر میں لگا ہوا تھا، انہیں عوام کے مسائل سے کوئی دلچسپی نہ تھی، اور نہ ہی ان کی طرف توجہ دینے کے لئے ان کے پاس وقت تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ ممالک اپنی خود مختاری کھو بیٹھے اور ان کے اتحادیوں نے یہاں مضبوط پنجے گاڑھ لیے۔ انہوں نے مراعات یافتہ طبقوں کی وساطت سے مجموعی طور پر یہاں کے سماج کا استحصال کیا اور عوامی طبقہ انحطاط کا شکار ہو گیا۔(۲۰)

ہندوستان کی حالت :

اقوام عالم کے برعکس عالم اسلام (خصوصاً ہندوستان) میں حالات مختلف تھے۔ یہاں عام رجحان پستی اور تنزل کی طرف تھا۔ ایک طرف سلطنت عثمانیہ کا آفتاب اقبال تیزی کے ساتھ غروب ہو رہا تھا، تو دوسری طرف ایران میں انتشار و ابتری کا دور تھا۔ ادھر سلطنت مغلیہ دم توڑ رہی تھی،

نئی نئی قوتیں ابھر کر سیاسی فضا کو مکدر کر رہی تھیں۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ مسلمانوں کی سیاست و سماج کی ساری بنیادیں ہمیشہ کے لئے ہل جائیں گی، اس وقت کی مغلیہ دور حکومت کی سیاسی، اقتصادی اور اخلاقی حالت کا تذکرہ سید سلیمان ندویؒ نے بڑے اچھوتے اور بلاغت کے انداز میں کیا ہے۔

"اس وقت (اٹھارہویں صدی) میں امن و اطمینان اس ملک (ہندوستان) سے حرف غلط کی طرح مٹ گیا تھا۔ سارا ملک طوائف الملوکی، خانہ جنگی، سیاسی بدامنی اور ہر طرح کے شورو شر میں مبتلاء تھا۔ دہلی کی سیاسی مرکزیت مٹ چکی تھی، ہر شمشیر زن اپنی بادشاہی کا خواب دیکھ رہا تھا۔ سکھ ایک طرف، مرہٹے دوسری طرف، جاٹ تیسری طرف اور روہیلے چوتھی طرف ملک میں اودھم مچا رہے تھے، اور نادر شاہ اور احمد شاہ جیسے پرجوش سپہ سالار خیبر کے دروازے کے پاس کھڑے جب چاہتے تھے، آندھی کی طرح آجاتے اور سیلاب کی طرح نکل جاتے اور اس دوران دہلی خدا جانے کتنی دفعہ لٹی اور کتنی دفعہ بنی" (۲۱)

امریکی ڈاکٹر لوتھراپ اسٹاڈرڈ **(Lothrop Stoddard)** نے اپنی تالیف میں اٹھارہویں صدی کی اسلامی دنیا کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ ندوی صاحب کے لئے ہوئے جائزے کے مطابق ہے۔(۲۲)

اہل ہند کی معاشرتی ابتری :

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت اہل ہند کی معاشرتی حالت ابتر تھی، وہ یاس اور قنوطیت کی زندگی میں داخل ہو چکے تھے۔ نادر شاہ کے حملے کے بعد مسلمانوں کی بیچارگی اور درماندگی کی جو حسرت ناک حالت ہو گئی تھی، اس کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے تنگ آکر "جوہر" یعنی خودکشی کا ارتکاب شروع کیا۔(۲۳) اس حملے نے مغلیہ سلطنت کا ڈھانچہ بے جان کر کے رکھ دیا تھا۔ اس وقت ہندوستان سیاسی، انتظامی اور اخلاقی حیثیت سے انحطاط و پستی، بدنظمی و طوائف الملوکی اور انتشار و اضطراب کے اس نقطہ پر پہنچ گیا تھا، جس کو معاشرتی نظام کا دمِ واپسیں یا حالت احتضار سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ مغلیہ حکومت محض ایک قوی ترین اقتدار کی علامت **(Symbol)** بن کر رہ گئی تھی، شہر مردوں سے پر تھا، اور زندوں سے خالی، مکانوں پر ویرانی برستی، محاصل اور خراج کا نظام معطل ہو کر رہ گیا تھا۔ سپاہ تباہ اور خستہ حال تھی۔(۲۴)

toobaa-elibrary.blogspot.com

اورنگزیب عالمگیر جن کی سیاسی حکمت عملی کے سامنے بڑی بڑی طاقتوں کو دم مارنے کی جرات نہ ہوتی تھی، اور دہلی گیا، بہار و بنگال میں بھی کارکنانِ سلطنت پر اس کی ہیبت طاری رہتی تھی، وہ جزئیات سلطنت سے باخبر رہتا، اور بروقت مناسب احکام جاری کرنے میں ذرا بھی تاخیر سے کام نہ لیتا تھا، اب اس کے جانشین کا حال یہ ہو کر رہ گیا، بقول مورخ ہندوستان !

"بادشاہ کے دستخط کا اعتبار نہیں رہا، بادشاہ اپنے متصدیوں سے فرماتا، کہ سب اہل کار آپس میں مل گئے ہیں، جو بہتر سمجھتے ہیں، عمل میں لاتے ہیں، ہمارا فقط اعتبار رہ گیا ہے، خلق کے مطالب قبول کرنے کے سوا ہم کو کوئی اور چارہ نہیں ہے"۔(۲۵)

کمزور حکومتیں اور ان کا انجام : فرماں رواؤں کی اس کمزوری سے امراء طبقہ نے فائدہ اٹھایا۔ اٹھارہویں صدی میں امراء نے جو حالات پیدا کر دیئے تھے، وہ افسوس ناک تھے۔ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے وہ ایک طرف گروہ بندی کرتے تھے، تو دوسری طرف وہ بیرونی طاقتوں سے ساز باز کرتے تھے، اس طرح سماج اور سیاست کا ہر گوشہ ان کی شاطرانہ چالوں سے متاثر ہوا۔ جماعت بندی کے مذموم اثرات محلات سے لیکر جھونپڑوں تک پہنچے اور سماجی زندگی کی تلخیوں میں اضافہ کرتے تھے۔ سیاسی حالات کا اتار چڑھاؤ مغلیہ حکومت کے دربار میں موجود دو مستقل پارٹیوں ایرانی و تورانی کے ابروئے چشم کے تابع تھا۔(۲۶)

ان حالات کا نتیجہ یہ نکلا، کہ مرکزی حکومت کو کمزور پا کر صوبائی حکومتوں نے اعلان خود مختاری کر دیا اور وہ سلطنت مغلیہ جس کا اقتدار کبھی کشمیر سے دکن اور بنگال سے کابل و قندھار تک تسلیم کیا جاتا تھا، سمٹ کر قلعہ معلیٰ کی چار دیواری تک محدود ہو کر رہ گئی۔ اس سے ملکی معیشت کا متاثر ہو جانا ایک یقینی امر تھا۔

طوائف الملوکی اور اس کے اثرات : مغلیہ دور میں سیاسی عدم استحکام سے جہاں اور مسائل جنم لے رہے تھے، وہاں اس سے ملکی معیشت بری طرح متاثر ہو رہی تھی، یہ دور طوائف الملوکی کا تھا، اس وقت عوام کی اکثریت نے کسبِ معاش کے مفید ذرائع چھوڑ کر چرب لسانی، چاپلوسی اور محض امراء اور بادشاہوں کی قربت کو حصول معاش کا ذریعہ بنایا، اس طرح وہ لوگ اعلیٰ اخلاق سے عاری ہو گئے۔

مغلیہ دور میں معاشی عدم استحکام کے جہاں اور کئی عوامل تھے، وہاں آئے دن حکمرانوں کا تخت پر براجمان ہونا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ان کی جگہ دوسرے جانشینوں کا آجانا ہی ایک ایسا المیہ تھا، جس کی وجہ سے حکومت کو پائداری اور استحکام نصیب ہونا ناممکن عمل ہو کر رہ گیا۔ شاہ ولی اللہؒ نے اپنے عرصہ حیات میں گیارہ مغل سلاطین کو حکومت کی باگ ڈور سنبھالتے اور پھر انکی جگہ دوسرے جانشینوں کو تعینات ہوتے دیکھا۔ یہ سیاسی و معاشرتی حالات جہاں سیاست کے اکھاڑے میں مختلف سیاسی پہلوانوں کی شکست و فتح کا باعث بن رہے تھے، وہاں اس سے براہ راست ملکی معیشت متاثر ہو رہی تھی اور معاشی بدحالی جنم لے رہی تھی۔(۲۷)

عہد ولی اللٰہی میں حکومت کی معاشی حالت : شاہ صاحب کے دور میں حکومت کی معاشی حالت کیا تھی، اس بارے میں مغلیہ سلطنت کے زوال کے مورخ سرکار جادو ناتھ لکھتے ہیں۔

"۱۰ مئی ۱۷۵۸ء کو بادشاہ سواری نہ ہونے کی وجہ سے محل سے مسجد تک پیدل چل کر گیا۔ شہزادوں اور شہزادیوں کی حالت غریبوں سے بدتر تھی، شاکر خان جو شہزاد علی خان کا دیوان تھا، کہتا ہے، کہ وہ ایک دن خیرات خانے کا شوربہ شاہی معائنہ کے لئے شہزادہ کے پاس لے کر گیا، تو اس نے کہا یہ محل کی بیگمات کو دے دیں، کیونکہ حرم کے باورچی خانہ میں تین دن سے چولہا نہیں جلا۔ یہی نہیں بلکہ نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی، کہ شاہی خزانے کے خالی ہو جانے کی وجہ سے مہینوں اور بعض اوقات برسوں فوجوں کو تنخواہ نہ ملتی تھی۔(۲۸)

مغل بادشاہ احمد شاہ (۱۷۴۸ء تا ۱۷۵۴ء) کے زمانے کی بابت مورخین لکھتے ہیں۔

"احمد شاہ کے زمانے میں برابر تین سال تک افواج اپنی ماہانہ تنخواہ سے محروم رہیں اور حالت یہاں تک پہنچ چکی تھی، کہ محلات شاہی کے سازوسامان کی فہرست بنا کر دکانداروں کو دے دی گئی تھی، کہ ان کو فروخت کر کے سپاہیوں کی تنخواہیں ادا کی جاتیں۔(۲۹) شاہ عالم (۱۷۵۹ء تا ۱۸۰۶ء) کے عہد میں معاشی بدحالی کا تذکرہ سرسید احمد خان نے جس انداز میں کیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت معاشی بدحالی آخری حد کو پہنچ چکی تھی، وہ اس ضمن میں یوں رقمطراز ہیں"۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

"اس وقت (شاہ عالم کے عہد میں) نہایت معاشی تنگی تھی، تمام کارخانے ابتر ہو گئے تھے شہزادے جو قلعہ کے نو محل میں رہتے تھے، ان کو ماہانہ روپیہ نہیں ملتا تھا اور چھتوں پر چڑھ کر چلاتے تھے کہ بھوکے مرتے ہیں، بھوکے مرتے ہیں۔ (۳۰)

ان واقعات سے ملکی معاشی بدحالی کا اندازہ بخوبی کیا جاسکتا ہے اس لئے کہ جب ملک کے حکمران طبقہ کی حالت اس قدر نازک ہو، تو عوام کی کیا حالت ہو گی!!، عوامی طبقہ کی معاشی زندگی سے متعلق درج ذیل واقعات سے نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے۔

عامتہ الناس کی اقتصادی حالت کا نقشہ :

شاہ ولی اللہؒ نے اپنے زمانے کے عام لوگوں کی اقتصادی بدحالی، پر تکلف رسومات اور کسب معاش سے پہلو تہی جیسی کمزوریوں کا مشاہدہ کر کے بلیغ انداز میں تنقید کی ہے۔ شاہ صاحب کی اس تنقیدی نظر سے اس عہد کے عامتہ الناس کی اقتصادی حالت کا ایک عمومی نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے وہ تنقیدی بیان درج ذیل ہے۔

ولا تتكلفوافى نفقتكم و زيكم مما لا تطيقون .. واكتسبوا قدر ما يكفيكم، و لا تكونوا كلاً على الناس تساء لونهم فلا يعطونكم ولاتكونوا كلاً علىٰ الخلفاء و الامراءِ و انما المرضى لكم الكسب بايديكم واليتخذ كسباً يكفيه، ... و ليكن من شانه القناعة والقصد فى المعيشة.(۳۱)

(ترجمہ) اپنے مصارف خوراک و لباس میں تکلف سے کام نہ لیا کرو۔ اس قدر خرچ کرو جتنی تم میں سکت ہو۔ اور اتنا کمانے کی کوشش کرو جس سے تمہاری ضرورتیں پوری ہوں دوسرے پر بوجھ بننے کی کوشش نہ کرو، کہ ان سے مانگ مانگ کر کھاتے رہو پھر تم ان سے مانگو اور وہ نہ دیں۔ اس طرح حکومت پر بوجھ نہ بن جاؤ، تمہارے لئے پسندیدہ طریقہ یہی ہے کہ خود کما کر کھایا کرو، آدمی کو چاہئے

کہ کمائی کی کوئی نہ کوئی راہ ضرور اختیار کرے اور قناعت واعتدال کو دستور بنائے۔

شاہ صاحب مزید مخاطب ہو کر فرماتے ہیں۔

يا معشر بنى آدم اتخذتم رسوما فاسده تغير الدين و رسوما تضيق عليكم كا الافراط فى الولائم .فضيعتم اموالكم واوقاتكم فى الرسوم و تركتم الهدى الصالح (۳۲)

(ترجمہ) اے ابن آدم! تم نے ایسی بگڑی ہوئی رسوم اختیار کر لی ہیں، جن سے دین کی اصلی صورت بگڑ گئی ہے، تم نے وہ طریقے اپنائے جنہوں نے تم پر تمہاری زندگی تنگ کر دی مثلاً تم نے شادی کی دعوتوں میں تکلف برتنا شروع کیا۔ ان رسومات میں تم اپنی دولت ضائع کرتے ہو وقت برباد کرتے ہو اور صحیح راستہ کو چھوڑ بیٹھے ہو۔

معاشی بدحالی کے محرکات و عوامل :

ان بیانات سے واضح ہے کہ اس وقت عوام معاشی طور پر بدحال اور معاشرتی طور کسمپرسی کی زندگی گزار رہے تھے، وہ ذہنی طور پر منتشر اور جادۂ حق سے بھٹک چکے تھے۔ مرہٹوں کی لوٹ مار نے ایسے حالات میں رہی سہی کسر پوری کر دی۔ بظاہر معلوم یہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی طویل موروثی حکومت کے خاتمہ کا وقت قریب آچکا تھا، عرب فلسفی و مورخ علامہ ابن خلدون کے حکیمانہ مقولہ کی صداقت کا اظہار ہو رہا تھا۔ ان کا کہنا ہے 'ان الهرم اذا نزل بالدولة لا يرتفع (۳۳) جب کوئی سلطنت بڑھاپے کے مرحلہ میں داخل ہو جاتی ہے تو اس کا از سر نو جوان ہونا ممکن نہیں ہوتا۔ یہ شاہ صاحب ہی تھے، جنہوں نے حالات سے قطع نظر اصلاح احوال کی بھرپور کوشش کی، اعیان ملت کی طرف بھیجے ہوئے خطوط میں آپ نے تباہ حالی اور اصلاح کے بارے میں بار بار لکھا، حافظ جار اللہ کو خط لکھتے ہوئے، شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

"دہلی میں رجب سے شعبان ۱۱۶۱ھ کے اخیر تک جاٹوں نے لوٹ مار جاری رکھی۔ انہوں نے عوام کی عزت وناموس کو برباد کیا، اور خوب مال و دولت لوٹا، یہاں تک کہ مکانات کو آگ لگائی۔ (۳۴)

دہلی کی لوٹ مار کا ذکر نجیب الدولہ سے کرتے ہوئے آپ تحریر فرماتے ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

"مسلمانان ہندوستان خواہ وہ دہلی میں ہوں یا کسی اور جگہ انہوں نے لوٹ مار کے یہ صدمے کئی مرتبہ برداشت کیے۔ اب چاقو ہڈی تک پہنچ گیا ہے رحم کا مقام ہے۔ (۳۵)

الغرض اس وقت امن وامان تباہ ہو چکا تھا۔ عوام کی معاشی حالت ابتر ہو چکی تھی، اور ملکی ذرائع آمدن محدود ہو کر رہ گئے تھے۔ محصولات کا نظام درہم برہم ہو کر رہ گیا تھا۔ شاہ صاحب کی ان حالات میں ملک کے مالیاتی نظام پر گہری نظر رہی وہ ایک تحریر میں بیان کرتے ہیں۔

" محصولات ہندوستان کم از ہفت ہشت کروڑ نیست، لیکن بشرط غلبہ و شوکت والاّ درمی بدست نمی اید"۔ (۳٦)

ترجمہ: ہندوستان کی محصولات سات آٹھ کروڑ سے کم نہیں، بشرطیکہ غلبہ و شوکت موجود ہو۔ ورنہ ایک کوڑی بھی ملنی مشکل ہے۔

شاہ صاحب کا ملکی آمدن کے بارے میں اعداد و شمار پر مبنی یہ تجزیہ یقیناً فکر انگیز ہے۔ آپ نے ایسے حالات میں ایک ذریعہ آمدن "خالصہ کی زمین میں توسیع اور نظام محاصل درست کرنے کی سفارش کی۔ اس وقت خالصہ کی زمین محدود ہو کر رہ گئی تھی، عوام بار بار سیاسی انتشار اور لوٹ مار سے برباد ہو رہے تھے۔ بھاری ٹیکسوں نے عوام کی کمر توڑ کر رکھ دی، اس وقت بادشاہ کی طرف سے جاگیروں کی بخشش کے رواج نے معاشرہ میں سرمایہ کا توازن بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔ ملکی آمدن عوام کے رفاہی کاموں پر خرچ کرنے کی بجائے دشمنوں سے صلح خریدنے میں صرف کی جاتی تھی۔ (۳۷)

حاصل یہ کہ اس وقت بادشاہ اور رعایا ہر دو معاشی طور بد حال ہو چکے تھے۔ شاہ صاحب نے ان کے بارے میں تجزیہ کرتے ہوئے فرمایا۔

"کاسئہ گدائی در دست گرفتہ است و از سلطنت بجز نامی باقی نماند سوداگران یا محترفہ بانواع ظلم و ضیق معیشت گرفتار شدہ اند" (۳۸)

<u>جاگیر دار طبقہ</u>: اس وقت ایک تیسرا طبقہ بھی موجود تھا، جس نے تمام اختیارات اپنے قبضہ میں لے رکھے تھے۔ تاریخی شواہد یہ بتا رہے ہیں، کہ یہ متمول اور جاگیر دار طبقہ تھا، جو ملک کے سیاہ و سفید کا مالک تھا۔ سیاسی و معاشی طور پر یہ مضبوط طبقہ تھا۔ سیاسی طور پر ان کی مضبوطی اس طرح تھی، کہ یہ سب

صاحب حیثیت اپنے مشترکہ مسائل میں ایک ہو جاتے اور جب کسی حکمران کو تخت سے اتارنا ہوتا، تو سازشوں کا ایک ایسا تانا بانا تیار کر لیتے، کہ چند روز میں لوگ ایک دوسرے شخص کو تخت نشین ہوتا دیکھتے۔ ان کی معاشی مضبوطی اس طرح تھی، کہ اس وقت بادشاہوں کی طرف سے جاگیریں دینے کا عام رواج تھا، اس کے نتیجہ میں چھوٹی چھوٹی جاگیر داریاں قائم ہو گئی تھیں، ان جاگیر داروں کے پاس عموماً ایک ایک دو دو گاؤں ہوتے تھے، اور ان کے علاقے میں جو دستکار رہتے تھے، وہ گویا ان کی رعیت میں ہوتے تھے، اور جو لوگ ان کی زمین کاشت کرتے تھے، وہ گویا ان کے گھر کے نوکر تھے۔ یہ زمیندار جو مزدوری چاہتے تھے، ، اور جتنا اناج جی میں آتا، کاشتکاروں کو دیتے تھے۔ اور پھر رسم و رواج کے نام سے رقمیں اور غلہ وصول کرتے، گھریلو کام ان سے کراتے، اور ہر قسم کی بیگار لیتے تھے۔ ان دستکاروں یا کاشتکاروں کے درمیان کسی بات پر اگر جھگڑا ہو جاتا، تو عدالت کی طرف رجوع کرنے کی بجائے، وہ انہیں اپنی بلند حویلیوں پر فیصلے کرتے تھے۔ یہ متمول طبقہ اگر کسی کو معاشی طور پر خوشحال دیکھتا تو اس کی مختلف طریقوں سے سرکوبی کرتا، تاکہ اسے زمیندار ہی کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پڑے۔ (۳۹)

ان حقائق سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس متمول طبقہ نے پورے سماج کو کیسے اپنے آہنی پنجوں میں لے رکھا تھا۔ دراصل یہ طبقہ استحصالی تھا، اور دولت کے بہاؤ کا رخ اس طبقہ کی طرف تھا۔ لہٰذا اس طبقہ کی معاشی طور مضبوطی بایں طور تھی، جو ایک مسلم حقیقت تھی۔

اس وقت شاہ صاحب کے سامنے عوامی طبقہ کی کسمپرسی کا نقشہ بھی تھا، جہاں انسانی اقدار پامال ہو رہی تھیں، اور دوسری طرف دولت کی بہتات کے نتیجہ میں امراء کی مسرفانہ زندگی کا منظر بھی سامنے تھا۔ اس وقت کے مسرفانہ زندگی کے کئی واقعات تاریخ نے محفوظ کر لیے ہیں۔ دو واقعات کو بطور نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

<u>مسرفانہ زندگی کے واقعات</u>: مسرفانہ زندگی کا ایک واقعہ نواب جونا گڑھ کا ہے۔ جس کی تفصیل یوں ہے۔

"نواب جونا گڑھ کتے پالنے کا شوقین تھا، ریاست میں اس وقت اسّی بہترین قسم کے کتے موجود تھے۔ ایک دفعہ کتا کتیا کی شادی پر نواب صاحب نے دو لاکھ روپے صرف کر

toobaa-elibrary.blogspot.com

ڈالے۔(۴۰)

دوسرا واقعہ جہاندار شاہ کے دور کا ہے۔ جب بہادر شاہ کے بعد جہاندار شاہ ۱۷۱۳ء میں تخت نشین ہوا، تو اس نے حکومت کی بھاگ ڈور ایک ناچنے والی عورت لعل کنور کے ہاتھ میں دے دی۔ اس کے ابروئے چشم کے اشاروں پر لوگوں کی قسمتیں بنتی اور بگڑتی تھیں۔ جہاندار شاہ نے اپنی عیاشی میں بے دریغ دولت کو لٹایا، اس کی مذکورہ محبوبہ پر دو کروڑ روپے سالانہ خرچ ہوتا تھا۔(۴۱)

استحصالی طبقہ سے نجات: چونکہ یہ امراء حصول زر کے لئے ناجائز طریقے بھی کام میں لاتے تھے، اور اس ضمن میں وہ سماج پر ظلم سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے، اس لیے شاہ صاحب اس طبقہ سے نالاں ہیں۔ سماج پر ظلم کے سلسلے میں شاہ صاحب لکھتے ہیں۔

"نوابوں اور امراء نے معاشی دست و برد شروع کر دی اور اس کا طریقہ یہ اختیار کیا، کہ کاشت کاروں، تاجروں، پیشہ وروں اور اس طرح دوسرے کارپردازوں پر طرح طرح کے ٹیکس عائد کر کے ان کی کمر توڑ دی اور انکار کرنے پر ان کو سخت سزائیں دیں"۔(۴۲)

امراء کا یہ استحصالی طبقہ محض دولت کے بل بوتے پر ملک کے انتظامی امور پر بھی اثر انداز تھا۔ شاہ صاحب امراء اور جاگیر داروں کی اس ذہنیت پر قدغن لگاتے ہوئے یوں لکھتے ہیں۔

"ان لوگوں کی آمدنیاں بے انتہاء ہیں۔ دل میں آتا ہے تو مالیانہ دیتے ہیں، ورنہ اپنی تجوریاں بھرتے ہیں، یہاں تک کہ اپنی دولت و شوکت کے بل بوتے پر حکومت سے ٹکر لیتے ہوئے بھی نہیں گھبراتے"۔

شاہ صاحب کی بعض تحریرات سے یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ نوابوں اور امیروں کا یہ طبقہ ہندوؤں کی اکثریت پر مشتمل تھا۔ جن کے گھروں میں تیزی سے دولت جمع ہو رہی تھی، جبکہ مسلمانوں پر افلاس اور بدحالی کے بادل چھائے ہوئے تھے۔(۴۳)

ان وجوہات کی بناء پر شاہ صاحب امراء اور سرمایہ دار طبقہ سے نالاں ہیں، وہ اپنی تحریرات میں ان کے لئے بدمعاش، ملاعین اور مترفین جیسے الفاظ استعمال کرتے ہیں کبھی اپنے دور کے جاگیرداروں کو قیصر و کسریٰ سے بدتر بتلاتے ہیں۔ شاہ صاحب ان استحصالی طبقہ کو انسانیت کے لیے مصیبت قرار دیتے

ہیں۔ ان حالات میں علمی سرمایہ داروں کا حال یہ تھا۔

علماء و صلحاء امت کا کردار: امت مسلمہ کی راہنمائی میں دو طبقوں یعنی علماء و صلحاء کا کردار ہمیشہ نمایاں رہا ہے۔ اس وقت یہ دونوں طبقے اپنی افادیت کھو چکے تھے علماء جو مذہب کے ظاہری علوم اور عام عقائد کے محافظ و نگہبان تھے اور دوسرے صوفیاء جو اسلام کی روح اور کے باطنی مقاصد کے علمبردار ہوتے ہیں اپنے فرائض منصبی سے ہٹ گئے تھے، علماء کتاب اللہ کی تاویلات میں ایسے الجھے کہ بس الجھ کر ہی رہ گئے، بحث و تمحیص کی بوچھاڑ اور امور و مسائل کی اکھاڑ پچھاڑ نے اسلام کی صداقتوں کو بندگانِ خدا کی آنکھوں سے اوجھل اور عوام کی زندگی کو فرسودہ رسومات کی بھرمار سے بوجھل کر دیا تھا۔

اس ضمن میں نام نہاد صوفیاء بھی قریب قریب وہی کردار انجام دے رہے تھے، جو کردار جاہل ملاؤں کا تھا، چنانچہ جن علماء اور صوفیاء کو احکام الٰہیہ اور امور دینی کے باب میں قیادت و راہنمائی کا فریضہ انجام دینا چاہئے تھا، جنہیں "نباضِ ملت" کی حیثیت سے جدید و قدیم امراض کی تشخیص کرنا تھی، اور ملتِ بیمار کی صحت کے لئے دوا تجویز کرنا تھی، بدقسمتی سے وہی علماء اور صوفیاء بذاتِ خود بہت سے امراض کا سبب بن گئے اور انہوں نے اپنی جہالت، خود غرضی اور مفاد پرستی کے سبب اسلام کو اسرائیلی اساطیر، عجمی افکار اور ہندوانہ رسومات کا ایسا لباس پہنا دیا کہ اسلام کے پیروکار بھی اسلام کے اصل اور صحیح خدوخال نہ دیکھ پاتے تھے۔ غرض یہ کہ اسلام کی اشاعت کے دعویدار اور عظمت اسلام کے علمبردار دونوں گروہ ذلت و پستی کے گرداب میں پھنس کر بندگانِ خدا کو بے راہ کر رہے تھے۔ یہ نام نہاد علماء صلحاء اسلام کی روح سے بیگانہ عصری تقاضوں سے ناآشنا اور مسلمانوں کی عملی زندگی کی ضروریات سے قطعی بے خبر تھے، ان کا ذہن کسی طرح اس حقیقت کو تسلیم ہی نہیں کرتا تھا، کہ دین کے اصولوں کی روشنی میں عملی زندگی کی مشکلات پر قابو پایا جا سکتا ہے، اور ہر نوع کے دنیاوی امور و مسائل کو حل کیا جاسکتا ہے۔ مذہبی حوالہ سے عوام نے دین چند رسومات کا مجموعہ یقین کر لیا تھا۔ دین کو شخصی معاملہ سمجھ کر اجتماعی نظام کے طور پر پیش کرنے والے علماء و صلحاء طبقہ نے اپنے تئیں دین کو انہیں رسومات کا مجموعہ خیال کیا۔ المختصر یہ المناک حالات تھے کہ شاہ صاحب جیسے ہمہ جہت انسان کو اللہ نے اٹھایا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

شاہ صاحب اور نظریہ فک کل نظام: آپ ایسے حالات میں بتلاتے ہیں کہ امت پر مجموعی طور پر جب ایسی مصیبت آتی ہے، تو اللہ تعالیٰ انسانیت کو اس سے نجات دلانے کے لئے ضرور کوئی سبیل نکالتا ہے۔ آپ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا ایک مقصد معاشی مفاسد کو مٹانا بھی قرار دیتے ہیں۔ آپ ان مصائب کا حل "فک کل نظام" قرار دیتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ تمام استحصالی نظاموں کو مٹا کر نظام عدل کو نافذ کیا جائے۔ شاہ صاحب کا یہی ہمہ گیر نظریہ ہی ہے کہ معاشرہ میں جو خرابیاں عہد رسالت میں موجود تھیں، وہ سب آج کے معاشرے میں موجود ہیں۔ لہٰذا قرآن حکیم کا جامع فلسفہ یہ ہے کی اس کا نزول ہر دور کے حوالہ سے ہے اور یہی نکتہ اس کی عالمگیریت کی دلیل ہے کہ قرآن کے آئینہ میں مسلمانوں کی نسلیں اور اپنے اپنے عہد کا مسلم معاشرہ اور طبقاتِ امت اپنا چہرہ دیکھیں اور فکر کریں کہ معاشی معاشرتی خرابیاں اور کمزوریاں دبے پاؤں ان میں کیسے سرایت کر جاتی ہیں۔ قرآن حکیم جو سرچشمہ ہدایت ہے، ان مسائل کا کیا حل پیش کرتا ہے۔ انطباق قرآن بر حوادث وہ اساسی عامل جس سے قرآن مجید کا جمال جہاں آراء سامنے آجاتا ہے۔

موضوع مقالہ: قصہ کوتاہ یہ ان معاشی و معاشرتی حالات کا ایک خاکہ تھا، جس کے اندر رہ کر شاہ صاحب نے ارباب حل و عقد کو اصلاح احوال کے لئے مناسب تجاویز پیش کیں۔ ایسے حالات میں آپ نے نہ صرف فرسودہ نظام حیات کو ہدف تنقید بنا کر سماج میں بے چینی کی کیفیت پھیلائی، جیسے کوئی حکیم مریض کو علاج تجویز کئے بغیر مرض بتلا کر مزید اعصابیت (NERVELESS) میں مبتلا کر دیتا ہے بلکہ آپ نے درپیش حالات کا تفصیلی جائزہ لے کر ایک جامع اصلاحی پروگرام کا ڈھانچہ پیش کیا۔ آپ کی کتب میں اس پیش کردہ ڈھانچہ کے بارے میں بخوبی معلوم کیا جاسکتا ہے۔ اس ڈھانچہ کے اقتصادی پہلو کا جائزہ لینا اس مقالے کا ہدف ہے، آپ کی نظر میں معاشرے کی بگڑی ہوئی صورت حال کا بنیادی سبب سرمایہ کا عدم توازن تھا، جس کے نتیجہ میں متمول طبقہ کی تمام تر توجہات تعیشات کو داو عیش دینا ہی رہ جاتا ہے، جب کہ مفلوک الحال طبقہ کی قوت و صلاحیت سامان تعیش کے فراہم کرنے میں صرف ہوتی ہے، اس طرح اشیاء صرف کی پیداوار متاثر ہو کر رہ جاتی ہے اور اقتصادی بدحالی کا سامنا کرنا پڑ جاتا ہے۔ شاہ صاحب کے بیان کردہ اقتصادی اصولوں کا تفصیلی جائزہ اور ان کی روشنی میں درپیش اقتصادی مسائل کا

حل تلاش کرنا اس وقت ایک ضرورت بن گئی ہے آپ کے اقتصادی نظریات کی افادیت کے بارے میں نصف صدی پہلے مفکر اسلام منظور احمد نعمانیؒ نے ان الفاظ میں احساس دلایا تھا۔ وہ لکھتے ہیں۔

"اگر ماہرین اقتصادیات و معاشیات کی کوئی تاریخ لکھی جائے تو اس میں بھی شاہ صاحب کا تذکرہ نمایاں طور پر ہوگا۔ صرف حجۃ اللہ البالغہ اور البدوز البازغہ میں ابواب ارتفاقات کے ذیل میں انہوں نے اقتصادی و معاشی مسائل پر جو کلام کیا ہے اور جو اصول انہوں نے اس سلسلے میں مرتب کیے ہیں اگر کوئی حکومت نیک دلی اور دیانت داری کے ساتھ ان کو اپنے لئے دستور حیات کا اساس قرار دے تو یقیناً اس کی قلمرو میں وہ ہمہ گیر بے چینی اور طبقاتی کشمکش پیدا نہ ہوگی، جو اقتصادی اور معاشی الجھنوں ہی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور فی زمانہ جس نے تقریباً ہر، ملک کے باشندوں سے چین و اطمینان اور زندگی کا سکون چھین لیا ہے اور بنی آدم کی غالب اکثریت کے حق میں جیتے جی اس دنیا کو دوزخ بنا دیا ہے۔ (۴۴)

شاہ صاحب کے بارے میں نعمانی صاحب کے یہ نگارشات حسن عقیدت اور جذبات محض پر مبنی نہیں، بلکہ ان کے پیچھے واقعات و شواہدات کا پس منظر ہے۔ گویا اس اجمال کی تفصیل اس مقالے کا موضوع ہے جس میں شاہ ولی اللہؒ کے معاشی افکار کو ترتیب دے کر عصر حاضر میں اس افادیت کو واضح کیا گیا ہے۔ قبل اس کے کہ شاہ ولی اللہؒ کے معاشی نظریات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ لیا جائے، مناسب ہے کہ عصر حاضر کے نظامہائے معاش کا اجمالی تعارف پیش کیا جائے، لہٰذا آئندہ باب اسی پر مشتمل ہے۔ اللہ حامی و ناصر ہو۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حواشی

(۱)۔ دہلوی شاہ ولی اللہؒ "الامداد فی مآثر الأجداد" مطبوعہ مجتبائی، دہلی، بار دوم ۱۳۳۵ھ ص ۱۴۔
واضح ہو کہ شاہ صاحب نے اپنے سوانحی حالات و واقعات اپنی بعض کتب میں قلم بند کیے ہیں، ان میں سے محولہ بالا کتاب کے علاوہ "الجز اللطیف فی ترجمة العبد الضعیف" اور رسالہ "انسان العین فی مشائخ الحرمین" قابل ذکر ہیں۔ شاہ صاحب کی ابتدائی زندگی ان جیسی کتب سے ماخوذ ہیں۔ سلسلہ نسب کے بارے میں وہ "الامداد فی مآثر الأجداد" میں لکھتے ہیں "سلسلہ ایں فقیر بامیر المؤمنین عمر بن الخطابؓ مے رسد، واجداد ما اول کسے کہ دربلد رہتک اقامت اختیار کرد شیخ شمس الدین مفتی است مابین ہانسی و دہلی" اس ماخذ کی روشنی میں آپ کا شجرہ نسب یوں ہے۔
فقیر شاہ ولی اللہ بن الشیخ عبد الرحیم بن الشہید وجیہ الدین، بن معظم بن منصور، بن احمد بن محمود، بن قوام الدین، عرف قاضی قاذن، بن قاضی بن قاسم کبیر، عرف قاضی بدہ، بن عبد الملک، بن قطب الدین، بن کمال الدین، بن شمس الدین، (مفتی) بن شیر ملک، بن محمد عطا ملک، بن ابو الفتح، ملک بن عمر حاکم ملک، بن عادل ملک، بن فاروق بن جرجیس، بن احمد، بن محمد شہریار، بن عثمان، بن ماہان، بن ہمایون بن قریش ابن سلیمان بن عفان بن عبد اللہ بن محمد بن عبد اللہ بن عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہم۔ شاہ صاحب نے اپنے حالات قلم بند کر کے حق تعالیٰ کے اپنے پر بیش بہا انعامات کا ذکر کرتے ہوئے اس تحریر پر کلام کو ختم فرمایا۔
ولو أن لی فی کل منبت شعرة لساناً لما استوفیت واجب حمده (ترجمہ) اگر میری ہر بال کی جگہ زبان ہوتی، جو ہر وقت مصروف حمد الٰہی ہوتی، تو بھی حق تعالیٰ کی حمد کا جو حق مجھ پر ہے وہ ادا نہ کر پاتا۔

(۲)۔ قریشی اشتیاق حسین "بر عظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ" مترجم ہلال احمد زبیری، شعبہ تصنیف و تالیف کراچی یونیورسٹی، بار دوم ۱۹۷۰ء، ص ۲۱۱۔

(۳)۔ دھلوی، شاہ ولی اللہ "الجزء اللطیف فی ترجمه العبد الضعیف" (فارسی) ادارہ اسلامیات لاہور، مارچ ۱۹۷۰ء۔

(۴)۔ میرٹھی، قاضی بشیر الدین "ملفوظات شاہ عبد العزیز" مطبع مجتبائی، میرٹھ، ۱۳۱۴ھ ص ۴۰۔

شیخ کردی کو شاہ صاحب کی ذہانت پر بڑا ناز تھا، وہ کہا کرتے تھے، (ولی اللہ) یسند عنی الالفاظ و کنت أصحیح المعنی منه۔ یعنی وہ مجھ سے لفظوں کی سند لیتے ہیں اور میں ان سے حدیث کے معنی کی تصحیح کرتا ہوں۔

(۵)۔ جلبانی، غلام حسین "شاہ ولی اللہؒ کی تعلیم" شاہ ولی اللہؒ اکیڈمی، حیدر آباد، بار اول ۱۹۶۲ء، ص ۵۔

(۶)۔ دہلوی "التفہیمات الالٰہیه" (محشی غلام مصطفیٰ قاسمی) شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر آباد، بار اول ۱۹۷۰ء، ج ۱، ص ۱۶۹۔ (بتغیر یسر۔)

(۷)۔ حوالہ خصوصی نمبر الفرقان، بریلی۔

(۸)۔ دہلوی، "التفہیمات الالٰہیه" ج ۲، ص ۷۔

(۹)۔ سندھی، عبید اللہ "امام ولی اللہؒ کی حکمت کا اجمالی تعارف" ماہنامہ الفرقان بریلی، خصوصی نمبر ج ۷، شمارہ ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳۵۹ھ۔

دیکھئے شاہ صاحب کی تصنیف انفاس العارفین میں اس حوالے سے ایک دلچسپ واقعہ منقول ہے، شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ فتاویٰ کو ترتیب دینے والی جماعت میں والد ماجد شاہ عبد الرحیمؒ کا نام بھی شامل تھا، عالمگیر کو اس کتاب کی تدوین کا بڑا اہتمام تھا، "الثقافة الاسلامیه فی الهند" والے نے بڑے تفحص و تحقیق کر کے لکھا ہے، کہ اس فتاوی کی ترتیب و تشہیر پر لاکھوں (موجودہ تقریباً نوے لاکھ) لاگت آئی، اس کے مرتبین کی تعداد اکیس تھی، اس کی تدوین کا طریقہ یہ تھا، کہ ملا نظام الدین برہان پوری (آفیسر سر رشتہ تدوین) روزانہ ایک صفحہ بادشاہ کے سامنے پڑھا کرتے تھے ایک دن انہوں نے وہ حصہ پڑھا جو ملا حامد کے سپرد تھا، انہوں نے ایک ہی مسئلہ کے متعلق دو متفرق کتب کے مختلف المعنی عبارات جمع کر کے نہ صرف عبارت کو گنجلک بنا دی، بلکہ مسئلہ کی نوعیت کو بدل کر ڈالا، شاہ صاحب کی نظر جب اس عبارت پر پڑی، تو مسودے کے حاشیہ پر یہ عبارت لکھ دی، من لم یتفقه فی الدین قد حرّف فیه هذا غلط وثوابه کذا (جو دین کی سمجھ نہ رکھتا ہو اس سے یہاں تحریف و اختلال واقع ہو گیا ہے، یہ غلط اور یہ صحیح ہے، چونکہ ملا نظام نے متن کی عبارت کے ساتھ شاہ صاحب کا حاشیہ جلدی میں پڑھا، اس لئے انہیں اس کا چنداں خیال نہ رہا مگر عالمگیرؒ جس شغف اور توجہ سے فتاویٰ کے مسودات سنتا تھا، وہ ایک ناقابل بیان امر تھا، یہی وجہ ہے کہ حاشیہ والے زائد فقرہ کا کان میں پہنچنا تھا اور این عبارت چیست ؟ کی آواز شاہی جلال کے ساتھ ملا نظام کے کان میں ٹکرائی تھی

toobaa-elibrary.blogspot.com

، ہوش وحواس درست کر کے جیسی مطلب خبط ہی نظر آیا حتی، کہ نظام نے خفت اٹھا کر اس عبارت کی تنقیح کے لئے مہلت طلب کی۔ واپسی پر شاہ صاحب نے کتابیں کھول کر ان کی تسلی فرمائی، اور عبارت کا انطباق کیا ان جیسے واقعات سے بعض معاصرین کو شاہ صاحب سے بیر ہوا اور اس مجلس سے آپ نے علیحد گی اختیار کر لی، اس واقعہ کی تفصیل کے لئے مناظر احسن گیلانی کا مقالہ جو شاہ ولی اللہؒ نمبر الفرقان میں طبع ہوا، مراجعت کی جا سکتی ہے، اسی ماٰخذ میں مذکور ہے کہ اس واقعہ کے بعد عالمگیرؒ نے شاہ صاحب سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی اور دونوں کے درمیان باضابطہ ملاقات ہوئی۔

(۱۰)۔ حوالہ سندھی عبید اللہؒ، امام ولی اللہ کی حکمت کا اجمالی تعارف "ماہنامہ الفرقان، فصل چہارم ص ۲۴۹۔

(۱۱)۔ حبیب سبحانی "شاہ ولی اللہؒ اور ان کا اقتصادی پروگرام" ماہنامہ الولی شاہ ولی اللہؒ اکیڈمی حیدر آباد، اگست ۱۹۷۲ء، شمارہ ۵، ص ۶۹۔

(۱۲)۔ ندوی، ابو الحسن علی "حضرت شاہ ولی اللہؒ بحیثیت مصنف" ماہنامہ الفرقان بریلی، ص ۳۳۷۔

شاہ صاحب کی تصانیف کے بارے میں واضح ہو کہ ان کی جملہ تصانیف چھوٹی بڑی ملا کر سو سے کچھ اوپر ہیں، جن میں سے اب بہت سی کتب ناپید ہو چکی ہیں، اور بقدر نصف کا پتہ اور نام ملتا ہے جو کتب دستیاب ہیں ان کی موضوعاتی فہرست یہ ہے۔

ا۔ علوم القرآن

(۱) الفوز الکبیر فی اصول التفسیر (۲) تأویل الأحادیث فی رموز قصص الأنبیاء

(۳) فتح الخبیر تفسیر بالماثور (٤) فتح الرحمٰن فی ترجمة القرآن

ب۔ علوم الحدیث

(٥) السر المکتوم فی تدوین العلوم (٦) الإنصاف فی سبب الإختلاف

(۷) حسن العقیده (۸) عقدالجید فی احکام الإجتهاد والتقلید

(۹) اربعون حدیث (۱۰) آثار المحدثین

ج۔ علوم الحکمۃ واسرار الدین

(۱۱) البدور البازغه (۱۲) حجة الله البالغه

(۱۳) التفهیمات الإلٰهیه (۱٤) خیر کثیر

د۔ علوم التاریخ

(۱٥) ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء (۱٦) القول الجمیل فی بیان سواء السبیل (۱۷) الا نتباه فی سلاسل اولیاء الله (۱۸) انسان العین فی مشائخ الحرمین (۱۹) اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم (۲۰) انفاس العارفین (۲۱) بوارق الولایه

ھ۔ علوم الاخلاق والتصوف

(۲۲) الطاف القدس (۲۳) سرور المخزون، (۲٤) سطعات، (۲٥) لمعات (۲٦) ہمعات (۲۷) شفاء القلوب (۲۹) عقیدة الحسنه (۳۰) فتح الودود فی معرفة الجنود (۳۱) مکتوبات فی مناقب امام بخاریؒ وابن تیمیہؒ

آپ کا مقام و مرتبہ: تصنیفی میدان میں آپ کا مقام و مرتبہ بہت بلند ہے، آپ کی صحیح علمی و تصنیفی مرتبت متعین کرنے کے لیے اسلام کی علمی و تصنیفی تاریخ پر طائرانہ نظر ڈالنا ضروری ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ آپ جیسے مصنّفین تاریخ اسلام میں نادر ہیں، تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ دنیا کے کسی مذہب کی علمی تاریخ اتنے اہل قلم، اتنے صاحب تصنیف اور تاریخ کی اتنی مختصر مدت میں اتنا وسیع معمور اور قیمتی کتب خانہ پیش نہیں کر سکتی جتنا کہ اسلام نے پیش کیا اس موقع پر ہمارے سامنے عظمت کا معیار، تصانیف کی کثرت، موضوع کا تنوع، کتابوں کی ضخامت، تصانیف کی مقبولیت اور رواج، مضامین کا اشکال اور پیچیدگی، خیالات میں تعمق اور فہم یا تشریح مطالب میں موشگافی، متن کا اختصار مطالب کی تلخیص یا شارحانہ اور محشیانہ گرہ کشائی اور نقطہ رسی میں سے کوئی چیز نہیں ہے، یہ سب کمالات اپنی جگہ پر مسلم اور تمام علمی خدمات اپنے حالات کے اعتبار سے قابل ستائش ہیں، لیکن تجدید تخلیق و امامت کا مقام اس سے بلند ہے۔ یہاں تجدید اس چیز سے عبارت ہے کہ مصنف نے کسی موضوع پر کوئی ایسی چیز پیش کی ہو جس سے ا۔ وقت

toobaa-elibrary.blogspot.com

تک کا کتب خانہ خالی ہو۔ نئے علمی نظریات تازہ و نادر خیالات اور جدید تحقیقات پیش کی ہوں اس کے ہاں جدت فکر ہو، ذہن کا اجتہاد ہو، مضامین میں اصلیت اور اولیت ہو پھر آپ محض مصنف ہی نہیں تھے بلکہ آپ کے ہاں عقل کے ساتھ عشق کا بھی اجتماع ہے اور مصنف کا قلم نغمہ زن کی انگلی کی طرح رباب دل کے تاروں کے ساتھ کھیلنے لگا ہے۔

اس اعتبار سے وہ ایک دینی مصلح کی حیثیت سے روپ دھار لیتے ہیں امام غزالیؒ کی تصنیفات میں یہ رنگ پایا جاتا ہے۔ علم و استدلال کے ساتھ کوئی دینی تحریک اور اصلاحی جوش اور کسی صالح انقلاب کی خواہش شامل ہو جائے، اور اس کی تحریروں اور تصنیفات سے کسی نئے دور کا آغاز اور کسی نئی جماعت کی پیدائش کا سامان ہو تو وہ مجدد کہلانے کا مستحق ہوتا ہے۔ علامہ ابن تیمیہؒ، حضرت مجدد سرہندی اس کی مثال ہیں۔

آپ مذکورہ بالا تمام کمالات کے جامع تھے۔ اسلام کی باکمال تصنیفات کی خواہ کتنی ہی مختصر فہرست بنائی جائے، آپ کے نام کے بغیر وہ نامکمل رہے گی اور مرتبت کے لحاظ سے آپ کا نام اتنا پیچھے نہیں رہے گا جتنا کہ تاریخ کے لحاظ سے آپ کا نام پیچھے ہے۔

<u>آپ سے پہلے تصنیفی میدان میں مساعی</u>: مسلمانوں کی تصنیفی تاریخ قرآن وحدیث سے شروع ہوتی ہے طبعی و عقیدتی وابستگی کے پیش نظر بھی ان کی تصنیفی کاوشوں کا موضوع اور ان کی دماغی جولانیوں کا میدان قرآن وحدیث ہونا چاہئے، اس میدان میں مسلمانوں کی مساعی کی مثال ملنا مشکل ہے چوتھی صدی ہجری تک بہترین اسلامی تصنیفات اس امر کا واضح ثبوت ہے تاہم حالات کی مناسبت سے دوسرے موضوعات بھی اس عہد میں متعارف ہو ہیں۔ مثلاً ارتقاء تمدن اور دنیاوی ضرورتوں کے پیش نظر علم فقہ کو قبولیت حاصل ہوئی دوسری صدی ہجری ہی سے مجتہدانہ تصنیفات وجود میں آئیں، جن میں سے قدیم کتابوں میں امام شافعی کی کتاب الام ابن قدامہ حنبلی کی المغنی اور پچھلی صدیوں میں احناف کی مایۂ ناز کتاب "ھدایہ" خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ مسائل کے استنباط اور قیاس واجتہاد کے سلسلہ میں ضروری طور پر اصول فقہ کی طرف توجہ ہوئی اور بہت جلد مسلمانوں نے اس کو اتنی ترقی دی کہ غالباً کسی قوم نے اصول تشریع و قانون سازی میں اتنی ترقی نہ حاصل کی ہو گی۔ اس فن

میں مسلمانوں کی بہترین دماغی صلاحیتیں صرف ہوئیں اور تحقیق کی نئی شاہرائیں متعارف ہوئیں۔ امام غزالیؒ کی المستصفی علماء احناف و شوافع کی جملہ طویل و متوسط کاوشیں اس کی بین ثبوت ہیں۔ دوسری صدی کی ابتداء ہی میں مختلف اقوام کے اختلاط اور متنوع آراء و خیالات کے اشتراک اور بعد میں یونانی فلسفہ اور خیالات کی وجہ سے مسلمانوں میں ایک نہایت خام قسم کی عقلیت پیدا ہوئی، جس میں کسی قسم کی گہرائی و پختگی نہیں تھی اس فلسفہ سے نو عمر قوم کا مبتلاء ہونا ایک لحاظ سے انکی ذہنی مرعوبیت کا منہ بولتا ثبوت ہے، ایسی تصانیف میں کوئی جدتِ فکر، استباط و اجتہاد کی رنگ کیا، حقیقت تو یہ ہے کہ یہاں حریت فکر، انقلابی کوشش کا نشان جس کے مسلمان مدعی تھے، سے محروم نظر آرہے ہیں۔ یہاں تک کہ فلسفہ اور اسلام کو تقابلی رنگ میں پیش کرنے کی صورتیں بھی سامنے آئیں۔ علم کلام اس کے توڑ کے طور پر اسی زمانے میں وجود میں آیا، اور یوں علم کلام میں بھی مسلمانوں کی ذکاوت صرف ہوئی، امام ابوالحسن اشعری ۳۳۰ھ اور امام ابو منصور ماتریدی ۳۳۳ھ کی تصنیفات اور امام غزالیؒ ۵۰۵ھ کی جارحانہ اور امام رازی ۶۰۶ھ کی مدافعانہ کوشش اس سلسلہ میں ناقابل فراموش ہیں۔

فلسفہ اور علم کلام کے تقابل کے نتیجہ میں ذہن کی پیچیدگیاں، غلط مذہبی نظریات سامنے آئیں دوسری طرف بعد زمانہ سے بدعات اور مشرکانہ خیالات پیدا ہو گئے تھے۔ ان کا اقتضاء تھا کہ ایسے اشخاص پیدا ہوں، جو سنت کا احیاء کریں عقل و نقل کے اس معرکہ میں اسلامی عقائد و مسائل کی حکیمانہ تشریح کریں۔ خالص دعوت حق کا علم بلند کریں یہ خدمت آٹھویں صدی ہجری میں شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ اور ان کے شاگرد رشید علامہ ابن قیمؒ نے اپنی مساعی اور عالمانہ تصنیفات کے ذریعہ انجام دیں، اس کے بعد جدلیات اور علمی مناظروں کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ اور بہترین قوتیں اس میں صرف ہونے لگیں، اس عہد میں حدیث کے بارے میں ایک بہترین کوشش صحیح بخاری کی شرح فتح الباری کی صورت میں سامنے آئی، اس کے بعد تمام عالم اسلام میں ایک عام علمی انحطاط اور تصنیفی زوال شروع ہوا جو بارہویں صدی ہجری

toobaa-elibrary.blogspot.com

تک قائم رہا، اجتہاد و تفکر کی قوت جاتی رہی علم میں تقلید شعار بن گیا۔ فنون کی شرح و تلخیص مآل کار رہ گیا تدریسی کیفیت تعلیم میں اضافہ ہوا۔

علم و تصنیف کے اس دورِ انحطاط میں آپ پیدا ہوئے، لیکن وہ اپنے زمانے کی پیداوار نہیں ان کے ذہن کی سطح ان کے ادراک، ان کے علوم و معارف اپنے زمانے کے عام علماء کی ذہنی سطح سے بہت بلند تھے، آپ ان اشخاص میں سے تھے جو کئی سو برس بعد اپنے زمانے کے بالکل برخلاف، اہل زمانہ سے بالکل مختلف پیدا ہوتے ہیں۔ بجاطور پر ان کو عبقرئین اور نوابغ کہا جاتا ہے، آپ کی تصانیف بھی اپنے زمانے کی عام روش سے بالکل علیحدہ تھیں، آپ کا طرز فکر وحث جدا اور آپ کے مضامین ان لوگوں کے لئے جن کے عام معلومات متداول کتب درسیہ تک محدود تھیں، بالکل نئے تھے۔ خیالات کی ندرت سے اہل علم کو وحشت کا خوف خود منصف کو بھی دامن گیر تھا۔

آمدم برسر مطلب : اس تفصیل کے بعد آپ کی خصوصیات تصنیف اسی حیثیت سے بیان کرتے ہیں۔

(۱) **سبقت و اولیت** : گو اس عہد میں اسلامی مسائل کی حکیمانہ توجیہ و تشریح اور تطبیق عقل و نقل اگرچہ بالکل نیا موضوع نہیں تھا۔ خود آپ نے حجۃ اللہ البالغہ کے مقدمہ میں امام غزالیؒ، شیخ الاسلام عزالدین بن سلام کا نام لیا، جنھوں نے احکام شرعی کے حِکَم و مصالح بیان کئے ہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ ان بزرگوں نے جو کچھ بتایا ہے، اس کی حیثیت اشارات و نکات سے زیادہ نہیں، اسلام کے پورے نظام شرعی کی حکیمانہ تشریح ہمیں آپ سے پہلے نہیں ملتی، اس اہتمام وسعت اور جامعیت کے ساتھ اسی موضوع پر حجۃ اللہ البالغہ اور البدور البازغہ بالکل نئی کاوشیں ہیں۔

(۲) **اصول تفسیر** : اب تک اصول تفسیر کے حوالہ سے بہت کم لکھا گیا تھا۔ آپ کی کتاب الفوز الکبیر فی اصول تفسیر اس ضمن میں نمایاں پیش رفت ہے پوری کتاب نکات اور کلیات پر مشتمل ہے بعض وجدانی و ذوقی اصول جو آپ نے منضبط کئے ہیں، ——— دوسری کتابوں کے سینکڑوں صفحات کھنگالنے سے بمشکل ہاتھ آئیں گے، فرقِ باطلہ کی

احصاء و مضامین قرآن کے پنجگانہ اصول، ناسخ منسوخ کے بارے میں آپ کی قرآنی فہمی امتیازی اہمیت کی حامل ہے، برصغیر میں ایک لحاظ سے قرآن فہمی کا سہرا آپ کے سر ہے، آپ نے علوم اسلامیہ کا کوئی شعبہ ایسا نہیں چھوڑا جس پر اپنی عالی دماغ سے تصرف نہ کیا ہو، جس کام میں ہاتھ ڈالا اسے مکمل انداز میں پیش کر کے اہل عصر کو حیرت میں ڈال دیا، قرآن مجید کی فہم و تبلیغ کی جو راہیں، آپ نے ہموار کیں انہی کی روشنی سے بعد کے علماء نے استفادہ کیا۔ قرآن فہمی کا ورثہ بھی والد بزرگوار سے ملا تھا۔ جزء اللطیف میں لکھتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ نے مجھ حقیر پر بڑے بڑے الطاف فرمائے ہیں، جن مین سے ایک یہ بھی ہے کہ مجھے چند بار والد بزرگوار سے معانی قرآن میں تدبر کرنے اور تفاسیر میں مطالب کی تحقیق کے ساتھ قرآن پڑھنے کا موقع ملا جس کی وجہ سے مجھ پر علم و عرفان کا دروازہ کھل گیا"۔

دراصل دیکھا جائے تو دور جدید میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لیے قرآن حکیم کی طرف رجوع کرو **(Back to theQuran)** کی جو تحریکیں اس وقت اٹھ رہی ہیں، ان میں آپ کے مساعی کو کسی نہ کسی اعتبار سے دخل ہے، بجاطور پر کہا جاسکتا ہے، کہ دعوت الی القرآن اور قرآن فہمی کے حوالہ سے الفوز الکبیر اپنے موضوع پر منفرد کتاب ہے۔ اس کتاب کو پڑھ کر ادیان سابقہ فرق ضالہ اور اقوام و ملل کی پرانی بیماریوں اور کمزوریوں کی نشان دہی ہوتی ہے۔ اور اس کی توفیق ملتی ہے کہ قرآن کے آئینہ میں مسلمانوں کی نسلیں اور اپنے اپنے عہد کا مسلم معاشرہ اور طبقات امت اپنا چہرہ دیکھیں اور اس کی فکر کریں کہ مذاہب و فرق کی سابقہ بیماریوں اور کمزوریاں دبے پاؤں ان میں داخل تو نہیں ہو گئیں؟

(۳) **حجۃ اللہ البالغہ** : آپ کی یہ مایہ ناز تصنیف آنحضرت ﷺ کے ان معجزات میں سے ہے، جو آپ علیہ السلام کی وفات کے بعد آپ کے امتیوں کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے۔ بارھویں صدی کے کچھ بعد ہندوستان اور تمام اسلامی ممالک میں عقلیت کا

toobaa-elibrary.blogspot.com

دور شروع ہونے والا تھا۔ اور احکام شرع کے اسرار و مصالح کی جستجو کا جو عام ذوق پیدا ہونے والا تھا، اس کا یہی اقتضاء تھا کہ اس دور کے شروع ہونے سے پہلے بارہویں صدی کے امام کے قلم سے ایسی کتاب لکھوادی جائے، جس میں شرع کی عقلی تعبیر کی گئی ہو اور وہ عقل و نقل کی تطبیق کی بے مثال شاہکار ہو۔ اس کتاب میں اسلام کے معاشی و سیاسی نظام پر جا بجا جو اشارات اور متفرق نکات لکھے گئے ہیں شاید ہی کسی تصنیف میں پائے جاتے ہوں، پھر حجۃ اللہ البالغہ کو آپ نے عربی زبان میں پیش کر کے عربی زبان پر مہارت کا ثبوت دیا۔

(۱۳)۔ نظامی خلیق احمد "شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات" ادارہ اسلامیات لاہور، بار سوم ۱۹۷۸ء۔

(۱۴)۔ سندھی، عبید اللہ "شاہ ولی اللہؒ اور ان کی سیاسی تحریک" المحمود اکیڈمی لاہور، طبع ہفتم ۱۹۹۲ء، ص ۲۸۔

شاہ صاحب نے جن گیارہ سلاطین کو اقتدار میں آتے اور جاتے دیکھا، ان کے اسماء اور عرصہ حکومت یہ ہے۔

اورنگزیب عالمگیر	بہادر شاہ اول	معزالدین
۱۶۵۸ء تا ۱۷۰۷ء	۱۷۰۷ء تا ۱۷۱۲ء	۱۷۱۲ء تا ۱۷۱۳ء
فرخ سیر	نیکوسر	رفیع الدرجات
۱۷۱۳ء تا ۱۷۱۹ء	۱۷۱۹ء	۱۷۱۹ء
رفیع الدولہ	محمد شاہ	احمد شاہ
۱۷۱۹ء	۱۷۱۹ء تا ۱۷۴۸ء	۱۷۴۸ء تا ۱۷۵۴ء
عالمگیر ثانی	شاہ عالم	☆☆☆☆
۱۷۵۴ء تا ۱۷۵۹ء	۱۷۵۹ء تا ۱۸۰۶ء	

(۱۵)۔ شیخ بشیر احمد "حضرت امام ولی اللہ دہلوی کے فکر کی اہمیت" ماہنامہ الولی حیدر آباد، ج ۴ شمارہ ۵ بابت اگست ۱۹۷۵ء، ص ۳۳۔

(۱۶)۔ پروفیسر فری لینڈ ایبوٹ "سلطنت مغلیہ کا زوال اور شاہ ولی اللہ" (مترجم مدیر) ماہنامہ الرحیم بابت

۱۹۶۴ء حیدر آباد صدر، ص ۶۵۔

(۱۷)۔ گیلانی، مناظر احسن "تذکرہ شاہ ولی اللہؒ" نفیس اکیڈمی، کراچی، طبع پنجم ۱۹۶۸ء ص، ۲۹۶۔ ملفوظات شاہ عبدالعزیز کے مطابق، آپ کی عمر ۶۱ سال اور چار ماہ تھی، اور آپ کا تاریخی نام "او بود امام اعظم دین، ۱۱۷۶ھ نکلتا ہے، جبکہ مصنف "حیات ولی" نے اس سے اختلاف کیا ہے اور لکھا ہے کہ آپ نے ۶۳ سال عمر پائی۔

(۱۸)۔ حوالہ سابق۔

معاہدہ عمرانی (**Social contract**) فرانس کے نامور مفکر روسو کی شاہکار تصنیف ہے، جس میں اس نے انسان کو زمانہ پیدائش سے آزاد قرار دیا اور کہا ہے کہ حکومتِ وقت کو حکمرانی کا حق صرف اس صورت میں ہے، جب وہ عوام کو معاشی تحفظ اور جسمانی تحفظ بہم پہنچائے، انگریزوں کا دعویٰ ہے، کہ روسو (۱۷۵۰ء) سے بیشتر یہ نظریات حالس اور لارک نے اپنی تحریروں میں بیان کئے ہیں، البتہ روسو کا زور بیان اور استدلال لاثانی و مسلم ہے۔

(۲۰)۔ ملخص، ہاشم علی خان "منتخب الباب" مغلیہ دور حکومت "مترجم احمد فاروقی" نفیس اکیڈمی کراچی، بار اول، ۱۹۶۳ء، ج ۲، ص ۱۶۔

(۲۱)۔ ندوی، سید سلیمان "ہندوستان میں اسلامی حکومت کے زوال کے اسباب" ماہنامہ الفرقان، بریلی خصوسی نمبر، ج ۷، شمارہ ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳۵۹ھ، ص ۳۲۲۔

(۲۲)۔ ڈاکٹر لوتھراپ اسٹارڈرڈ (**New world of islam**) جدید دنیائے اسلام، مترجم جمیل الدین علیگ، البدر پبلشرز، لاہور، ۱۹۷۰ء، ص ۲۷۔

(۲۳)۔ میرٹھی، قاضی بشیر الدین "ملفوظات شاہ عبدالعزیز" ص ۵۵۰، جوہر کا مطلب یہ کہ جب دشمن کا غلبہ ایک ایسی حد کو پہنچ جاتا تھا، جس سے جان چھڑانا ممکن نہ ہوتا تو نام اور عزت کی خاطر ایک بڑی آگ جلا کر اس میں مرد، عورتیں اور بچے اپنے آپ کو جلا دیتے تھے۔ اطیب النغم میں بھی ایسے المناک واقعات کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

(۲۴)۔ حوالہ سابق۔

(۲۵)۔ دہلوی، مولوی ذکاء اللہ "تاریخ ہندوستان" مطبوعہ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ، علی گڑھ، بار دوم، ۱۹۷۱ء ج ۹، ص ۳۰۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۲۶)۔ حوالہ سابق۔

(۲۷)۔ سندھی عبید اللہ "شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک" ص ۲۷۔

(28) Sar kar.jadonath,, Fall of the mughal Empire Calcutta, Vol:1.page 13.

(۲۹)۔ حوالہ سابق۔

(۳۰)۔ سر سید احمد خان "سیرت فریدیہ" مطبع مفید عام آگرہ، طبع سوم، ۱۹۲۸ء، ص ۷۰۔

(۳۱)۔ دہلوی، "التفہیمات الالٰھیہ" ج ۱، ص ۲۸۸۔

(۳۲)۔ حوالہ سابق۔

(۳۳)۔ ملاحظہ ہو عبد الرحمان ابن خلدون "مقدمہ ابن خلدون" فصل أن الهرم إذا نزل بالدولة لا يرتفع، ص ۲۰۶۔

(۳۴)۔ نظامی، خلیق احمد "شاہ ولی اللہ کی سیاسی مکتوبات (خط بجانب حافظ جار اللہ)" ص ۱۵۹،

(۳۵)۔ حوالہ سابق، (مکتوب بجانب نجیب الدولہ،) ص ۱۰۳۔

(۳۶)۔ حوالہ سابق۔

واضح ہو کہ تاریخی دستاویزات شاہ صاحب کے بیان کردہ اعداد و شمار کی تصدیق کرتی ہے۔ آئین اکبری" ج دوم، ص ۳۵، مطبوعہ نول کشور میں تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔

(۳۷)۔ یہ محمد شاہ ۱۷۱۹ء تا ۱۷۴۰ء کے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ جب اس نے مرہٹوں کے حملے کی خبر سنی، تو اس نے جی سنگ کو بیس لاکھ روپیہ دیکر مرہٹوں کی طرف روانہ کیا تا کہ وہ اس ارادے سے باز آجائیں بایں طور محمد شاہ نے بہتیرے مرتبہ اس انداز سے صلح خرید لی۔

(۳۸)۔ نظامی، خلیق احمد "شاہ ولی اللہ کی سیاسی مکتوبات"

(۳۹)۔ دہلوی "حجۃ اللہ البالغہ" (اردو ترجمہ، شیخ محمد اسماعیل گودھروی)۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ۱۹۶۵ء جلد دوم ص ۲۷۱۔

(۴۰)۔ ڈاکٹر منصور الحمید "محمود غزنوی کا سومنات اور پاکستان کا جوناگڑ، روزنامہ نوائے وقت راولپنڈی، ۲۰ نومبر ۱۹۹۵ء۔

(۴۱)۔ حوالہ نظامی خلیق احمد "تاریخ مشائخ چشت، مطبع دار المؤلفین اسلام آباد، سن طباعت ندارد، ص ۳۵۶۔

(۴۲)۔ نظامی، خلیق احمد "شاہ ولی اللہ کی سیاسی مکتوبات" ص ۱۱۔

(۴۳)۔ حوالہ سابق۔

(۴۴)۔ نعمانی منظور احمد "حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے کام کا مختصر تعارف" ماہنامہ الفرقان خصوصی نمبر ص ۳۹۳۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ادع الى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة

باب اول

تعارف

نظامہائے معاش

toobaa-elibrary.blogspot.com

تعارف نظامہائے معاش

معاشیات کا مفہوم

معاش عربی زبان کا لفظ ہے اس کا مادہ "عاش" ہے جس کے معنی زندہ رہنے کے ہیں' بعض کے نزدیک اس کا مادہ "عیش" ہے، جس کے معنی روزی' خوراک' رزق' گزران کے ہیں۔(۱)

عیش کے لفظ سے معیشت ہے' جس کے معنی ہیں سامان زیست' کھانے پینے کی وہ تمام اشیاء جن پر زندگی بسر کی جائے۔(۲)

گویا معاش کے معنی ذریعہ زندگی کے ہیں' اور عام طور پر یہ اہل لغت کے ہاں انہی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اسلامی لٹریچر میں "علم الاقتصاد" کی اصطلاح بھی ان مذکورہ مفاہیم ادا کرنے کے لئے متداول ہے۔ لغت کے اعتبار سے یہ "قصد" سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی میانہ روی اور اچھے چلن کے ہیں۔(۳)

علم معاشیات اصطلاحی طور پر ایسے وسائل کی دریافت کو کہتے ہیں' جو دولت پیدا کرنے کے مناسب طریقے' اور اس کے خرچ کے صحیح استعمال اور اس کی ہلاکت و بربادی کے حقیقی اسباب بتا سکیں۔(۴)

عصر حاضر میں علم معاشیات کو اکنامکس (Economics) سے موسوم کیا جاتا ہے۔ (Eco-nomic) کا مادہ ایک لاطینی لفظ "Nomos" جس کے معنی گھریلو ضابطہ کے ہیں، سے ماخوذ ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک گھر میں رہنے والے افراد کیسے روزی کماتے ہیں۔ بعد میں اس لفظ کا اطلاق "POLOS" یعنی ریاستی افراد کی معاشی زندگی پر کیا گیا۔ جس میں اس امر کا مطالعہ کیا جاتا ہے کہ ریاست میں بسنے والے افراد کی زندگی کس طرح ہے، اور وہ محدود وسائل کے پیش نظر غیر محدود ضروریات کی تکمیل کس طرح کرتے ہیں۔

علم معاشیات کا تاریخی پس منظر: علم معاشیات نے موجودہ حالت تک پہنچنے کے لئے جو ارتقائی مراحل طے کئے ہیں' وہ بقاء اصلح کی واضح مثال ہے' مختلف اوقات میں ماہرین نے درپیش حالات

کے تناظر میں اس کی جو تعریفیں کی ہیں وہ مختلف النوع ہیں' یہی وجہ ہے، کہ ڈاکٹر جے ایم کینز کو کہنا پڑا، "تعریفوں کی بھر مار نے علم معیشت کا گلا گھونٹ کر رکھ دیا"۔(۵)

تاہم اس علم کے ایک گروہ کلاسیکل مکتب فکر نے اس کی یوں تعریف کی ہے۔

"معاشیات ایک ایسا علم ہے جس میں دولت کی نوعیت پیدائش اور تقسیم کا مطالعہ کیا جاتا ہے"۔

علم معیشت بمعنی علم دولت: اس تعریف کی روشنی میں یہ واضح ہے کہ اس علم میں دولت کے مسائل ہی زیر بحث لائے جاتے ہیں' یہی وجہ ہے کہ اس مکتب فکر کے دیگر پیروکار مثلاً جے۔ بی سیز (۱۸۳۲ء) ڈیوڈ ریکارڈو (۱۸۲۳ء) اور اتھامس مالتھس (۱۸۳۴ء) نے اس علم کو "دولت کا علم" قرار دیا۔

معاشیات کو دولت کا علم کہنا اور انسان کی جدوجہد کا محرک دولت ہی کو قرار دینا جہاں انسان کے ارفع مقصد سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے' وہاں یہ اس علم کو بے کیف بھی بنا دیتا ہے۔ وقت بدلنے کے ساتھ نیو کلاسیکل مکتب فکر (Neo Classical School of Thougt) کے پیروکار پروفیسر الفرڈ مارشل نے اپنی کتاب "اصول معاشیات" میں اس علم کی تعریف یوں کی۔

"معاشیات میں انسانی زندگی کے روزمرہ کا مطالعہ کیا جاتا ہے اس علم میں انسان کی اجتماعی وانفرادی مساعی کے اس حصہ کا جائزہ لیا جاتا ہے جس کا اس بات سے گہرا تعلق ہے کہ خوشحال زندگی کے مادی لوازمات کیوں کر حاصل اور استعمال کئے جاتے ہیں"۔(۶)

اس مکتب فکر سے منسلک کینن (Cannan) نے انسان کی مادی خوشحالی کے اسباب کے جائزے کو معاشیات قرار دیا۔

چونکہ ان مفکرین کے ہاں علم المعیشت حصول زر سے صرف نظر کرتے ہوئے خالصتاً انسانی مساعی' انسانی معیار زندگی اور انسانی بہبود سے عبارت ہے۔ اس لئے ان کو مکتب فلاح و بہبود (Welfare School of Economics) کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

اگر ان تعریفات کا گہری نظر سے جائزہ لیا جائے، تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان میں بعض امور محل نظر ہیں۔ مثلاً خوشحال زندگی کے حدود کا تعین کیسے اور کیوں کر ممکن ہے؟ زندگی کے وسائل

toobaa-elibrary.blogspot.com

کی مادی وغیر مادی لحاظ سے تقسیم بھی کھٹکتی ہے، پھر یہ کہ ان تعریفات کی رو سے کئی شعبہ ہائے زندگی جو مادیت کے معاون تو ہیں، مگر براہ راست مادی خوشحالی کے ذیل میں نہیں آتے خارج ہو جاتے ہیں، لہذا معاشیات کی جامع تعریف بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے۔

"یہ وہ علم ہے جس میں اس نظام کار کا مطالعہ کیا جاتا ہے، جس کے تحت ایک معاشرہ کے اندر اپنے محدود اور انسانی ذرائع کی مدد سے خوشحال زندگی گزارنے اور تسکین حاجات کا بلند تر معیار حاصل کرنے کے لئے ایک منصوبہ کے تحت اجتماعی کوشش عمل میں لائی جاتی ہے"۔

درج بالا تعریف معیشت میں خط کشیدہ اصطلاحات یعنی محدود مادی وسائل 'انسانی ذرائع' خوشحال زندگی 'تسکین حاجات اور اس کا بلند تر معیار اور اجتماعی کوشش اپنے ضمن میں جو مضمرات لئے ہوئے ہیں وہی معاشیات کے موضوع ہیں۔ اس علم کا اصل منبع اس حقیقت پر ہے کہ انسانی ضروریات اور خواہشات انسانی وسائل کے مقابلے میں زیادہ ہیں ضروریات کا لفظ موجودہ معیشت میں خواہشات اور تکمیلات کو بھی شامل ہے۔ انسانی وسائل محدود ہیں اور اس کے مقابلے میں ضروریات لا محدود ہیں لہذا یہ ایک فطری سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان لا محدود ضروریات اور خواہشات کو محدود وسائل کے ذریعہ کس طرح پورا کیا جائے، بین طور اقتصادیات کا سہارا لینا پڑتا ہے، جسکی مدد سے ترجیحات کا تعین 'وسائل کی تخصیص' آمدنی کی تقسیم تاکہ ترقی ہو جسے مسائل زیر بحث لائے جاتے ہیں، یہی چار بنیادی چیزیں ہیں، جو گو فطری ہیں، مگر دور جدید میں اسے خاص سائنسی اصولوں پر باقاعدہ نظام کے تحت رکھے گئے ہیں، جس کے نتیجہ میں متقابل نظریے سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظامہائے معاش معرض وجود میں آئے۔ (۷)

عصر حاضر کی معاشی تحریکات: عصر حاضر میں جو معاشی تحریکات متعارف ہیں، ان میں سرمایہ دارانہ نظام اور سوشلزم قابل ذکر ہیں 'ان نظامہائے معاش کی تاریخ اور بنیادی اصول درج ذیل ہیں۔

(۱) سرمایہ دارانہ نظام: مغرب میں جمہوریت کے ساتھ جو نظام معیشت پروان چڑھا 'اسے سرمایہ دارانہ نظام معیشت کہا جاتا ہے۔ اس کی ابتداء کب ہوئی 'اس ضمن میں سٹرن برگ (**Sturn Burg**) کا کہنا ہے۔

"سرمایہ دارانہ نظام کو موجودہ حالت میں پہنچنے کے لئے سالہا سال لگے 'اسکے ارتقاء کی رفتار پہلے سست تھی، مگر انیسویں صدی کے اخیر سے لے کر پہلی جنگ عظیم تک اس نظام نے حیرت انگیز ترقی کی' یہاں تک کہ اس کا تسلط پوری دنیا پر قائم ہو گیا۔ جاگیر دارانہ نظام سے اس کی ابتداء ہوئی' بعد میں اشیاء کی پیدائش کی صورت میں جسے کیپٹل ازم یا ابتدائی انڈسٹریل کیپٹل ازم کے نام سے پکارا جاتا ہے سامنے آیا جس میں صنعت' مارکیٹ اور تجارت کو سرمایہ داروں نے کنٹرول کیا، اور ۱۸۸۰ء کے بعد جبکہ ذرائع رسد ورسائل عام ہو گئے، تو یہ ساری دنیا پر چھا گیا"۔ (۸)

ایک صاحب علم نے سرمایہ دارانہ نظام کے تاریخی پس منظر کے ضمن میں بتایا ہے، کہ

"اٹھارویں صدی عیسوی میں یورپ میں صنعتی ترقی نے خوشحالی اور قوت واقتدار کے جن مواقع کا دروازہ کھولا' ان سے بورژوا طبقہ ہی نے فائدہ اٹھایا' کیونکہ صنعت وتجارت اس کے ہاتھ میں تھی' سرمایہ بھی اس کے پاس تھا' اور علم وادب پر وہی چھایا ہوا تھا' اس نے سرمایہ' فنی قابلیت اور تنظیمی صلاحیتوں تینوں کے اشتراک سے صنعت اور کاروبار کا ایک ایسا نظام بنا کر کھڑا کیا' جسے جدید سرمایہ داری کہا جاتا ہے"۔ (۹)

خلاصہ یہ کہ اس نظام کی ابتداء اٹھارویں صدی عیسوی کے آس پاس ہوئی اس نظام کو پروان چڑھانے اور تن ومند کرنے میں بورژوا طبقہ کا عمل دخل رہا۔

سرمایہ دارانہ نظام کی حقیقت

انسائکلوپیڈیا آف سوشل سائنس میں اس کی حقیقت جو بیان ہوئی ہے وہ یہ ہے۔

Capitalism is the economic and political System That in its Industrial or full form first developed in England in the last eighteenth century . There after it spread over Europe North Afriqa Australia and Newzeland. (10)

toobaa-elibrary.blogspot.com

لہذا یہ امر واقع ہے، کہ اس نظام کی ابتداء اٹھارویں صدی عیسوی میں یورپی ممالک میں ہوئی' آکسفورڈ ڈکشنری میں اس نظام کی تعریف یوں کی گئی ہے

Economic system by which ownership of capital or wealth , the production and distribution of goods and reward of laboure and entrusted to and effected by private enterprise.

<u>**عوامل پیداوار اور علم معیشت**</u>: کسی بھی نظام معیشت میں عوامل پیداوار جس عربی میں "عوامل الانتاج" اور انگریزی میں {**Factor of production**} کہتے ہیں، کو کلیدی اہمیت حاصل ہے، یہ وہ چیزیں ہیں جو پیداوار کا ذریعہ بنتی ہیں۔

نارمن ایف کیسر {**Norman F Keiser**} کے مطابق سرمایہ دارانہ نظام میں عوامل پیداوار چار ہیں، اور ان چاروں کے ملنے سے پیدائش کا عمل مکمل ہو پاتا ہے وہ یہ ہیں۔

ا۔ سرمایہ' {**Capital**} اس سے پیدا کردہ عامل پیدائش مراد ہے۔ یعنی ایسا عامل جو قدرتی نہ ہو بلکہ عمل پیدائش کے نتیجے میں پیدا ہوا ہو' اور اس کے بعد پیدائش کے عمل میں استعمال ہوتا ہو۔

۲۔ زمین {**Land**} اس سے مراد قدرتی عامل پیدائش ہے' تمام معدنیات خام مال بھی اسی زمرے میں آتے ہیں۔

۳۔ محنت {**Laboure**} ذہنی و جسمانی صلاحیتوں کا استعمال کرنے والا۔ عربی میں اسے اجیر 'محنت کش' کہتے ہیں۔

۴۔ آجر یا منتظم یعنی وہ شخص جو سب سے پہلے کاروبار کو تجویز کرتا ہے، پھر ان چار عوامل کا الگ الگ شخصیت کی شکل میں موجود ہونا ضروری نہیں 'ایک ہی شخص کئی حیثیتوں سے کردار ادا کر سکتا ہے' مثلاً ایک ہی شخص سرمایہ بھی لگا رہا ہو وہی محنت بھی کرے اور وہی خطرہ بھی مول لے۔

اس تصورِ پیدائش کی بنیاد پر سرمایہ دارانہ نظام میں "تقسیم دولت" ہوتی ہے۔ پیدائش میں چار عوامل کا کردار ہے لہٰذا ان چاروں عوامل کو معاوضہ اس طریق سے ملے گا۔

سرمایہ کا عوض۔۔۔۔۔۔۔۔۔سود

زمین کا عوض۔۔۔۔۔۔۔۔۔لگان / کرایہ

محنت کا عوض۔۔۔۔۔۔۔۔۔اجرت

آجر کا عوض۔۔۔۔۔۔۔۔۔منافع

اس نظام میں سود' لگان اور اجرت کی شرح متعین کرنے کے لئے "طلب و رسد" کے اصول کارفرما ہوتے ہیں انہی اصولوں کے پیش نظر قیمتوں کا تعین بھی آپ ہی آپ ہو جاتا ہے۔ اوپر کے بیان کردہ تین مصارف میں سے جو سرمایہ بچ جائے' وہ آجر کا منافع کہلاتا ہے۔ اس نظام میں اصل اہمیت نفع کی تکثیر کو ہے خواہ مخلوق کو اور اعتبار سے تنگی بھی کیوں نہ ہو۔ (۱۱)

<u>**نظام سرمایہ داری کے اصول**</u>: مذکورہ بالا تفصیل کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے، کہ اس نظام کی بنیاد اس تصور پر ہے کہ انسان "سرمایہ" کا مالک و خود مختار ہے۔ روزمرہ کی ضروریات سمیت ذرائع پیداوار پر اسے بے قید ملکیت حاصل ہے، اپنے تیار شدہ مال کی جو قیمت چاہے مقرر کر لے' اور چند قانونی حد بندیوں سے قطع نظر سرمایہ سے سرمایہ پیدا کرنے کا ہر طریقہ اس کے لئے جائز ہے' اس تصور کی بنیاد پر سود' سٹہ اور اکتناز جس کی عقل والے مذمت کرتے ہیں' اس نظام میں شیر مادر سمجھا جاتا ہے۔ اس نظام میں تفاوت دولت بہت زیادہ ہوتی ہے حتیٰ کہ مالیاتی ادارے بھی مستحکم اور معاشی لحاظ سے مضبوط اداروں کو نوازتی ہے، امریکہ کے چھٹے بڑے بنک "دی مورگن گارنٹی ٹرسٹ کمپنی" کا اعتراف اس امر میں یوں ہے۔

"بنک کاری نظام چھوٹی کمپنیوں اور کاروباری سرمایہ کاروں کو مال دینے میں ناکام ثابت ہوئے ہیں، اور فنڈ کی بہتات کے باوجود مقابلے کی قیمت {**Interest**} پر بڑی کمپنیوں کے سوا دوسروں کو فنڈ فراہم کرنے کی حوصلہ افزائی نہیں کرتے"۔ (۱۲)

سرمایہ دارانہ نظام میں معاشی مسابقت کے اصول تسلیم کر لئے گئے ہیں' جس کا مطلب یہ ہے، کہ تجارت' صنعت و حرفت کے میدان میں فرد یا جماعت کو اس امر کی آزادی حاصل ہے، کہ اگر وہ چاہے تو دوسرے افراد اور جماعتوں کے مقابلے میں بہتر اور سستا مال مارکیٹ میں لائے اور اپنے مال کی نکاسی کے لئے ہر طرح کی تدبیر اختیار کرے، خواہ دوسرے افراد یا جماعتوں کو اس کی وجہ سے تباہی

toobaa-elibrary.blogspot.com

نقصان اٹھانا پڑے۔

اس نظام کا ایک اصل الاصول یہ ہے، کہ خالص معاشی اغراض و محرکات انسانی جدوجہد کا رخ متعین کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دیا جائے' یہ اصول کاروباری آدمی کو اس بات پر مجبور کرتا ہے، کہ پیداوار بڑھانے کے لئے زیادہ سے زیادہ بہتر سائنٹفک طریقہ اختیار کرے۔ اپنی مشینوں اور آلات کو اچھی حالت میں رکھے' خام مال بڑی مقدار میں کم قیمت پر حاصل کرے، اور اپنے کاروبار کے طریقوں اور تنظیمات کو ترقی دینے میں ہر وقت دماغ لڑاتا رہے' یہ سب کچھ بیرونی مداخلت اور مصنوعی تدبیر کے بغیر بے قید معیشت کی اندرونی منطق خود ہی کراتی چلی جاتی ہے۔ فطرت کے قوانین کثیر التعداد 'منتشر افراد اور گروہوں کے انفرادی عمل سے اجتماعی ترقی و خوشحالی کا کام آپ ہی آپ لیتے رہتے ہیں' جو کسی اجتماعی منصوبہ بندی سے اتنی خوبی کے ساتھ نہیں ہو سکتا، یہ فطرت کی منصوبہ بندی ہے اور کسر و انکسار غیر محسوس طور پر اس عمل کو مکمل کر پاتی ہے۔

اب یہ سوال کہ عملاً کسر و انکسار سے سماج کو کتنی منفعت حاصل ہوئی' اس ضمن میں آدم سمتھ جو آزاد معیشت کا بڑا ہی حامی ہے' کا بیان حسب حال یہ ہے' وہ رقمطراز ہیں۔

''کم ہی ایسا ہوتا ہے کہ جب کاروباری لوگ باہم جمع ہوں، اور ان کی صحبت پبلک کے خلاف کسی سازش پر اور قیمتیں چڑھانے کے لئے کسی قرار داد پر ختم نہ ہو، حد یہ ہے، کہ تقریبات میں مل بیٹھنے کا جو موقع مل جاتا ہے، اس کو بھی یہ حضرات اس جرم سے خالی جانے نہیں دیتے''۔

لارڈ کینز نے یہ بھی کہا تھا، کہ دنیا میں اخلاقی و فطری قوانین کی ایسی مضبوط حکومت قائم نہیں جس کے زور سے افراد کے ذاتی مفاد اور سوسائٹی کے اُجتماعی مفاد میں ضرور آپ ہی آپ موافقت ہوتی رہی' ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ 'دنیا کی تمام معاشی برائیاں حتی کہ بے روزگاری بھی سود خوری کی وجہ سے ہے، جس قوم میں سود کی شرح جتنی کم ہوگی، اس کی تہذیب و تمدن اتنا ہی بلند و مستحکم ہوگا۔ (۱۳)

لہذا اس نظام کے ماہرین کا آزاد معیشت کے اصول پر مبنی فارمولا سماج کے لئے خوش آئند ثابت نہ ہوا۔ اس آزاد معیشت کا پہلو یہ بھی ہے کہ سرمایہ کار چاہے تو اپنی آمدنی کا ذریعہ مخرب

اخلاق اور مضر صحت اشیاء کی پیداواری کو بنائے، جن کے برے نتائج پوری قوم کو بھگتنا پڑتے ہیں، سرمایہ دارانہ نظام کا مجموعی طور پر نتیجہ یہ نکل آتا ہے کہ سماج میں سرمایہ چند افراد کے ہاتھوں میں مرتکز ہو کر عیش پرستی کو جنم دیتا ہے' جبکہ ملک کی اکثریت مفلس ہو کر عام ضروریات زندگی سے بھی محروم ہو جاتی ہے۔ سرمایہ دار کو پیداواری آشیاء سے مقصود حصول نفع ہوتا ہے چاہے، وہ سماج کے لئے نقصان دہ بھی ہو دوسری طرف اس کی توجہ کثرت پیداور کی زیادہ کھپت کے لئے مناسب منڈی کی تلاش پر ہوتی ہے۔

زبردستی کھپت پیدا کرنے کے لئے مہم چلائی جاتی ہے، کساد بازاری سے بچنے کے لئے خوراک کے ذخیروں کو آگ لگائی جاتی ہے' مزید یہ کہ اس نظام میں مشینی استعمال نے ایک طرف بے روزگاری اور دوسری طرف محنت کو کل مشینی پرزوں کی صف میں کھڑا کر کے اس کو مناسب حق سے محروم کر دیا اس نظام میں سرمایہ دار پیداواری سود کی آڑ میں مالیاتی اداروں سے بڑی بڑی رقوم حاصل کر کے ایک طرف رسوخ کی بنیاد پر قرضہ معاف کراتا ہے، تو دوسری پیداواری اشیاء میں سود کی رقم کو شامل کر کے مہنگے داموں مارکیٹ میں اشیاء فراہم کرتا ہے۔ اس طرح سودی معاملہ کی وجہ سے پورے معاشرہ کی چولیں ہل جاتی ہیں، یہاں یہ بیان کرنا بر محل ہے، کہ پاکستان جیسے ممالک اسلامیہ میں سودی نظام کی جگہ اسلام کا نظام عدل نافذ کرنے کے لئے جہاں اور فنی رکاوٹیں ہیں، وہاں ایک بڑا مسئلہ یہ بھی ہے، کہ سرمایہ دار ممالک میں محض بینکنگ کا ادارہ ہو یا بیمہ کا ادارہ ہو' درآمدی برآمدی تجارت کا ادارہ ہو یا کارخانہ داری کا ادارہ ہو' جوائنٹ اسٹاک کمپنیوں کا ادارہ ہو یا اجارہ و کرایہ داری کا ادارہ ہو، گویا سرمایہ داری کے چھوٹے بڑے سب اداروں میں سود اس طرح جاری و ساری ہوتا ہے، جس طرح ایک زندہ جسم کے جملہ اعضاء میں خون جاری و ساری ہوتا ہے۔ بنا بریں نظام سرمایہ داری کو بحیثیت کل کے قائم رکھتے ہوئے، اس کے کسی ایک جز مثلاً بینکاری کے ادارہ کو سود سے پاک کرنے کی کوشش کرنا ایک بالکل ناکام لاحاصل کوشش ہوتی ہے، کیونکہ جز کا مزاج ہمیشہ کل کے مزاج کے تابع رہتا ہے، لہذا جزوی تبدیلی سے اور محض نام کی تبدیلی سے پورے نظام کی تبدیلی کی امید رکھنا فضول ہے، ایسے میں کچھ کمزور ایمان کے لوگ خود اسلام سے بدگمان اور متنفر ہو جائیں گے۔ مخالفین اسلام کو اسلام کے خلاف زہر اگلنے اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

پروپیگنڈہ کا خوب موقع ملے گا۔

خلاصہ یہ کہ اس نظام کے نتائج سرمایہ کے عدم توازن کی صورت میں نمودار ہوا' معاشرہ امیر اور غریب طبقہ میں منقسم ہو کر دائمی کشمکش کا شکار ہوا جو کہ تمام برائیوں کا سرچشمہ ہے۔ تہذیب و تمدن کے اس دور میں جہاں غلامی جیسے غیر انسانی ادارہ کے وجود کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' ۹۵ فی صد آبادی جس پر بدقسمتی سے محنت کا لیبل چسپاں ہے' کو وہ حیثیت بھی نہیں مل سکی، جو جہالت و تاریکی کے دور میں غلام کو میسر تھی، اس سے بڑھ کر اور المیہ کیا ہو گا؟ فیکٹریوں میں مزدور اور کھیتوں میں کسان کی جو حالت ہے، وہ اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے، کہ ایک کے خون پسینہ پر دوسرے کے محلات تعمیر ہو رہے ہیں۔

یہ تسلیم ہے، کہ جدید سرمایہ داری قدیم سے خاصی مختلف ہے، شعبہ معیشت میں کافی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں' ملازمین کی تنظیمیں وجود میں آئی ہیں، ٹریڈ یونین' یا اس قسم کی انجمنیں اپنے مطالبات منوا سکتی ہیں، اور آجروں کے ساتھ مذاکرات ہو سکتے ہیں، اجرتوں میں اضافہ ہو گیا ہے، اوقات میں اصلاح ہوئی ہے، تعلیمی طبی' پنشن گریجویٹی اور دیگر سہولیات بھی حاصل ہو گئی ہیں، حتی کہ حادثہ' بیماری وغیرہ کی صورت میں مدد کا امکان پیدا ہو گیا ہے' بعض کارخانوں میں مزدوروں کو منافع میں حصہ اور بونس وغیرہ کا حق مل گیا ہے' سوشل انشورنس کی سکیم بھی متعارف ہو چکی ہے' حکومت کی سرپرستی قبول کر لی گئی ہے اور حکومت وقتاً فوقتاً قواعد و ضوابط کا اعلان کرتی ہے، جن کی پابندی لازمی ہے، ' ریکروٹمنٹ' ترقی تنزلی' تنخواہوں کے لئے رولز بنا لئے گئے ہیں۔ اس طرح ضروری اداروں اور صنعتوں کو قومیانے کی پالیسی اختیار کی گئی ہے، زرعی' لیبر' صنعتی' تجارتی اصلاحات نافذ ہو چکی ہیں' نفع اندوزی' چور بازاری' سٹہ بازی اور دیگر قباحتوں پر پابندی عائد ہو چکی ہے۔ تاہم یہ اصلاحات کے درجہ میں ! خرابیاں اب بھی موجود ہیں' مثلاً بے روزگاری کا مسئلہ سنگین بنتا جا رہا ہے، اسباب عش و عشرت زوروں پر ہیں، دولت کی غیر منصفانہ تقسیم کی وجہ سے سرد جنگ جاری ہے، کساد بازاری سے بچنے کے لئے بہت سا غلہ' مال برباد کر دیا جاتا ہے، مصنوعی قلت' ذخیرہ اندوزی سمگلنگ جیسے خرابیاں موجود ہیں' صارفین کا گلہ دبایا جاتا ہے' صحیح اجرت کی ادائیگی سے گریز برتا جاتا ہے' قیمتوں میں عدم استحکام کا مسئلہ

سنگین صورت اختیار کر گیا ہے' مالدار و جاگیر دار طبقہ بے کسوں' محتاجوں' اپاہجوں کی دستگیری کرنے سے اجتناب برتتا ہے۔ ریاست و حکومت کی تشکیل سرمایہ دار طبقہ کے ہاتھ میں ہے۔ سود جیسی لعنت سے نجات نہیں ملی' غیر پیداواری اشیاء کا راستہ نہیں روکا گیا، بلکہ اس میں بہت ہی اضافہ ہوا۔ معاشرے کا اخلاقی انحطاط بھی زوروں پر ہے، الغرض بیمار معیشت اور نادرست منصوبہ بندی کی وجہ سے سوسائٹی بزبان حال کسی بہتر' مکمل ہمہ گیر اور منصفانہ اصلاحی نظام کی متلاشی ہے ایک عظیم انقلاب کا داعیہ موجود ہے، تاکہ لوگ سکون و اطمینان کی دولت لازوال سے مالا مال ہو جائیں، جو عین انسانی فطرت کی عکاسی کرتا ہو لہٰذا اس نظام کی ستائی ہوئی انسانیت نے اپنی عافیت اس بات میں سمجھی کہ ذرائع پیداوار کو نجی املاک کی بجائے قومی ملکیت میں دیا جائے تاکہ ظلم کا قلع قمع ہو اور بقول اکثر تجزیہ نگاروں کے' سرمایہ دارانہ نظام کے رد عمل کے طور پر جو نظام وجود میں آیا وہ سوشلزم تھا' اس کے تاریخی پس منظر کے بعد اس کی حقیقت کے بارے میں تفصیل یہ ہے۔

اشتراکی نظام: اشتراکی نظام، سرمایہ داری نظام کے برعکس ہے، بلکہ سرمایہ دارانہ نظام کے رد عمل کے طور پر یہ نظام وجود میں آیا، لوگوں نے اسے اپنے لئے مسیحا سمجھا اور ذریعہ نجات خیال کیا۔ یہ وقت نے بتایا کہ عوام کے زخموں کو مندمل کرنے میں یہ نظام کتنا کامیاب رہا۔ اس نے کیا لیا' کیا دیا، یہ ایک طویل داستان ہے، تاہم اس نظام کے بانی کارل مارکس کی زندگی کے گوشوں سے پردہ اٹھانا، اس کے لئے ضروری ہے۔ کارل مارکس جرمنی کے شہر ٹراٹر میں ۱۸۱۸ء میں پیدا ہوا، اس کا خاندان متوسط یہودی طبقہ سے تعلق رکھتا تھا، دادا یہودی عالم تھا، باپ نے عیسائیت قبول کر لی جرمنی ہی میں بون یونیورسٹی سے فلسفہ کی ڈگری حاصل کی۔ وہ ہیگل کے فلسفہ سے بہت متاثر تھا، جو اس یونیورسٹی کے بیشتر استاد رہے تھے۔ برلن یونیورسٹی سے بھی تعلیم حاصل کی، اسی دانشگاہ میں ملازمت کی کوشش کی مگر ناکام ہوا ایک اخبار کے ایڈیٹر بنے' یوں کمیونسٹوں سے رابطہ ہوا اینگلز سے ملاقات ہوئی، انہوں نے کمیونسٹ تحریک منظم کی اور کمیونسٹ لیگ کا ایک منشور تیار کیا چونکہ کوئی روزگار نہ مل سکا اس لئے مضامین کی اشاعت پر ہی گزر اوقات کرنے لگا، معاشی طور پر کمزور ہونے کی وجہ سے آلام و مصائب کے بموجب سخت ذہنی اضطراب میں مبتلاء رہا اس لئے اس کے دل میں سرمایہ داری کے خلاف شدید رد عمل پیدا ہوا اینگلز ان کا

toobaa-elibrary.blogspot.com

تعاون کرتا رہا۔ زندگی کے مختلف صدمات برداشت کرتے ہوئے مارچ ۱۸۸۳ء میں اشتراکی انقلاب کا مفکراس دنیا سے رخصت ہوا۔ تاہم وہ اپنے افکار شہرہ آفاق کتاب "داس کیپٹل" کی شکل میں چھوڑ گیا۔

سوشلسٹ نظام کو تقویت زار روس میں بالشویک پارٹی کی کامیابی سے ملی۔ لینن نے بھی اس تحریک میں اضافہ کیا۔ اس تحریک کی بنیاد اس فلسفہ پر ہے، کہ نجی املاک ممنوع ہوں گی معاشرہ واجتماع ہی شہریوں کی کفالت پر مامور ہو، شہری اپنی ذہانت واہلیت مشترکہ مفاد کی خاطر صرف کریں گے، یوں نتیجۃََ افراد سے سرمایہ چھین کر حکومتی پارٹی کے پاس اس کا مرتکز ہونا اور انتہائی آمریت کا نظام نافذ ہو جانا اشتراکیت کا فلسفہ ہے نظام اشتراکیت انتہائی جبر کی صورت اختیار کر کے اشتمالیت کا روپ دھار لیتا ہے۔ نظام اشتمالیت دراصل آجر اور اجیر کے باہمی کشمکش کے نتیجہ میں اس وقت وجود میں آتا ہے، جب مثلاً کمیونسٹ پارٹی کو کلی طور پر حکومت مل جاتی ہے، اور وہ تمام کاروبار حکومت خاص منصوبے کے تحت انجام پاتا ہے۔ واضح رہے کہ اس نظام میں انسان کی حیثیت محض ایک مشینی پرزے سے زیادہ نہیں رہ جاتی اس نظام کا اساس مذہب اور اخلاقیات کی سخت مخالفت پر فائز ہے۔

(۲) سوشلزم کی حقیقت:

پروفیسر جوڈ {load} سوشلزم کی حقیقت بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

"سوشلزم اس ٹوپی کی مانند ہے، جو اپنی شکل وصورت کھو چکی ہے، اور اس لئے ہر کوئی اسے اپنے سر منڈنے میں مصروف ہے"۔

لہذا یہ کہنا جاہے، کہ سوشلزم ان چند اصطلاحات میں سے ہے، جن کے مفہوم میں ابہام پایا جاتا ہے، اس حوالہ سے پروفیسر ولیم لوک نے اس بو قلموں نوعیت کو یوں بیان کیا۔

It is the both abstract and concrete theoretical and practical, id-ealist and materialist, very old and entirely modren, it ranges formamere sentiment. To a precise programme of acition differents. advocates presents it as a philisophy of a sort of religion, ethical code and economics system, it is a populer movement

and a scientific analysis, and inter pretation of the past and vision of the future a war cry, and the negation of violent revolution and a general revolution, a gospal of love and altruism, and a compaign of hate and greed, the hope of mankind and the end of civilization and the down of the millennium. (14)

اس تعبیر میں مبالغہ ضرور ہے، مگر یہ بھی حقیقت ہے، کہ اس تحریک نے دوسری ان تمام تحریکوں کی طرح جو انسان کے اپنے ماحول کے خلاف رد عمل کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہیں، بدلتے ہوئے حالات کے تحت ہمیشہ اپنی نوعیت بدلی ہے۔ تاہم آوازوں کے اس جنگل میں ان بنیادی افکار و نظریات کو تلاش کیا جا سکتا ہے، جن پر اشتراکیت کی عمارت تعمیر ہوئی ہے، اس کی حقیقت اور تاریخی پس منظر کو انسائکلوپیڈیا آف سائنس میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

By 1840 The Term Socialism was commonly used throughout europe to comate the doctrine that the ownership and control of the means of production, capital, land or property should be hold by community as a whole and administered, in the interest of all. (15)

اکسفورڈ ڈکشنری میں سوشلزم کی جو تعریف کی گئی ہے، وہ بالکل اس کے قریب ہے۔ خلاصہ ان تعریفات کا یہ ہے، کہ اس نظام میں ذرائع پیداوار کو اجتماعی ملکیت قرار دیا جاتا ہے۔ اشتراکیت کے تاریخی پس منظر کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے، کہ یہ پہلے ایک امنگ تھی، اسے ایک جامع نظریہ متبادل نظام کی صورت میں پیش کرنے کا سہرا کارل مارکس اور اینجلز کے سر ہے۔ مارکس نے اس کا ابتدائی فکری ڈھانچہ ہیگل سے مستعار لیا۔ ہیگل کے نزدیک انسانی تہذیب وارتقاء کا راز تصورات میں تضاد، تصادم اور مصالحت میں مضمر ہے۔ اس کے بقول معاشرہ خاص تصوراتی وحدت کے

toobaa-elibrary.blogspot.com

تحت زندگی گزارتا ہے، پھر رد عمل پیدا ہوتا ہے، پھر پرانے اور نئے افکار سے ایک نیا نظام وجود میں آتا ہے، جو ہیگل کے بقول نئے اور پرانے نظام کے صالح عناصر پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس ارتقائی عمل کو وہ مخصوص اصطلاح "جدلی عمل" سے یاد کرتے ہیں، ہیگل تمام انقلابات خواہ وہ مذہبی ہوں یا سیاسی یا معاشرتی، کو معاشی حالات کی پیداوار قرار دیتے ہیں۔

اپنی کتاب "داس کیپٹل" میں انسانی تاریخ کو مختلف ادوار میں تقسیم کر کے ثابت کرتے ہیں، کہ ابتداءً ذرائع آمدن و پیداوار پر انفرادی ملکیت کا حق نہیں تھا، بعد میں چند ذہین افراد نے ان پیداواری اشیاء پر قبضہ کر لیا اور بہت سے دیگر افراد کو دست نگر بنا کر سماج کا استحصال کیا، وہ اخلاقی اقدار کی نفی کرتے ہیں، تاریخ کی مادی تعبیر کر کے ان کا پرواز فکر یہاں تک جا پہنچا ہے، کہ سائنس جیسے حقائق کو بھی وہ معاشی احوال کے تناظر میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ (۱۶)

<u>مارکس کا نظریہ قدر زائد</u>: مارکس کے جملہ معاشی نظریات میں ان کے نظریہ قدر زائد کو امتیازی مقام حاصل ہے، اس کے اس نظریے کا مطلب یہ ہے، کہ کسی چیز کی اصل قدر محنت کی وہ مقدار ہے، جو اسے پیدا کرنے میں صرف ہوتی ہو، ان کے نزدیک زمین اور محنت دو عامل پیداوار ہیں، زمین غیر مستعد {passive} مگر بنیادی عامل پیداوار ہے، اور اس کو کسی مستعد {active} عامل کی ضرورت ہے، جو اس کے سینے کو چیر کر اس سے خزانہ حاصل کرے۔ پیداواری عمل کی اس تکمیل کے بعد تیسرے کسی عامل 'ادارہ یا فریق' کی ضرورت نہیں۔ جہاں تک حکومت کے عمل دخل کا سوال ہے، یہ دیگر انتظامی اور معاشی فلاح و بہبود کے فرائض کی بجا آوری کے ساتھ معاشی پیداوار کی جدوجہد میں تنظیمی ضرورت کو بھی پورا کرے گی۔ لہذا حکومت فلاحی کاموں کے لئے بحیثیت تنظیمی عامل اپنا حصہ لے کر باقی محنت کے لئے چھوڑ دے گی، اس نظریے میں محنت کو جو بنیادی اہمیت دی گئی ہے، اس کا اعتراف بابائے علم اقتصادیات ایڈم سمتھ نے بھی کیا ہے۔

محنت کی اس قدر اہمیت کے باوجود یہ نظام معاش سماج میں خوشحالی لانے سے قاصر رہا۔ اس کے محرکات جو کوئی جیسے بیان کرے بظاہر اس نظام کی ناکامی کی ایک یہ **وجہ** بھی ہے، کہ چونکہ اس نظام کا مبنیٰ جبر اور روحانیت کے انکار پر ہے، اس غیر فطری عنصر کی موجودگی کی وجہ سے یہ نظام پیغام امن

و سکون دینے میں ناکام رہا بعض اہل فکر نے اشتراکیت کا تجزیہ یوں بھی کیا ہے۔

"مسیحی اقدار کے ساتھ نفی کی علامات لگا دی جائے، تو یہی اشتراکیت بن جاتی ہے، گویا کہ اشتراکیت مسیحیت کا چربہ ہے، مسیحیت میں جو مقام مذہب کو حاصل ہے، اشتراکیت میں وہی مقام سائنس کو حاصل ہے، مسیحیت میں جو مقام فرد کو حاصل ہے، اشتراکیت میں وہ مقام ترقی کو حاصل ہے۔ اس طرح انسانی حقوق کی جگہ سماجی حقوق کو حاصل ہے۔ محبت کی جگہ تشدد، آزادی کی جگہ سماجی تحفظ، نشوونما کی جگہ جبری ورزش اور روح کی جگہ اشتراکیت میں جسم نے لی ہے۔" (۱۷)

اس تجزیہ میں کتنی حقیقت پسندی ہے، یہ امر اپنی جگہ پر مسلم ہے، مگر یہ حقیقت ہے، کہ اس نظام کے نفاذ میں جس جبر و تشدد سے کام لیا گیا ہے، وہ تاریخ کا ایک حصہ بن چکا ہے، یہ نظام مجموعی لحاظ سے انسانیت کو خوشحالی اور آسودگی نہ دے سکا۔ اس ضمن میں روس کے صدر کا بیان قابل اعتناء ہے۔

"کاش اشتراکیت کے نظریہ کا تجربہ روس کی بجائے افریقہ کے کسی چھوٹے ملک میں کر لیا گیا ہوتا تاکہ کم از کم اس کی تباہی سے بچ جاتے"۔

روس کے صدر کا یہ بیان اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے، کہ یہ نظام عملاً انسانی زندگی کی راہنمائی میں ناکام ہو گیا۔

ان نظامہائے معاش کی ناکامی کی جہاں اور وجوہات ہیں، وہاں معاشیات کے مسائل کا اخلاقیات سے ہٹ کر مرتب کرنا بھی ہے، روحانی اقدار سے اغماض برت کر مسائل معیشت کو ترتیب دینا، ایک ایسا تشنہ عمل ہے، جس کا اعتراف اہل مغرب کے دانشوروں کو بھی چار و ناچار کرنا پڑا۔ پروفیسر ڈی۔ اے۔ ڈیمنٹ کو کہنا پڑا۔

"صنعتی ترقی اس معاشرے کی خوشحالی کا باعث بن سکتی ہے، جس کی زرعی بنیادیں مستحکم ہوں، بنیادی اور گھریلو حرفت مضبوط ہو، اور جس میں روحانی قوت بھی پائی جاتی ہو، اس کے باوجود ایک خاص مرحلہ آتا ہے، جس سے آگے بڑھ کر خوشحالی کی رو ماند پڑ جاتی ہے۔ افراد کے فطری تعلقات میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے، اور معیار زندگی بڑھنے کی بجائے گھٹنے لگتا

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہے"۔(۱۸)

شاہ ولی اللہؒ اور علم معیشت : شاہ ولی اللہؒ کے افکار میں مندرجہ بالا موضوعات کو جس بسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، اس پر آپ کی کتب شاہد عدل ہیں، مثلاً ازدحام حاجات اور قلتِ وسائل ایک ایسی حقیقت ہے، جس کی بنیاد پر تجارت نے جنم لیا۔ شاہ صاحب انسان کی معاشی تگ ودو کا محرک دوامور یعنی کثرت حاجات و قلت ذرائع اور انسان کے تمدنی زندگی میں مسلسل ارتقاء کے وجود کو قرار دیتے ہیں۔ شاہ صاحب تمدنی منازل کو مخصوص اصلاح "ارتفاقات" سے موسوم کرتے ہیں ارتفاقات دراصل مشکلات کو نرم یا آسان کرنے کے طریقے کا یافت ہے:۔(۱۹)

چونکہ انسان کے مشکلات دو قسم کی ہیں، ایک معاشی یعنی کھانے پینے اور رہنے سہنے کے مشکلات اور دوسرے فکری وروحانی یعنی زندگی اور اس کے مقصد کو سمجھنا وغیرہ، اس طرح ارتفاقات کی بھی دو قسمیں یعنی ارتفاقات معاشیہ اور ارتفاقات الٰھیہ وجود میں آئیں۔

شاہ صاحب ارتفاق کے ضمن میں بتاتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ نے چونکہ انسان کو عقل کی دولت سے نوازا ہے، اس لئے اس کا مطمح نظر عام حیوانات کی طرح صرف مادی ضرورتوں کی تکمیل نہیں ہوتا، بلکہ اسے طبعی تقاضوں میں مشترک حیوانات سے درج ذیل وجوہ کی بناء پر امتیازی شان حاصل ہے۔

(۱) رائی کلی (۲) ظرافت (۳) ایجادو تقلید (۲۰)۔

شاہ صاحب اور علم معاشیات کی تعریف : شاہ صاحب علم معیشت کی تعریف کرتے ہوئے، لکھتے ہیں۔

هو الحكمة الباحثة عن كيفية اقامة المعادلات و المعاونات و الاكساب على الارتفاق الثانى. (۲۱)	(ترجمہ) "یہ علم انسان کے معاشی اشیاء کے تبادلے کے نظام (معادلات) انسان میں اس طرح "امداد باہمی" (معاونت) کے قیام اور روزی کمانے کے ذریعوں (اکساب) سے بحث کرتا ہے"

حاصل یہ کہ شاہ صاحب ارتفاقات کے ضمن میں انسان کی بنیادی ضروریات (حاجات اصلیہ)

دولت کی ملکیت کا تصور، دولت کی پیداوار کے ذرائع، پیداوار کا باہمی تبادلہ، دولت کا جائز وناجائز استعمال، ریاست کا ڈھانچہ اور معاشی امور، مختلف پیشے اور معیار زندگی کے بارے میں تفصیل سے بتاتے ہیں، جو اس مقالہ کا موضوع ہے۔

شاہ صاحب کے ان معاشی نظریات پر تفصیلی معروضات پیش کرنے سے پہلے ضروری تھا کہ موجودہ دور کے نظامہائے معاش اور اس کے تقابلی جائزہ پر نگاہ ڈالی جائے۔ اس طرح شاہ صاحب کے بنیادی معاشی نظریہ کو علی وجہ البصیرہ سمجھنے میں مدد ملے گی بالا تفصیل سے واضح ہے کہ خوشحالی کے لئے صرف مادی ضروریات کی تکمیل ہی کارگر نہیں ہوتی بلکہ دوسرے فطری تقاضوں کی تسکین بھی ضروری ہے۔ دراصل معاشیات کا مدار اس بات پر رکھنا کہ وسائل معاش محدود ہیں، اور انسانی ضروریات لامحدود ہیں، ایسے میں اقتصادیات کا سہارا لینا پڑتا ہے، یابالفاظ دیگر جبلی خواہشات کے مقابلے میں ذرائع تسکین خواہشات کم ہیں، بذات خود محل نظر امر ہے۔ کیونکہ انسان کی بنیادی معاشی خواہشات اور ان کی تسکین ایک جبلی تقاضا ہے، جبکہ اقتصادیات کے مسائل خالص عقلی ہیں، یہ نظریہ ان دونوں کے درمیان کوئی ربط نہیں بناتا، پھر یہی نظریات ہیں، جنہوں نے دنیا کو دو انتہائی نظریات میں الجھا کر متحارب فریقین میں بانٹ دیا۔

نظامہائے معاش مذکورہ اور سندھیؒ کا محاکمہ :۔ مولانا سندھیؒ نے دو متحارب نظاموں کا جائزہ اور پس منظر کے بعد مناسب محاکمہ پیش کیا۔ جو درج ذیل ہے۔

"اس وقت یورپ میں امپیریلزم کے ردِ عمل کے طور پر جو غلط سیاست اور غلط مذہبیت کی پیداوار تھا، کیمونزم پیدا ہو چکا ہے، اس میں خدا کا انکار لازمی ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں، خدا کی انکار کی وجہ سے ہی وہ بھی امپیریلزم کی شکل اختیار کرتا چلا جارہا ہے، اس کا پہلا قدم استعماریت ہے، جس کا لازمی نتیجہ امپیریلزم ہوگا۔ اس سے دوسری بڑی جنگ ۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۵ء میں امپیریلیسٹ طاقتوں کے ساتھ مل کر کام کرنا پڑا، جس وجہ سے اپنا کمنزون یعنی بین الاقوامی نظام توڑ کر ان سرمایہ دار طاقتوں کے ساتھ مصالحت کرنی پڑی۔ نام نہاد کیمونزم میں جس قدر مسکین نوازی ہے، اس سے کہیں زیادہ مسکین نوازی امام ولی اللہ کے فلسفہ میں ہے اور اس میں

toobaa-elibrary.blogspot.com

مزدور اور کاشت کار کے حقوق کا زیادہ خیال رکھا گیا ہے۔ لیکن اس کی بنیاد خدا کے صحیح اور شفاف تصور پر ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک کارکن اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ اس زندہ تصور کے ساتھ گزارتا ہے کہ خدا تعالیٰ اس کے سامنے ہے یا کم از کم یہ کہ خدا اسے دیکھ رہا ہے، وہ یہ تصور بھی ایک زندہ اور پائیدار شکل میں اپنے سامنے رکھتا ہے، کہ اگر اس نے کم تولا یا کسی کے حق کو ناجائز طور پر پاؤں تلے روندا، تو وہ دنیا میں بھی سزا پائے گا، اور مرنے کے بعد بھی اسے خدا کے سامنے حاضر ہو کر اپنے عملوں کی جواب دہی کرنی ہو گی"۔ (۲۲)

حواشی

(۱)۔ دہلوی سعید احمد "فرہنگ آصفیہ" سنگ میل پبلشرز' لاہور ۱۹۶۰' ج ۴ ص ۳۶۸۔

(۲)۔ اصفہانی امام راغب "مفردات القرآن" لاہور' ص ۶۵۶۔

(۳)۔ سیوہاروی محمد حفظ الرحمان "اسلام کا اقتصادی نظام" دینی کتب خانہ لاہور' ۱۹۹۲ ص ۱۷۔

(۴) حوالہ سابق۔

(۵)۔ حوالہ عبدالمجید جنجوعہ "اسلام کا معاشی نظام" مجید بک ڈپو لاہور' طبع سوم ۱۹۸۸ء: ص ۱۳۔

(۶)۔ حوالہ ڈاکٹر ایس ایم اختر "اصول معاشیات" یونائٹڈ پبلشرز' لاہور' سترہویں ایڈیشن ستمبر ۱۹۶۶ء' ج اول' ص ۲۹۔

(۷)۔ حوالہ "اسلام اور جدید معاشی نظریات" اسلامک پبلشرز، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص ۳۲۔

(۸)۔ حوالہ سابق۔

(۹)۔ حوالہ سابق۔

(۱۰)۔ **Encyclopedia of Social Science Vol 2 Pages, 294.**

(۱۱)۔ **Norman. F. Keiser Introductory Economics, Published by john willy and sons New York London 1990 :P: 6**

(۱۲)۔ **Morgan Guarantee Trust Coy, of New York, World Financial markets, january 1987, P**

(۱۳)۔ **General Theory of interest money and employment by keyness.**

سود کے ضمن میں یہاں یہ بیان کرنا ضروری ہے، کہ پاکستان میں سود سے پاک معیشت کے حوالہ سے معتدبہ علمی کام سامنے آیا ہے "مؤقر مجلہ "فکر و نظر" کی روشنی میں اس کی فہرست یہ ہے،

toobaa-elibrary.blogspot.com

☆ آدم پالنپوری ''مسئلہ ربوا'' ''مجلّہ فقہ اسلامی' مرتب مجاہد الاسلام قاسمی دھلی، اسلامک اکیڈمی فقہ اکیڈمی ۱۹۹۰ء۔

☆ ابو زہرہ محمد ''سود کی حرمت کے بارے میں چند مباحث'' مترجم ''ساجد الرحمن صدیقی اسلام آباد ۱۹۸۳ء۔

☆ احمد ارشاد ''بلاسود بنکاری'' کراچی مکتبہ تحریک مساوات، ۱۹۶۴ء۔

☆ ربو اور مضاربت ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد، ۱۹۸۳ء۔

☆ ارشاد صاحب ''ربوا سے پاک معیشت'' تعمیر انسانیت لاہور، ۱۹۸۳ء۔

☆ ''ربوا کی شرعی حقیقت'' مجلّہ فقہ اسلامی ، مرتب مجاہد الاسلام قاسمی، اسلامک فقہ اکیڈمی ۱۹۹۰ء۔

☆ آصف افتخار ''تجارتی سود کی حرمت'' اشراق لاہور، دسمبر ۱۹۹۱ء۔

☆ اصلاحی عبدالعظیم ''سود کا مسئلہ'' مجلّہ فقہ اسلامی نئی دہلی ۱۹۹۰ء۔

☆ ''دارالحرب میں ربوا کی شرعی حیثیت'' مجلّہ فقہ اسلامی نئی دہلی، ۱۹۹۰ء۔

☆ .پاکستان اسلامی نظریاتی کونسل ''آج کے حالات میں ربا کی مختلف صورتیں'' نوائے قانون اسلام آباد، ۱۹۹۱ء۔

☆ اسلامی نظریاتی کونسل کی بلاسود بنکاری پر رپوٹ۔

☆ پاکستان وفاقی شرعی عدالت ''بینک انٹرسٹ ربوا ہے اور قطعی حرام ہے، مترجم عبدالرحیم ولی، بحث و نظر، پٹنہ۔

☆ ''تجارتی سود اور اسلامی شریعت،، بحث و نظر پٹنہ مارچ ۱۹۹۰ء۔

☆ ''ربا اور بیع،، فکر و نظر اسلام آباد جنوری ۱۹۶۴ء۔

☆ ''تنزیل الرحمان،، ''اسلام اور سود'' الحق اکوڑہ خٹک اکتوبر ۱۹۸۲ء۔

☆ جنوبی افریقہ میں سودی لین دین کے بارے میں دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ، (شائع کردہ) فکر و نظر ، جون ۱۹۶۶ء۔

☆ حبیب الرحمان مفتی ''موجودہ سودی بینکنگ نظام اور معاشی مسائل کا حل'' مجلّہ فقہ اسلامی''۔

☆ خان عبدالودود ''سود کے خاتمہ سے گریز کیوں؟'' میثاق لاہور ۱۹۹۴ء۔

☆ خان محمد اکرم ''بلاسود بنکاری'' دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور، ۱۹۸۳ء۔

☆ رحمانی خالد سیف اللہ ''بینک انٹرسٹ (سودی قرضہ) اور ہندوستان کی شرعی حیثیت'' مجلّہ فقہ اکیڈمی نئی دہلی ۱۹۹۰ء۔

☆ سود سے نجات کے متبادل طریقے اور ان کے نفاذ کی جدوجہد ''نوائے قانون اسلام آباد اکتوبر ۱۹۹۱ء۔

☆ الصدر محمد باقر ''اسلامی بنک غیر سودی بنک کا مکمل نظام'' مترجم سید ذی شان حیدر جوادی طبع تہران واحد تبلیغیات۔

☆ صدیقی، محمد مظہر الدین ''اسلام کا معاشی نظریہ (مسئلہ سود شامل ہے) ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۵۴ء۔

☆ صدیقی اللہ محمد نجات اللہ ''غیر سودی بنکاری'' اشاعت دوم، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۷۵ء۔

☆ طفیل احمد ''مسئلہ سود اور مسلمانوں کا مستقبل'' بدایون، نظامی پریس ۱۹۲۰ء۔

☆ عبدالستار مفتی ''حرمت سود'' الخیر' ملتان' نومبر ۱۹۹۲ء۔

☆ عبدالسلام ''بلاسود'' اقراء ڈائجسٹ کراچی' اگست ۱۹۸۵ء۔

☆ ''سودی کاروبار اور ہمارا معاشرہ بینات کراچی، جولائی ۱۹۹۴ء۔

☆ عثمانی محمد تقی ''سود اور حکومت کی اسکیمیں'' البلاغ، کراچی، اکتوبر ۱۹۷۲ء۔

☆ محمد رفیع ''پراویڈنٹ فنڈ کی زکواۃ اور سود کے مسائل'' البلاغ، کراچی، ستمبر ۱۹۷۳ء۔

☆ فیصل محمود الرحمان ''سود کا متبادل'' نوائے وقت راولپنڈی ۲۸ جون ۱۹۹۴ء۔

☆ القادری، محمد طاہر ''بلاسود بنکاری'' (عبوری خاکہ) مرکزی ادارہ منہاج القرآن لاہور، ۱۹۸۵ء۔

☆ ''قرض کی رقم اور کرنسی کا اتار چڑھاؤ'' نوائے قانون، اسلام آباد، اکتوبر ۱۹۹۱ء۔

☆ الکاندہلوی، محمد ادریس'' ارشاد اهل الأرض إلیٰ إثبات الربوا فی القرض ''الدراسات الاسلامیہ اسلام آباد، فروری ۱۹۸۳ء۔

☆ گیلانی مناظر احسن ''اسلامی معاشیات (حرمت سود کی وجہ کے شامل) دارالاشاعت کراچی۔

☆ ''مسئلہ سود کا اسلامی حل'' ثقافت لاہور، مئی ۱۹۶۲ء۔

☆ محمد طاسین ''سود کی تباہ کاریاں'' بینات کراچی، مارچ ۱۹۷۰ء۔

☆ مودودی، ابوالاعلیٰ ''کیا تجارتی قرضوں پر سود جائز ہے؟'' ترجمان القرآن، لاہور، جون،

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۹۵۷ء۔

☆ ندوی سید سلیمان "اسلام اور سود" الولی، حیدر آباد سندھ، اگست ۱۹۷۴ء۔

☆ نعیم صدیقی "بلا سود بینکنگ سے متعلق چند مسائل" ترجمان القرآن لاہور، اکتوبر ۱۹۷۸ء۔

☆ نظام الدین مفتی "مسائل ربوا" مجلہ فقہ اسلامی، اسلامک فقہ اکیڈمی نئی دہلی، ۱۹۹۰ء۔

☆ یعقوب شاہ "مسئلہ سود" ثقافت، لاہور، دسمبر ۱۹۶۱ء۔

☆ یوسف الدین محمد "اسلام کے معاشی نظرے (سودی کاروبار شامل ہے) اشاعت دوم حیدر آباد دکن ، ۱۹۵۰ء۔

☆ یوسف القرضاوی "بینک کا سود" مترجم میجر رضی السلام ندوی، تحقیقات اسلام علی گڑھ، ۱۹۸۹ء۔

☆ یوسف الدین "ربوا اور بینک کا سود" ترجمہ عتیق الظفر انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، ۱۹۹۳ء عتیق الظفر۔

(۱۴)۔ William-N-locks competitive economic system 6th edition pages 179.

(۱۵)۔ "انسائکلو پیڈیا آف سوشل سائنس" ج ۴، ص ۵۰۶،

(۱۶)۔ بحوالہ ڈاکٹر عبد الوحید انسائکلو پیڈیا (اردو) مطبوعہ فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۶۲ء، ص ۱۳۵۱،

(۱۷)۔ علی عزت بیگووچ (صدر جمہوریہ بوسنیا) اسلام اور مغرب کی تہذیبی کشمکش مترجم محمد منیر، ادارہ معارف اسلامی لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۲۷۔

(۱۸)۔ Prof: VA Dement, Religion and the decline, published New york 1952 pages 147.

(۱۹)۔ دہلوی "حجۃ اللہ البالغہ"

(۲۰)۔ دہلوی "سطعات" مترجم سید متین ہاشمی (مقدمہ) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۳۹

(۲۱)۔ دہلوی شاہ ولی اللہ "حجۃ اللہ البالغہ" باب فن المعاملات

(۲۲)۔ سندھی عبید اللہ "عنوان انقلاب" سندھ ساگر اکیڈمی لاہور، ص ۵۹۔

باب دوم

ارتفاقات

اوّل ودوم

toobaa-elibrary.blogspot.com

ارتقاقات اول ودوم

شاہ صاحب کے معاشی افکار کو سمجھنے کے لئے آپ کا "نظریہ ارتقاء عمران واقتصادیات "Socioe Economic Evolution" جسے وہ مخصوص اصطلاح "ارتفاقات" سے موسوم کرتے ہیں جاننا ضروری ہے' آپ کا یہی نظریہ اسلامی نظام معیشت کے لئے ایک حرکی اور مستحکم بنیاد فراہم کرتا ہے۔

ارتفاقات کا مفہوم : ارتفاقات "ارتفاق" کی جمع ہے، یہ مادہ "رفق" بکسر الراءِ سے ماخوذ ہے۔ لغت میں اس کے کئی معانی مثلاً نرمی' سہولت' رحم' اعانت' نزاکت' نفع رسانی' نرم برتاؤ' مہربانی اور حسن سلوک کے آتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ چیز جس سے مدد لی جائے' اس کے مشہور معانی ہیں۔ (۱)

یہ اصطلاح اکثر "ب" کے صلہ کے ساتھ "ارتفق بہ" کی صورت میں استعمال کیا جاتا ہے' آپ نے اسے مشکلات کو آسان طریقے سے حل نکالنے کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ چونکہ ابتداء آفرینش سے فرد واجتماع بہت سی مشکلات اور مصائب سے دو چار چلا آرہا ہے' عقلاء نے ان مشکلات اور مصائب میں سے بعض کا حل تلاش کر لیا ہے' اور بقیہ کی تلاش میں سرگردان و آشفتہ سر ہیں۔ جن طریقوں سے معاشی اور اقتصادی پریشانیوں پر باآسانی قابو پایا جا سکتا ہے، شاہ صاحب انہیں اصطلاحات "ارتفاقات" یا مرافق کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

دراصل ارتفاقات نفع بخش انتظامات ہیں، اور یہ انسان کا فطری و نوعی لازمہ ہے کہ جب مادی وجسمانی حاجات وضروریات اس کو پیش آتی ہیں تو ان پر قابو پانے کے لئے قوتِ فکر کو کام میں لاتا ہے،

وکان من عنایۃاللہتعالیٰ بہ ان الھمہ کیف یرتفق باداءِ ھذہ الحاجات الھاما طبیعیاً من مقتضی صورتۃ النوعیۃ .(۲)

اللہ تعالیٰ کی انسان پر یہ عنایت ہوئی، کہ اس کو صورت نوعی کے تقاضے کے مطابق طبعی الہام کے ذریعہ سے اپنی گوناگوں ضروریات کو آسانی سے پورا کرنے کے طریقوں سے نفع اندوز ہونا سکھایا۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ انسان مدنی الطبع ہو کر تمدنی مسائل کے حل کے لئے فطری قوی کو بروئے کار لاتا ہے' تو وہ کسی خارجی مدد کا محتاج نہیں ہوتا' وہ مسائل کا حل طبعی الہام سے کرتا ہے، یہ الہام انسان کو بالکل اس طرح ہوتا ہے، جس طرح شہد کی مکھیوں کو اپنی نوعی ضروریات کی بابت ہوا کرتا ہے، کہ وہ کن پھولوں کا رس چوسیں، کس طرح اس سے شہد بنائیں، کس طرح اپنا چھتہ تیار کریں، آپس میں کیسے مل کر رہیں وغیرہ۔

دنیا پر جب انسان نے اپنی زندگی کا آغاز کیا تو اسے جو مشکلات پیش آئیں، وہ کم وبیش حیوانات کی ضروریات سے مشابہ تھیں، یہ حقیقت اپنی جگہ پر مسلم ہے، کہ انسانی کی ارتفاقات ارتفاق البہائم یعنی حیوانی ارتفاق پر ہے، جس میں صفائی، اتصال، لطافت اور آراستگی کا عنصر شامل ہوا، اس کی مثال بعینہ ایسی ہے، جیسے کہ معدنیات جس کی اصل زرات اور عناصر "**ATOMS**" پر ہے، تاہم انسانی اور حیوانی ارتفاق میں بوجوہ فرق وامتیاز پایا جاتا ہے، ہر دو میں فہم وادراک، تلاش معاش اور حصول مقصد کے حوالے سے بعد المشرقین پایا جاتا ہے، انسان غور و فکر کر سکتا ہے، احساسات وخیالات کو تحریر و تقریر کے سانچوں میں ڈھال سکتا ہے، وہ اعلیٰ نوعی خصوصیات سے نوازا گیا ہے، اس لئے اس کا مقام ارفع ہے۔

عبیداللہ سندھیؒ کی نظر میں ارتفاقات : مولانا عبیداللہ سندھیؒ، جو شاہ ولی اللہ کی فکر کے ترجمان مانے جاتے ہیں، (۳) وہ ارتفاقات کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

تحصیل الاشیاء الطبیعیۃ بادنیٰ عنایۃ واقل قوۃوبعدصرف اقصر مدۃ باستعمال الاٰلات یسمیہ الامام ولی اللہ بالارتفاق.(٤)

(ترجمہ) اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں سے اوزاروں کے ذریعہ تھوڑے وقت میں کم خرچ کرنے سے بہت سا فائدہ حاصل کرنے کو شاہ ولی اللہؒ ارتفاق کا نام دیتے ہیں۔

اس اقتباس کا حاصل یہ ہے، کہ کائنات میں وہ تمام اشیاء جو انسان کے لئے فائدہ بخش ہیں، وہ خود بخود اس کے تصرف میں نہیں آتیں، بلکہ انہیں مثل خام مال حسب ضرورت ڈھالا جاتا ہے۔ انسان کا کام آلات کی مدد سے تھوڑی قوت ومحنت اور مواد سے زیادہ پیداوار حاصل کرنا ہے، چنانچہ شاہ رفیع الدین

toobaa-elibrary.blogspot.com

ابن ولی اللہؒ انسان کی تعریف یوں کرتے ہیں۔

ومایتفکرویصنع بالآلات انسان ارضیا. (۵)

(ترجمہ) جو عقل سے سوچتا ہے، اور آلات کی مدد سے اشیاء بناتا ہے، وہ اس زمین پر بسنے والا انسان ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ کے الفاظ میں ارتفاقات کی مزید وضاحت یہ ہے۔

"ہر نوع کو اپنے نوعی تقاضوں کی تکمیل کے لئے طبعی الہامات سے نوازا گیا ہے، لیکن اس سلسلے میں نوع انسانی کو اپنی ضرورتوں کی تحصیل اور اس میں مزید آسانیاں پیدا کرنے کے علاوہ خصوصی الہامات سے بھی سرفراز کیا گیا ہے، ان الہامات کا ظہور جن عملی پیرایوں میں ہوتا ہے، ان کا نام "ارتفاقات" ہے۔ (۶)

ضرورت کو آسانی سے پورا کرنا ظاہر بات ہے، ایک جامد سلسلہ نہیں ہے، بلکہ یہ ایک متحرک سلسلہ ہے، اور آئے دن پرانے طریقے اور سہولت کے فنی وسائل **{Technical Means}** کی اصلاح، ترقی اور ایجاد ہوتی رہتی ہے، فنی وسائل کی ترقی کا یہ سلسلہ انسانی زندگی کے دوسرے شعبوں کو بھی متاثر کئے رہتا ہے، اس طرح دوسرے شعبے بھی ترقی پذیر رہتے ہیں، اس پورے سلسلہ ارتقاء کا نام "ارتفاق" ہے، اس لحاظ سے ارتفاقات تمدنی منازل ہیں، جنہیں معاشرہ طے کرتا ہے، اور بظاہر اس ارتقاء کو چار مراحل میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، جس طرح فرد کی زندگی کو سرسری طور پر چار مراحل یعنی بچپن لڑکپن، جوانی اور پختگی عمر میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

لہذا انسان نے جب دنیا میں قدم رکھا، تو ارتفاق اول سے واسطہ پڑا، یہ وہ مرحلہ ہے، جس سے کوئی بھی فرد مستغنی نہیں، شاہ صاحب نے اس کی نوعیت و حقیقت پر یوں روشنی ڈالی ہے۔

ولو ان انسانانشاء ببادیةنائیةعن البدان ولم یتعلم من احد رسما کان له حاجات من الجوع والعطش والغلمة واشتاق لا محالة الی إمرآة ولا بد عند صحة مزاجهم ان یتولد بینهما اولاد وینضم اهل ابیات وینشاء فیهم معاملات. (۷)

(ترجمہ) اگر ایک انسان آبادیوں سے دور دراز جنگل میں پیدا ہو، کسی سے کوئی رسم و رواج نہ سیکھا ہو، تب بھی اس کو بھوک پیاس اور صنفی خواہش کو پورا کرنے کی ضرورت پیش آئے گی۔ اور وہ گرمی، سردی اور بارش سے بچنے کے لئے کسی مسکن کا بھی محتاج ہوگا۔ چنانچہ صنفی خواہش اسے مجبور کرے گی، کہ وہ عورت سے ازدواجی تعلق قائم کرے، اور دونوں کا مزاج جب صحیح ہوگا، تو ان کے ہاں اولاد پیدا ہو گی، اور اس طرح کئی گھر آباد ہو جائیں گے، اور یوں معاملات اور لین دین کی ضرورت پڑے گی۔

انسان کی ابتدائی زندگی نہایت سادہ ہے، وہ بنیادی ضروریات پوری کرنے کے لئے سادہ ذرائع کو کام میں لاتا تھا، جوں جوں انسانی تہذیب میں ترقی کی اور خوب سے خوب تر کی تلاش اس کا محرک رہا اسی نسبت سے ضرورتیں بڑھتی گئیں ارتفاق اول کو جماعتی زندگی اور معاشرہ انسانی کا سنگِ میل کہنا چاہیے ابتدا انسان کو اپنی ضروریاتی زندگی کا طبعی طور پر الہام ہوا، اگر یہ ظہور میں نہ آتیں، تو اس کے نفس میں تعطل پیدا ہو جاتا ہے۔ تمدن کی اس سادہ منزل میں جو بنیادی ضروریات پیش آتی ہیں، ان کی تفصیل یہ ہے۔

☆ **خوراک**: زندگی کی بقاء کے لئے خوراک کا حصول انسان کی اولین ضرورت ہے۔

ومن الارتفاق الاول ان تعرف الحبوب الغا ذیة المناسبة لطبعیته وتعرف فی تناولها طریقا تجری بها فی معدته فتطبح تلك الحبوب طبخاً وتعرف کیف یرزعها وکیف یسقیها و یحصدها ویذریها من التبن ثم کیف یحفظها الی وقت الحاجة. (۹)

(ترجمہ) ارتفاق اول کے ضمن میں ایک ضروری امر یہ ہے، کہ انسان ایسے اناج اور سبزیاں دریافت کرے، جو اس کی طبیعت کے ساتھ مناسبت رکھتی ہوں، پھر ان کو جزو بدن بنانے کے لئے ان کے استعمال اور پکانے کے طریقے سیکھے، پھر ان کی کاشت آب پاشی، کٹائی، بھوسے کو صاف کرنے غلے کی حفاظت اور اس کو کھانے کے قابل بنانے کے طریقے سیکھے۔ خوراک کی اس طبعی ضرورت پر قابو پانے اور اس کی تکمیلی شکل کو حاصل کرنے کی خاطر

toobaa-elibrary.blogspot.com

انسان نے زراعت، آلات زراعت، آب پاشی جیسے امور کے ایجاد کے ساتھ حالات وظروف کی مناسبت سے مویشیوں کی تسخیر، رسد ورسائل، مزروعہ اجناس کے بھرپور استعمال سے متعلق تجربات حاصل کئے اوران کا خوب اطلاق کیا۔

ومن هذا الارتفاق ان اهتدى لتسخير البهائم واقتنائها ليدفع بها حوائجها الشاقةعليه مثل اثارة الارض والبلوغ الى بلد دون شق الانفس ولينتفع بالبانها ولحومها واوبارها واشعارها: (۱۰)

(ترجمہ) اسی ارتفاق کا تقاضا ہے، کہ انسان حیوانات کی تسخیر اور ان کی پرورش پر توجہ دے، تاکہ ان کے ذریعہ مشقت کا کام انجام دے سکے، مثلاً زمین جوتنا، دور دراز جگہوں تک باربرداری کا کام لینا، اس طرح حیوانات کے گوشت، دودھ، چمڑے اور اون وغیرہ کو کام میں لانا۔

☆ <u>مسکن :</u> موسمی اثرات سے بچنے کے لئے مناسب سامانِ بچاؤ کا حاصل کرنا بھی انسانی فطرت ہے، آپ تحریر فرماتے ہیں۔

ومن هذا الأرتفاق ان اهتدى الى مسكن يامن فيه من الحرّوالبرد: (۱۱)

(ترجمہ) اسی ارتفاق اول کا تقاضا ہے، کہ انسان کا ایک ایسا مسکن ہو جو اسے گرمی، سردی (موسمی اثرات) سے بچا سکے۔

☆ <u>لباس :</u> آپ لباس کو انسانی ضرورت بتاتے ہیں، وہ لکھتے ہیں۔

ولباس يقوم مقام الريش من الحيوانات او اوراق الا شجا ر اؤمما عملت ايديهم. (۱۲)

(ترجمہ) انسان کے لئے ایک ایسے لباس کی ضرورت ہے، جو پرندوں کے بال و پر کی طرح اس کی حفاظت کر سکے، خواہ یہ لباس حیوانات کی کھال، درختوں کے اوراق یا انسانی ہاتھوں کا بنایا گیا ہو۔

ان مذکورہ ضروریات کے علاوہ آپ خاندانی زندگی میں باقاعدگی اور نسل انسانی کی بقاء کے لئے

صنفین کا عقد میں منسلک ہو جانا بھی لازمی قرار دیتے ہیں۔

آپ کے ان افکار سے واضح ہے، کہ نوعِ انسانی کے تمام افراد کو چند بنیادی اشیاء مثلاً کھانا، کپڑا، رہائش وغیرہ کی یکساں ضرورت پڑتی ہے، آپ کی نظر میں کوئی بھی انسانی جماعت خواہ وہ صحرا میں خیمہ زن ہو، یا پہاڑوں کی بلند ترین چوٹیوں پر متمکن ہو، اس درجہ اول کے اجتماعی اداروں سے کسی حال میں بھی خالی نظر نہیں آئے گی۔

معاشی نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے، تو انسان کا حصول معاش کے لئے تگ ودو بڑی اہمیت کی حامل ہے، آج مذاہب کا معیار معیشت کی بہتری یا نہ بہتری ہو کر رہ گیا ہے، یہ سوال کیا جاتا ہے، کہ اگر فلاں مذہب سچا ہے، تو وہ موجودہ زندگی کو بہتر بنانے میں کیا کردار انجام دے سکتا ہے؟ اس کی معاشی اور اقتصادی حالت کیا ہوگی؟ اس ضمن میں آپ نے اپنے نظریات ارتفاقات کے ذیل میں خوب سپرد قلم کئے ہیں۔ معاشرے میں انسان کے مقام کا تعین کیا۔

آپ نے تلقین کی، کہ ہر انسان اپنے ہاتھوں سے کچھ نہ کچھ ضرور کمائے، اور بڑی حد تک خود بھی دال دلئے کا انتظام کرے، تاکہ وہ حکومت یا دیگر افراد پر بار نہ بنے، آپ نے ببانگ دہل فرمایا۔ اے ابن آدم! تم میں سے جس کو اپنی شکم سیری کے لئے کھانا، پیاس کے لئے پانی، تن ڈھانپنے کے لئے کپڑا ملا، اور ساتھ ہی ایک گھر بسانے کے لئے بیوی بھی، تو گویا اسے وہ سب کچھ مل گیا، جو اسے دنیا میں ملنا چاہئے تھا، اب اسے چاہئے، کہ وہ قناعت کے ساتھ زندگی بسر کرے، اور اپنی بود وباش میں اعتدال کی راہ اختیار کرے، اس ضمن میں وہ ایک حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ انسان کو تین چیزوں کے ماسوا کوئی دوسرا حق حاصل نہیں، اپنے کے لئے مکان، تن ڈھانپنے کے لئے کپڑا اور پیٹ کے لئے کھانا اور پانی۔

☆ <u>روحانی آسودگی :</u> ایک وقیع عبارت میں آپ نے روحانی آسودگی کا فطری ہونے کے بارے میں وضاحت فرمائی ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

وافرادالانسان عند الصحة النوعية وتمكين المادة لظهور احكام النوع الكاملة وافرةتشتاقُ الى هذه السعادة وتنجذب اليها انجذاب الحديد الى المغناطيس۔ وذالك خلقُ خلق الله الناس علية وفطرة فطرهم عليها ولهذا ما كانت فى بنى آدم امة من اهل المزاج المعتدل اِلاّ فيها قوم من عظماء هم يهتمون بتكميل هذا الخلق ويرونه السعاده القصوى (۱۳)

(ترجمہ) نوع انسانی کے افراد کا اگر مزاج درست ھو، اوراس میں مادہ یا صورت کے لحاظ سے کوئی ایسا خلل پیدا نہ ہو، جو احکام نوعی انے سے مانع ہو وہ یقیناً ہر ایک شخص سعادت عظیم پانے کیلئے کوشاں رہتا ہے، انسان کی فطرت صحیح ہو، تو وہ اس جلیل القدر مقصد کی طرف اس طرح کھینچ کر آتا ہے، جس طرح مقناطیس کی کشش لوہے کو اپنی طرف کھینچتی ہے، یہ اللہ تعالی کی بنائی ہوئی وہ فطرت ہے، جس پر اس نے سب انسانوں کو پیدا فرمایا، چونکہ یہ کشش ایک فطری خاصیت ہے، اس لیے اقوام عالم کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے واضح ہو جاتا ہے، کہ ہر ایک قوم میں ایسی عظیم القدر شخصیتں پائی جاتی ہیں، جنھوں نے اپنی زندگی کا مقصد وحید یہ ٹھرا رکھا ہے، کہ یہ سعادت عظیمہ کیسے حاصل کیا جائے۔

اس تحقیق کا خلاصہ یہ ہے، کہ انسانی خمیر چونکہ دو قوتوں سے اٹھایا گیا ہے۔

(۱) قوت ملکوتی (۲) قوت بہیمی انسانی سعادت کی معراج کا تمام تر انحصار اس بات پر ہے، کہ وہ اپنی سرشت میں جاگزیں قوت ملکوتی کو کس طرح تقویت پہنچاتا ہے، اور اپنی قوت بہیمی کو اس سے کس طرح اور کس درجہ مغلوب کرتا ہے۔ سعادت، شقاوت کا تعین اسی سے ہوتا ہے، معاد میں انسانی جزاء و سزا خود انسان کی دلی کیفیات اور ہیئات سے معین اور مرتب ہوتی ہیں، جو فی ذاتہ اس کے اعمال کا

...ہیں، اگر کسی انسان کا نوعی مزاج متوازن ہے، اور اس کے مادہ میں کوئی ایسا عیب موجود نہیں، جو اس کے نوعی احکام کو ظہور اور مناسب نشو ونما سے روکے، تو پھر یہ بات سو فی صد یقینی ہے، کہ وہ مندرجہ بالا امر کو حقیقی سعادت سے تعبیر کر کے فطرۃً اس کی تلاش اور جستجو میں منہمک رہے گا، اور اس مقصد کی طرف یوں کھینچا چلا آئے گا، جس طرح لوہے کے ذرات مقناطیس کی جانب سیمابی رفتار سے کھینچے چلے آتے ہیں۔ یہی انسان کی فطرت ہے، اور اسی پر اسی کی تخلیق ہوئی ہے۔ مزید یہ کہ اقوام عالم اس نقطہ پر متفق ہیں، کہ دنیوی سعادتوں کے علاوہ ایک اور سعادت و ضرورت کا وجود ہے، جو دوسرے لوازمات حیات سے ارفع ہے، یہ انسان کی نوعی صورت کا تقاضا ہے، جو تمام انسانوں میں یکساں ہے، اور وہ ملکوتی قوت اور عبودیت و شکر گذاری ہے۔ اس کی تفصیل یہ کہ نباتات پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی کتنی اقسام ہیں؟ ان کی شاخیں، پتے، رنگ وبو، ذائقہ اور پھل کس قدر مختلف ہیں؟ یہ اختلاف ان کی نوعی صورت کا نتیجہ ہے، اب یہ سوال کرنا کہ خرمے (کھجور) کا درخت اور اس کا پھل اسی طرح کیوں کر پیدا کیا گیا ہے، یہ ایک فضول سوال ہے، حیوانات پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے، کہ ان کی مثال بھی بعینہ نباتات کی سی ہے، یہ اپنی اقسام میں متنوع ہیں، اور پھر ہر قسم کا الگ رنگ بالکل جدا صورت ہے، نباتات کے مقابلے میں یہ اپنے اندر کچھ زائد خصائص کے بھی حامل ہیں، مثلاً قوتِ انتقال فطری الہام جس کے باعث وہ اپنی دیگر انواع سے ممتاز ہوتا ہے، اور درپیش تمام ضروریات کی کفالت کے لئے یہ الہام کافی ہوتا ہے۔ چوپائے گھاس اور چارے پر گذر اوقات کرتے ہیں، اور درندے گوشت پر، پرندے ہوا میں اڑتے ہیں، اور مچھلیاں صرف پانی میں تیر سکتی ہیں، دیکھا جائے تو معلوم ہوگا، کہ حیوانات کے یہ اختلافات دراصل ان کی نوعی صورت کے اختلاف کے باعث ہیں، حیوانات میں پائے جانے والے تمام علوم وادراک بلا استثنی فطری ہیں، جنھیں کسب سے کوئی علاقہ نہیں، رہا انسان تو وہ انسانی علوم والہام کے ساتھ ساتھ جس کی بدولت وہ زندگی کے گوناگوں شعبوں مثلاً صنعت وحرفت اور تجارت کے حوالے سے طریقے ڈھونڈتا ہے، اور اس سے درجہ کمال پر پہنچاتا ہے، ملکوتی وماوراء الطبعیاتی روحانیت سے نوازا گیا ہے، اس کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے گرد درپیش اپنے جیسی اور اپنے سے مختلف مخلوق کو دیکھ کر اس کائنات کے "سر مکتوم"، اشیاء کے رموز اور اپنے چاروں طرف پھیلے ہوئے

toobaa-elibrary.blogspot.com

گنجینہ معانی کے طلسم کی حقیقت کو طشت ازبام کرنے کی فکر میں غلطاں رہتا ہے، یہ کارخانہ کیسے قائم ہوا؟ مخلوق کو رزق کون پہنچاتا ہے؟ یوں ان تمام گھتیوں کو سلجھاتے سلجھاتے وہ بالاخر ایک قائم بالذات عظیم ترین قوت وطاقت کا قائل ہوتا ہے، اور اس کے حضور نہایت خشوع وخضوع سے اظہار تشکر وممنونیت کے سر بسجود ہو جاتا ہے، لہذا انسان کی فطرت کا تقاضا ہے، کہ وہ اپنی حاجات اور شکر گذاری کا اظہار اپنی گفتار اور اپنے عمل سے کرے، حاشہ، انفعال بھی اسی روحانی قوت کا نتیجہ ہوتا ہے، مطلب یہ کہ انسان کے اعمال کا وہ رد عمل جو خود اس کے قلب، ضمیر پر مرتب ہوتا ہے، مثلاً بھلائی ونیکی سے قلب میں انبساط وابتہاج اور تخریبی کارروائی سے ضمیر کا منقبض ہو جانا اسی انسانی فطری عنصر کا نتیجہ ہوتا ہے۔ قصہ کوتاہی، نوع انسانی جہاں دوسرے لوازمات زندگی خوراک، مسکن، لباس کی طرف محتاج ہے، وہاں روحانی پیاس بجھانے کی طرف بھی محتاج ہے۔(۱۴)

جب انسان کی ان بنیادی ضروریات کی تسکین "مناسب" انداز میں ہو رہی ہو، تو یہ ارتقاء پذیر معاشرہ ارتفاق کی اگلی منزل کی طرف بڑھتا ہے، اور ارتقاء کا یہ سفر ذات انسان میں موجود امتیازی خصوصیات رائے کلی، ظرافت اور ایجاد و تقلید کا مرہون منت ہوتا ہے،(۱۵) بقول شاہ صاحب۔

هذه الأمور هو الإرتفاق الثانى ولايتجرد النفس له الا إذا تخلصت عن الجوع والعطش والشبق وسائر ما يحوجه بالإضطرار إلى الإرتفاق الأول (١٦)

(ترجمہ) بنیادی ضروریات میں عمدگی ارتفاق ثانی ہے، تاہم ارتفاق ثانی کے حصول کے لئے راہ اس وقت ہموار ہو سکتی ہے، جب انسان بھوک، پیاس، اور ارتفاق اول کی دیگر بنیادی ضروریات سے فراغت حاصل کر چکا ہو۔

حاصل یہ کہ جب انسان کی آبادی میں اضافہ ہوا، تو اس نے بڑی بستیاں بسانی شروع کیں، آپس میں میل جول زیادہ ہوا، ارتفاق اول کی باتوں میں صفائی، عمدگی اور سہولت پیدا ہوئی، لہذا تمدن کے اس درجہ کو ارتفاق دوم کہتے ہیں، یہ قصباتی زندگی ہے، البتہ بلدی نظام **{Muncipal System}** سے یہ عاری ہوتا ہے۔

قصباتی زندگی اور اس کا معاشی نظام: اجتماع جب ابتدائی طبعی ضرورتوں **{Elementry Natural Needs}** سے فراغت پاتا ہے، تو یہ تمدن کی دوسری منزل میں قدم رکھتا ہے، یہاں انسان ارتفاق اول کی چیزوں کو زیادہ صفائی اور عمدگی کے ساتھ استعمال کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

شاہ صاحب کے نزدیک ارتفاق دوم میں ترقی کرنے کا راز یہ ہے، کہ معاشرے کے عقل مند اور سلیم الفطرت انسانوں کی آراء اور تجربات سے فائدہ اٹھایا جائے، اور ان کے تجربات کی روشنی میں ہی وہ راہیں اختیار کی جائیں، جن کا نفع زیادہ اور نقصان کم ہو، جن میں خوبصورتی اور نفاست پائی جائے، جو علوم و تجارب معاشرے کو ترقی کی دوسری منزل پر لے جاتے ہیں، آپ نے ان کی تعداد درج ذیل بیان کی ہے۔

۱۔ حکمت معاشیہ یا فن آداب معاش۔
۲۔ حکمت منزلیہ یا انتظام خانہ داری۔
۳۔ حکمت اکتسابیہ۔
۴۔ حکمت تعاملیہ۔
۵۔ حکمت تعاونیہ۔

ارتفاق دوم کے ان مذکورہ شعبوں کی وضاحت درج ذیل ہے۔

۱۔ حکمت معاشیہ: آپ اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

الحكمة المعاشية ان تستوفى حوائجك على مراعاة مقتضى الأخلاق الفاضلة من الديانة والسمت الصالح وغيرهما (١٧)

(ترجمہ) حکمت معاشیہ سے مراد یہ ہے، کہ دیانت اور سمت صالح جیسے اخلاق فاضلہ تجربی علوم اور مصلحت عامہ کے تقاضوں کے مطابق اپنی ضروریات وحوائج کی تسکین کی جائے۔

اس کا حاصل یہ ہوا، کہ آپ ضروریات وحاجات کو پورا کرنے کے لئے اصول بتاتے ہیں، آپ کے فلسفہ پر گہری نظر رکھنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کرنا آسان ہو جاتا ہے، کہ وہ معاشی مسائل کو درج ذیل

toobaa-elibrary.blogspot.com

امور کی پابندی کے ساتھ حل کرنے کے خواہاں ہیں۔

۱۔ دین اور سنت راشدہ کی مسلمہ اخلاقی قدروں سے مزاحم نہ ہو۔

۲۔ علم ودانش (سائنس) کے مسلمہ اصولوں اور تجربوں سے ہم آہنگ ہو۔

۳۔ مصلحت عامہ اور اجتماعی مفادات کے تقاضوں کے مطابق ہو۔

آپ خوراک کے بارے میں بتاتے ہیں، کہ بہترین خوراک وہ ہے، جو بلا تکلف آسانی سے دستیاب ہو، اور حفظان صحت کے اصولوں کے مطابق ہو، برتن نہ سونے اور چاندی کے ہوں، نہ ہی اتنے بے کار کہ گویا زمین پر رکھ کر کھا رہے ہوں، لباس میں بنیادی توجہ اپنے بدن کو ڈھانکنے اور معتدل زینت حاصل کرنے پر ہو، البتہ یہ بے جا نزاکت اور عیاشانہ تکلفات سے پاک ہونا چاہئے۔ اس طرح بہترین گھر وہ ہے، جو گرمی سردی کے اثرات اور چوری چکاری کے ڈر سے محفوظ رکھے، تاہم اس کی تعمیر بے جا تکلفات سے پاک ہونی چاہیئے، اس طرح گھر بہت ہی تنگ نہیں ہونا چاہیئے، بلکہ اس کی فضا مناسب حال اور حفظان صحت کے اصولوں کے مطابق ہونی چاہئے۔ (۱۸)

جن معاشی ضروریات کا ذکر کیا گیا ہے، ان کا مقابلہ عصر حاضر کے ماہرین اقتصادیات سے کریں، تو آپ کی جامعیت نمایاں نظر آجائے گی۔ اپ کے نزدیک صرف روٹی، کپڑا، مکان ہی نہیں، بلکہ دیگر ضروریات بھی قابل توجہ ہیں، جن میں ادبی ولسانی، صنفی وعمرانی، سفری وتجارتی اور روحانی حاجات شامل ہیں۔

آپ ان مادی ضروریات پر قابو پانے کے لئے مناسب پیشہ یا تجارت یا کسب وغیرہ اختیار کرنے کو لازم گردانتے ہیں۔

اس کی تفصیل آئندہ آئے گی، تاہم یہاں فرد اور معاشرہ کے مابین تعلق کے بارے میں بتانا ضروری ہے۔

فرد اور اجتماع کا باہمی رابط : آپ فرد اور معاشرہ کی خوشحالی کو لازم وملزوم قرار دیتے ہیں، وہ اس ضمن میں ایک دقیق وضاحت کرتے ہیں، وہ تحریر فرماتے ہیں۔

''جملہ کائنات فی الحقیقت ایک وحدت ہے، اس میں ایک انسان تو انسان صغیر یعنی چھوٹا

انسان ہے، اور دوسرا انسانی معاشرہ یعنی انسانِ کبیر ہے، اور یہ چھوٹا انسان بڑے انسان کا ایک حصہ ہے، اور دونوں ایک جسم کی طرح ہیں۔ اگر انسانِ صغیر نیک اور خوشحال ہے، تو سمجھا جائے گا، کہ انسانِ کبیر یعنی انسانیت میں نیکی اور خوشحالی ہے، لیکن اگر پوری انسانیت (معاشرہ) میں ایک بھی انسان بُرا یا بدحال ہے، تو یہ سمجھا جائے گا، کہ پوری انسانیت کو تکلیف ہے''۔ (۱۹)

فرد اور اجتماع کے اس قدر اتصال ہی کا نتیجہ ہے، کہ آپ معاشرے اور اس کی اصلاح کے بارے میں کچھ لکھتے ہیں، تو فرد کی اصلاح کو پہلا درجہ دیتے ہیں، اور جب معاشرہ میں امن اور خوشحالی لانے کی بات کرتے ہیں، تو فرد کی خوشحالی پر زور دیتے ہیں، یوں وہ فرد اور اجتماع کو منظم کرتے ہیں، جس کا حاصل یہ نکلا، کہ نہ تو آپ فاشتی نظام کی طرح سارا زور فرد کی ذاتی ملکیت پر دیتے ہیں، جس کے نتیجے میں اجتماعی زندگی بے جان ہو کر رہ جاتی ہے، اور نہ ہی آپ تمام املاک کو اجتماعی اداروں یا ریاست کے قبضہ میں دینے کے قائل ہیں، کہ یہ ادارے سرچشمہ رزق پر قابض ہو کر سماج کو غلامی پر مجبور کریں، بلکہ وہ ان دونوں نظریوں سے ہٹ کر ایسے نظام کی ترجمانی کرتے ہیں، جو ہر فرد کو ذاتی نفع کے حصول کی اجازت دیتا ہے، لیکن ان تمام راستوں کو بند کر دیتا ہے، جن میں نفع دوسروں کو نقصان پہنچا کر یا ان کا استحصال کر کے حاصل ہوتا ہو، وہ اپنے مال کو خرچ کرنے کی آزادی دیتے ہیں، لیکن صَرف کے ان تمام راستوں کو مسدود کرتے ہیں، جو فرد اور معاشرہ کے لئے نقصان دہ ہو۔

شاہ صاحبؒ اور ملکیت کی نوعیت : یہاں یہ ذکر کرنا حسب حال ہے، کہ تقابلی نظامہائے معاش کے باب کے مطالعہ سے واضح ہے، کہ فاشتی نظام کی بنیاد مطلقاً ذاتی ملکیت کے جواز پر ہے، جبکہ کمیونسٹ نظام کا مبنی ذرائع پیداوار کو ریاستی تحویل میں دینے پر ہے، بظاہر یہ دونوں نظامہائے معاش ملکیت کے اعتبار سے افراط وتفریط پر مبنی ہیں، اس ضمن میں جادہ عدل کیا ہے؟ یہ امر تحقیق طلب ہے، آپؒ نے ملکیت اشیاء کے بارے میں کچھ یوں تحریر فرمایا ہے۔

''اللہ تعالیٰ نے جب زمین پر اپنی مخلوق پیدا کی تو ان کی معاش اور روزی بھی زمین پر مقرر فرمائی، اور زمین کی اشیاء سے انتفاع ان کے لئے مباح اور جائز گردانا، تو ان سے نفع حاصل کرنے میں مخلوق کے درمیان مزاحمت اور مناقشت شروع ہو گئی، تب حکم الٰہی یہ قرار پایا کہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

کوئی انسان دوسرے انسان مخصوص و مختص چیز میں کسی قسم کی مداخلت نہ کرے، اور یہ کہ اس کی مخصوص و مختص چیز اس طرح ہوگی، کہ اس چیز پر سب سے پہلے اس کا قبضہ ہوا ہے، یا اس کے مورث کا قبضہ تھا، یا کسی ایسے طریقے سے اس چیز پر اس کا قبضہ ہے، جو ان لوگوں میں عمومی طور پر قبضہ اور ملکیت کے لئے معتبر مانا جاتا ہے، اس قسم کے قبضہ اور ملکیت میں سوائے تبادلہ کے اور سوچ سمجھ کر بلا کسی فریب و دھوکہ اور قابل اعتماد باہمی رضامندی کے کسی قسم کی مزاحمت کرنا حرام اور ناجائز ہے۔" (۲۰)

اس کا حاصل یہ ہے، کہ آپؒ اشیاء پر شخصی ملکیت کے تصور کے قائل ہیں، یہ شخصی ملکیت قابض کو خواہ بالذات حاصل ہوئی ہو، یا مورث کی وساطت سے یا بیع عن تراض بینھما سے حاصل ہو بہر نوع یہ مال محترم اور اس کی حیثیت آئینی ہے اس میں بغیر مالک کی اجازت کے تصرف جائز نہیں، اس ضمن میں آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ کھلی کتاب کی طرح واضح ہے، آپ ﷺ نے انفرادی املاک کی حرمت و تقدس کا حکم فرمایا۔

ملکیت کا پس منظر شاہ صاحب کی نظر میں: شاہ صاحب ایک اور مقام پر ملکیت اشیاء کے تاریخی پس منظر کو یوں بیان کرتے ہیں۔

"انسانوں میں کچھ لوگ اچھے اور کچھ برے ہوتے ہیں، پھر طبائع کے لحاظ سے کچھ لوگ سست اور کاہل، کہ بیٹھے بٹھائے روزی حاصل کرنا اپنا وطیرہ بناتے ہیں، پھر کچھ لوگ اس میں لالچی اور حریص بھی پیدا ہو گئے۔ جنہوں نے اپنی ملکیتوں پر بس نہیں کیا، بلکہ دوسری زمینوں اور ملکیتوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا اس قسم کے لوگوں کو قابو میں لانے کے لئے ان سے زیادہ زبردست لوگ پیدا ہو گئے، جو خود بھی لالچ میں آ گئے، اور دوسروں کی زمینوں پر قبضہ کرنے لگے۔ بڑھتے بڑھتے ایک طرف زمینداروں کا ایک طبقہ پیدا ہو گیا، تو دوسری طرف حقوق اور وسائل سے محروم لوگ معاون کے بجائے مزدور بن گئے، اور تبادلہ کی جگہ مزدوری ملنے لگی، ان زمینداروں میں جو بڑا زمیندار ہوتا تھا، وہ سردار کہلانے لگا۔ تمدن میں ارتقاء کے ساتھ تقاضے بدل گئے، عیش و آرام کے لئے نئے اسباب و سامان کو رواج دیا گیا، بے

حاضروریات بڑھنے کی سے آمدن میں کمی واقع ہوئی اور یوں ہوس مال کا جذبہ تیز تر ہوتا گیا، حتی کہ ہر شخص ذاتی ملکیت بڑھانے میں مصروف نظر آنے لگا"۔ (۲۱)

ملکیت کے پس منظر میں شاہ صاحب کے بیان کردہ تجزیہ سے یہ مستفاد ہوتا ہے، کہ اشیاء و اراضی ابتداً مشترکہ تھیں، مرور زمانہ کے ساتھ حریص لوگوں نے ان چیزوں پر ذاتی قبضہ جما کر مفاد عامہ کے ذرائع کو محدود کر دیا، پھر انہوں نے سرمایہ کے بل بوتے پر غریبوں کا استحصال کیا۔ دراصل یہ سرمایہ کا عدم توازن پیداواری ذرائع کی غلط تقسیم تھی۔ ذرائع پیداوار کی حیثیت کیا ہے؟ اور اس بارے میں آپ کا موقف کیا ہے؟ یہ مسئلہ تحقیق طلب ہے۔

ذرائع پیداوار کی تقسیم عدل پر ہو: ذرائع پیداوار کی تقسیم و تنظیم کس طرح ہو؟ ذرائع پیداوار جن کے سپرد ہوں وہ افراد ہوں یا جماعتیں؟ یہ وہ بنیادی مسئلہ ہے جس کی وجہ سے آج پوری دنیا دو حصوں میں بٹی ہوئی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے، کہ چونکہ آپؒ کے فلسفہ کی بنیاد قرآن و سنت پر مبنی ہے وہ اس ضمن میں سر مو قرآن و سنت سے انحراف نہیں کرتے۔ لہذا اسلامی نظریہ حیات میں خلافت پر بڑی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، اس میں ایک اہم ذمہ داری یہ بھی ہے، کہ وہ سماج میں قیام عدل کا اہتمام کرے، قیام عدل کے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے کسی خاص طریقے کی پابندی ضروری نہیں بلکہ جو طریقہ بھی اس غرض کے لئے کارگر ہو، وہی مطابق شرع ہوگا۔ علامہ ابن قیمؒ نے اس حقیقت کو یوں واضح فرمایا۔

ان مقصوده إقامة العدل بين عباده وقيام الناس بالقسط فأى طريق استخرج به العدل والقسط فهى من الدين ليست مخالفة له .(۲۲)

(ترجمہ) اللہ کا مقصود بندوں کے درمیان عدل قائم کرنا ہے، اور انصاف پر لوگوں کو مضبوط کرتا ہے، جس طریقے سے بھی عدل کا حصول ہوگا، وہ دین ہی شمار ہوگا۔ دین کے مخالف نہ ہوگا۔

یہی مصنفؒ ایک اور جگہ شریعت کی بنیاد و مزاج اور جامعیت پر بحث کرتے تحریر فرماتے ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

فإن الشريعة مبناها واساسها على الحكم والمصالح العباد فى المعاش والمعاد وهى عدل كلها ورحمة كلها ومصالح كلها وحكمة كلها فكل مسئلة خرجت من العدل إلى الجور وعن الرحمة إلى ضدها وعن المصلحة إلى المفسدة وعن الحكمة إلى العبث، فليست من الشرعية وإن ادخلت بالتاويل فالشرعية عدل الله بين عباده ورحمة بين خلقه وظله فى أرضه وحكمته الدالة عليه وعلى صدق رسوله ﷺ اتم ادلة واصدقها. (۲۳)

(ترجمہ) شریعت کی بنیاد حکمتوں پر ہے، اس کی اساس دنیا وآخرت میں بندوں کی مصالح پر ہے، یہ سراپا عدل ہے، سراپا رحمت ہے، سراپا مصلحت ہے، سراپا حکمت ہے، جو بات عدل سے نکل کر ظلم کے دائرہ مین چلی جائے، رحمت سے نکل کر اس کی ضد یعنی زحمت میں داخل ہو جائے، مصلحت یعنی فائدے سے نکل کر مفسدہ یعنی خرابی ونقصان میں جا گرے، اور حکمت سے نکل کر وہ بے مقصد اور لایعنی بن جائے، اس کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں، اگرچہ تاویلات سے کچھ کھینچ تان کر اس کو شریعت میں داخل کر لیا جائے، شریعت بندوں کے درمیان اللہ تعالی کے عین عدل وانصاف اور اس کی مخلوق کے درمیان اس کی رحمت کا نام ہے، اس کی زمین میں یہ اس کا سایہ ہے، یہ ایک ایسی حکمت ہے، جو خدا اور اس کے رسول ﷺ کی صداقت کو مکمل طور پر بتلاتی ہے۔

المختصر عدل وانصاف بین العباد شریعت کا مبنی واساس ہے، پھر یہ بھی کہ "عدل" متنوع اور ایک ہمہ گیر اصطلاح ہے، اور اسلامی نظریہ حیات کی اساسی قدروں میں اس کا شمار ہے، آپ عدالت کی تعریف یوں کرتے ہیں۔

"عدالت ایک ملکہ کا نام ہے، جس کے ذریعہ سے تدبیر منزل، سیاست مملکت اور اس قسم کے اجتماعی معاملات کے لئے سہولت اور آسانی کے ساتھ ایک عادل اور پر از خیر نظام قائم ہو جاتا ہے، دراصل یہ ایک ایسی نفسیاتی کیفیت کا نام ہے، جس سے ایسے لطیف افکار کلیہ اور سیاسیات کلیہ پھوٹ نکلتے ہیں، جو اللہ تعالی اور اس کے عالم روحانیت کے نزدیک ٹھیک اور مناسب ہوں"۔ (۲۴)

آپ اس عدل کا قیام خلافت کا بنیادی وظیفہ قرار دیتے ہیں، چونکہ خلیفہ خلق خدا کی کفالت کا ذمہ دار ہوتا ہے، لہذا اس کا فرض ہوگا، کہ وہ مفاد عامہ اور عدل وانصاف کے پیش نظر حسب حاجت مصلحت اس طرح وسائل رزق کی تقسیم کرے، کہ وہ اللہ تعالی کی مخلوق کو روزی پہنچا کر اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو سکے۔ اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد املاک ووسائل پر انفرادی یا اجتماعی نوعیت کا تصور چنداں اہمیت کا حامل نہیں رہتا، کیونکہ حکومت الہیہ میں ذرائع پیداوار خواہ وہ افراد کے سپرد ہوں، یا جماعتوں کے سب کی حیثیت "امین" کی ہوتی ہے، اور مالکوں کو اس وقت تک اس میں تصرف کا حق حاصل ہوتا ہے، جب تک کہ وہ حصول مقصد یعنی "قیام عدل" میں خلافت کا ہاتھ بٹاتے رہیں، اور ایسی فضاء تیار کرنے میں مددگار بنیں، جو عام مخلوق کی خوشحالی وترقی کی ضامن ہو، لہذا عدل ایک ایسی اصطلاح ہے، کہ اس کے متنوع عملی پہلو ہیں، اس کا معاشی پہلو یہ ہے، کہ اللہ تعالی کی طرف سے انسان کو عطا کردہ وسائل کو اس طرح سے استعمال میں لایا جائے، کہ لوگوں کو بنیادی ضروریات کی فراہمی، مکمل روزگار، آمدنی ودولت کی منصفانہ تقسیم اور معاشی استحکام وترقی کے مواقع بھی میسر ہوں۔

<u>شخصی ملکیت رعایت حدود کے ساتھ :</u> آپؒ مفاد عامہ اور عدل ہی کے پیش نظر ذاتی املاک میں تصرف اس شرط کے ساتھ معلق کرتے ہیں، کہ اس کا یہ عمل دوسروں کے لئے معاشی تنگی کا باعث نہ بنے، آپ تحریر فرماتے ہیں۔

"اصل املاک میں یہ ہے، کہ جس چیز میں بہت سے لوگوں کے حقوق علی الترتیب لازم ہوں، تو ایسی صورت میں واجب یہی ہے، کہ ترتیب کی اس قدر رعایت رکھی جائے، کہ جس سے سب کو فائدہ پہنچے"۔ (۲۵)

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس نوع کے مضمون پر مشتمل ایک اور بیان بھی آپ کا یوں ثبت ہے، وہ لکھتے ہیں۔

''مال مباح کو اپنے لئے خاص کرنے اور دوسرے مباح مال کو اپنے مال کی ترقی کا ذریعہ بنانے میں شرط اولین یہ ہے، کہ ایک فرد دوسرے فرد کے لئے معاشی ذرائع کی تنگی اور ضیق کا باعث نہ بنے، کہ اس طرح تمدن کو فاسد اور برباد کردے، یعنی جب کہ حلال وسائل معاش سب کے لئے مباح الاصل ہیں، تو اب کسی شخص کا اپنے شخصی معاش کے لئے اس قدر تصرف اور دعویٰ ملکیت ثابت ہے، کہ اس کا یہ عمل دوسروں کی معاشی زندگی کی پریشانی کا باعث نہ بن جائے، اور اس کی دولت مندی دوسروں کے افلاس اور فقر و فاقہ کا سبب نہ ہو۔'' (۲۶)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے، کہ آپ کے نزدیک کچھ حدود و ضوابط کے ساتھ شخصی ملکیت اور اس میں ملکیت کا مبنی دراصل ''لا تظلمون ولا تظلمون'' کہ نہ تم دوسروں پر ظلم کرو، نہ تمہارے اوپر ظلم کیا جائے گا، پر قائم ہے۔ اس نظریہ حیات میں استحصال کا حتی الامکان سد باب کیا گیا ہے، بلکہ اس نظام میں تمام معاشرہ کے افراد ایک کنبہ کے افراد ہیں، اور جملہ کائنات کی تمام چیزیں انسان کی خدمت کے لئے پیدا کی گئیں ہیں، اس لئے ان سے استفادہ کرنے میں بھی یہی اصول کارفرما ہونا قرین انصاف ہے، سلسلہ ولی اللہی کی علمی شخصیت شیخ الہند محمود حسنؒ کی تحریر سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے، وہ کائنات میں مخلوق تمام اشیاء پر ملکیت کے بارے میں یوں تحریر فرماتے ہیں۔

شیخ الہند محمود حسنؒ اور اشیاء کائنات: سورۃ البقرۃ کی آیت ''ھو الذی خلق لکم ما فی الارض الخ'' کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔

''جملہ اشیاء عالم بدلیل فرمان واجب الاذعان خلق لکم ما فی الارض جمیعًا تمام بنی آدم کی ملک معلوم ہوتی ہیں، یعنی غرض خداوندی تمام اشیاء کی پیدائش سے رفع حوائج (حاجات) جملہ ناس ہے، اور کوئی شئی فی حد ذاتہ کسی کی مملوک خاص نہیں، بلکہ ہر شئی اصل خلقت میں جملہ ناس میں مشترک ہے، اور من وجہ سب کی مملوک ہے ہاں رفع نزاع اور حصول انتفاع کے لئے قبضہ کو علت ملک مقرر کیا گیا ہے، اور جب تک کسی شئی پر ایک کا قبضہ تامہ مستقلہ باقی ہے، اس وقت تک کوئی اور اس میں دست درازی نہیں کر سکتا

ہاں خود مالک و قابض کو چاہئے، کہ ضرورت سے زائد پر قبضہ نہ رکھے، بلکہ اس کو اوروں کے حوالہ کردے، کیونکہ باعتبار اصل اوروں کے حقوق اس کے ساتھ متعلق ہو رہے ہیں، اس کا حال بعینہ مال غنیمت کا سا تصور کرنا چاہئے، کیونکہ وہاں بھی قبل از تقسیم یہ قصہ ہے، مگر بوجہ ضرورت و انتفاع بقدر ضرورت ہر کوئی مال مذکور سے منتفع ہو سکتا ہے۔ ہاں حاجت سے زائد جو رکھنا چاہے، اس کا حال واضح ہے، کہ کیا ہونا چاہئے، (یعنی خائن شمار ہوگا)''۔ (۲۷)

اس طرح مولانا قاسم نانوتویؒ نے اپنی تالیف ''آب حیات'' میں جملہ اموال کو ابتداء مباح الاصل قرار دیا اور پھر بوجہ قبض و استیلاء یا غلبہ، مملوکِ کہلاتے ہیں۔ (۲۸)

اس طرح مصر کے مشہور محقق عالم مفتی عبدہ مذکورہ بالا آیت کے تحت لکھتے ہیں۔

''یہ ایت خلق لکم ما فی الأرض جمیعا'' جمیع فقہاء کے اس مشہور و معروف قاعدہ پر دلیل ہے، کہ مخلوق اشیاء میں اصل اباحت ہے، اس سے مراد وہ تمام اشیاء ہیں، جن سے کھانے، پینے، اوڑھنے، دوا، سواری اور زینت کا کام لیا جا سکتا ہے۔ مخلوق کو اپنی دین داری دکھانے کے لئے کسی ایسی شی کو حرام کہنے کا حق نہیں جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے مباح قرار دیا ہے۔ حلت و حرمت کا تمام مدار خدا کی طرف سے وحی اور اجازت پر ہے۔'' (۲۹)

ان جملہ اقتباسات کا حاصل یہ ہے، کہ روزی کمانے کے سارے ذرائع ہر شخص کے لئے مباح ہیں، معاشی میدان میں حصول رزق کی خاطر سب انسانوں کو مساویانہ حق حاصل ہے، اور جملہ پیشے زراعت، تجارت، صنعت و حرفت اور ملازمت غرض روزی کمانے کا کوئی جائز ذریعہ کسی شخص کے لئے ممنوع نہیں، اور اسلامی نظام معیشت کا یہ طرہ امتیاز ہے، کہ حق معیشت میں مساوات کا علمبردار ہے۔

آپ ان زمینی اور قدرتی اشیاء جن کے پیدا کرنے اور کارآمد بنانے میں کسی انسانی محنت کا عمل دخل نہ ہو، سب حاجت مندوں کے لئے وقف گردانتے ہیں، اور ان چراگاہوں پر پابندی کو ظلم قرار دیتے ہیں، جو مفاد عامہ کے لئے وقف ہوں، اور پھر ان کے انتفاع کو محدود کر دیا جائے۔ نمک، پانی، گھاس اور معدن ظاہرہ پر ٹیکس بھی اس اصول کی بناء پر ظلم قرار دیا گیا ہے، (۳۰) اور جو انسان قدرت کے ان عمومی وسائل پر اجارہ داری قائم کر کے انتفاع کے لئے رکاوٹ بنتے ہیں، ان لوگوں کے بارے میں

toobaa-elibrary.blogspot.com

آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں۔

"خدا تعالی فرمائے گا، آج میں (قیامت کے دن) تم لوگوں سے اپنے فضل کو روکتا ہوں، جس طرح تم نے دوسروں کو اس چیز (قدرتی وسائل) کے فضل سے روکا تھا، جو تمہارے ہاتھ کی کمائی نہ تھی"۔ (۳۱)

دراصل آپ ملکیت کے باب میں ایک انسان اور دوسرے انسان کا باہمی تعلق صلہ رحمی، مواسات اور ایثار و تعاون پر مبنی دیکھنا چاہتے ہیں، نہ کہ کشمکش اور نزاع پر قرآن کریم بھی املاک کی کسی ایسی تقسیم کو گوارا کرنے کے لئے تیار نہیں، جو انسانوں کے ایک طبقہ کو مقصد زندگی کے حصول کے ناگزیر ذرائع سے محروم کردے، یا بیشتر وسائلِ حیات کو چند افراد، کسی ایک گروہ یا طبقہ کے ہاتھوں میں مرکوز کردے۔ (۳۲) آپ کی نظر میں ملکیت قیامِ حیات اور تزکیہ و ترقی کا ذریعہ ہے، اور خدا کی مرضی یہی ہے، کہ یہ ذریعہ ہر ایک کو حاصل ہو۔

شخصی ملکیت کے بارے سندھی صاحب کا نظریہ: ظفر حسن کی زبانی، سندھی صاحبؒ نے اس مسئلہ ملکیت کی یوں وضاحت کی وہ (ظفر حسن) اپنی آپ بیتی میں لکھتے ہیں، (۳۳) کہ ماسکو میں جب وہ زیر تعلیم تھے، اور ہندو دوست مسٹر بیز جی بھی ہم کلاس تھا، تو ہمیں ایک دن پڑھایا گیا، کہ مذہبی عقیدہ افیون ہیں، اور لوگوں پر غشی طاری کر کے وہ غاصبوں سے اپنے حقوق حاصل کرنے کے قابل نہیں رہتے، لہذا جو مذہب بھی ذاتی ملکیت کو جائز سمجھے، وہ قدامت پسند ہے، کیونکہ وہ غریبوں کو مال داروں کا غلام بناتا ہے، اور ان کا استحصال کراتا ہے، اس لئے ایسے مذہب کا قلع قمع ہونا چاہئے۔ چونکہ ہندومت میں ذاتی ملکیت کا کھلم کھلا تصور موجود ہے، اس لئے بیز جی اس سبق کے بعد کچھ کھسیانا سا ہو گیا۔ اس نے اب اسلام پر حملہ کرنا چاہا، اور مجھ سے پوچھا، کیا اسلام ذاتی ملکیت کی اجازت دیتا ہے؟ میں نے جواب میں کہا، ہاں! مگر کچھ شرائط کے ساتھ۔

ظفر حسن صاحب کا کہنا ہے، کہ حسب معمول جب شام کو سندھی صاحب سے ان کی ملاقات ہوئی تو سندھی صاحب نے اس سوال کا جواب یہ دیا۔

"قرآن حکیم میں اللہ تعالی فرماتا ہے، إن اللہ اشتری من المؤمنین انفسھم

واموالھم بأن لھم الجنۃ، یعنی اللہ تعالی نے مؤمنوں کے مال اور ان کی جانوں کو ان سے جنت کے بدلہ خرید لیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے، کہ ضرورت کے وقت مسلمانوں کو اپنی جان اور ذاتی مال سے دستبردار ہونا پڑے گا، اور ان کو خداوند کریم آخرت میں ان کے عوض جنت دے گا۔"

اس کا حاصل یہ ہے، کہ اسلام ایک قدامت پسند نہیں، جو مالداروں کو ناداروں کے استحصال (Exploitation) کی اجازت دے۔ اس میں نجی ملکیت کا تصور اس شرط پر ہے، کہ ذاتی املاک دوسروں کے لئے باعث رحمت ثابت ہو نہ کہ باعث زحمت۔

ایک غلط فہمی کی بنیاد پر غلط نتیجہ: یہاں یہ وضاحت ضروری ہے، کہ اسلامی نظریۂ حیات کے موضوع پر کام کرنے والے بعض ایسے شارحین موجود ہیں، جن کو اسلام اور اشتراکی نظام معاش کے درمیان کوئی فرق نظر نہیں آتا، چونکہ اسلام تمام انسانوں کی ضروریات کی تکمیل کو اپنا مقصد قرار دیتا ہے، وہ زبردست طبقاتی تفاوت اموال کو پسند نہیں کرتا، اور اجتماعی مقاصد کے حصول کے لئے انفرادی آزادی کو چند حدود کا پابند کرتا ہے، اسی مماثلت کی بناء پر وہ یہ رائے رکھتے ہیں، کہ دور جدید میں اسلامی ہدایات کے مطابق اجتماعی زندگی کی تنظیم نو کے نتیجہ میں جو نظام وجود میں آئے گا، وہ اشتراکیت سے بہت قریب یا اسی کی طرح کا ہو گا، دوسری طرف ایسے ظاہر بین لوگ بھی موجود ہیں جن کی رائے یہ ہے، کہ اگر اسلامی ہدایات کے مطابق دور جدید میں کسی ملک کے نظام معیشت کی تنظیم عمل میں آئی تو اس کے عملی مظاہر سرمایہ دارانہ نظام سے چنداں مختلف نہ ہوں گے۔

دراصل یہ دونوں آراء غلط مطالعہ کا نتیجہ ہیں، اسلامی نظام معیشت جس کی آپ ترجمانی کرتے ہیں، کسی نظام کی کاسہ لیسی کا نتیجہ نہیں بلکہ بذات خود ایک نظام ہے، جو تقسیم دولت میں عدل کو پیش نظر رکھتا ہے، ارتفاق دوم میں حکمتِ معاشیہ کے عنوان کے تحت تصور ملکیت کی تنقیح کے بعد اس کی دوسری نوع حکمت منزلیہ کی طرف عود کرتے ہیں۔

حکمت منزلیہ یا انتظامِ خانہ داری: ارتفاق دوم کا ایک حصہ انتظام خانہ داری ہے، آپ کے نزدیک گھر سے مراد محض چار دیواری نہیں، بلکہ اس سے مراد پائیدار اور پورا فیملی سسٹم ہے، گھر کے اندر مرد اور عورت کی ذمہ داریوں کی تقسیم اور ان کے معاشی اثرات پر بحث کرتے ہوئے، آپ یوں

toobaa-elibrary.blogspot.com

تحریر فرماتے ہیں۔

وکو ن الرجال قوامون على النساء متكلفين معاشهن وكونهن خادماتٍ خاضنات مطيعات سنة لازمة وأمر ا مسلما ... ولما لم يكن بذل الجهد منهما فى التعاون بحيث يجعل كل واحدضرر الأخر ونفعه كالراجع إلى نفسه إلاأن يوطنا أنفسهما إلى ادامة النكاح. (۳۴)

(ترجمہ) مردوں کی حاکمانہ حیثیت اور تحصیل معاش کا کفیل ہونا، اور عورتوں کا امور خانہ داری کو انجام دینا، اولاد کی تربیت کرنا، اور شوہر کی اطاعت کو اپنا فرض سمجھناوہ اصولی باتیں ہیں، جن کی خوبی پر سب اقوام عالم کو اتفاق ہے، اور اس بارے میں کسی کا اختلاف نہیں۔ جب حال یہ ہے، تو ضروری ہوا کہ دونوں کے درمیان باہمی تعاون ہو، اس طرح کہ ہر ایک دوسرے کے نفع اور ضرر کو اپنا فائدہ اور نقصان سمجھے چنانچہ اس قسم کے قریبی تعلق کو استحکام بخشنے کے لئے ضروری ہوا کہ یہ رشتہ (نکاح) دائمی اور پائیدار ہو۔

آپ کی اس عبارت سے مرد اور عورت کی متضاد صفات اور اوصاف کا پتہ چلتا ہے، چونکہ معاشرے کی ابتدائی یونٹ خاندان کی استقامت کے لئے ضروری ہے، کہ مرد اور عورت اپنی اپنی خصوصیات سے کام لے کر گھر اور خاندان کی تعمیر وترقی میں حصہ لیں۔ چونکہ اولاد کی معاشی، اخلاق ونفسیاتی زندگی کا پورا مدار والدین پر ہوتا ہے، اس لئے وہ جذبہ محبت سے کام لے کر خود کو اپنی اولاد کی ضروریات کی تکمیل کے لئے وقف کر دیں۔ اپنے تجربات اور علوم ان کو منتقل کریں، تاکہ وہ کامیاب زندگی گزار سکیں، اور بچے بڑے ہو کر معاشی اعتبار سے والدین کا سہارا بن سکیں۔

<u>خاندانی معاشیات کا بنیادی اصول :</u> آپ خاندانی معاشیات کا بنیادی اصول بیان کرتے ہوئے معاشرے میں فطری حد تک موجود درجات معیشت کے عقدے کو جس انداز پر حل کرتے ہیں وہ قابل

ملاحظہ ہے، آپ لکھتے ہیں۔

واوجب إختلاف استعداد بنى آدم أن يكون فيهم السيد بالطبع وهو الأكيس المستقل بمعيشته ذو سياسة ورفاهيه جبلتين والعبدبالطبع وهو الأخر ق التابع ينقاد كما يقاد وكان معاش كل واحد لايتم إلا بالأخر ولا يكون التعاون فى المنشطوالمكره إلا بأن يوطنا انفسهما على ادامة هذاالربط. وهذا لايتم إلابأن يعد كل واحد ضرر الأخر ونفعه راجعا إلى نفسه ولايتم الا ببذل كل واحد الطاقة فى موالاة الأخر ووجوب الانفاق عليه والتوارث. وكان اليق الناس بهذا الحد الأقارب. (۳۵)

(ترجمہ) ظاہر بات ہے، کہ سب انسانوں کو ایک ہی استعداد پر پیدا نہیں کیا گیا، اس لئے بعض ان میں سے بالطبع سیادت اور آقا بننے کے خواہش مند ہوتے ہیں، یہ وہ اشخاص ہیں جو مستقل معاش کے مالک اور پیدائشی طور پر سیاسی بصیرت اور رفاہیت عامہ کا ملکہ رکھتے ہیں، اور بعض بالطبع غلام ہوتے ہیں، یہ غبی اور تابعداری کرنے والے ہوتے ہیں، معاشی معاملات میں دونوں قسم کے اشخاص ایک دوسرے کے محتاج ہوتے ہیں۔ اور راحت ورنج میں یہ دونوں ایک دوسرے کے اس صورت میں کام آسکتے ہیں، جبکہ وہ دل سے تعاون کے ربط کو قائم رکھنے پر آمادہ ہوں۔ باہمی حاجات کی تکمیل اس صورت میں ہو سکتی ہے، جب ہر فرد دوسرے کے نفع نقصان کو اپنا نفع نقصان خیال کرے یہ اسی وقت ممکن ہے، جب وہ تعاون میں پوری قوت کو کام میں لائیں، وہ ایک دوسرے پر مال خرچ کریں، اور ایک دوسرے کے وارث قرار پائیں، اس معاملہ کے لئے مناسب قریبی رشتہ دار ہی ہو سکتا ہیں، کیونکہ ان کا باہمی محبت اور رفاقت طبعی ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس لئے ان کے درمیان صلہ رحمی کا پائیدار رشتہ ایک ضروری امر بن جاتا ہے، یہ ان کو ایک وحدت پرو دیتا ہے، چنانچہ کمانے والے افراد کو مستحق افراد خواتین، چھوٹے بچوں اور خادموں وغیرہ کے معاش کفیل ہونا چاہیے، جس کے بدلے میں انہیں اہل خانہ کی طرف سے بلا معاوضہ اطاعت و تعاون کی مدد جاتی ہے۔

آپ کے اس نظریہ سے عصر حاضر میں ان نظریات کی تغلیط ہو جاتی ہے، جو معاشی میدان میں مساوات کلی پر یقین رکھتے اور تفاوت اموال کو سامراج کا چربہ خیال کرتے ہیں۔ تفصیل اس اجمال یہ ہے، کہ معاشرے کا ابتدائی یونٹ فرد اور خاندان ہے، لہذا بے سہارا افراد کی کفالت ان اعزہ پر لازم ہے، اگر یہ اعزہ کسی وجہ سے قاصر ہو جائیں، تو آخر کار ان لوگوں کی کفالت تمام مسلمانوں کی ذمہ داری بن جاتی ہے، جس کی باقاعدہ شکل ریاست ہے، علامہ ابن حزمؒ نے اس ضمن میں علماء کا اجماع نقل کیا ہے، کہ نادار لوگوں کی کفالت اہل ثروت پر فرض ہے، وہ یہ حدیث بھی نقل کرتے ہیں۔

عن محمد بن علی أنه سمع عن علی بن ابی طالب یقول إن الله تعالی فرض علی الأغنیاء فی اقواتهم بقدر ما یکفی فقرائهم فإن جاعو ا أو عروا وجهد فیمنع الأغنیاء حق علی اللہأن یحاسبهم یوم القیامة ویعذبهم علیه. (۳۶)

(ترجمہ) حضرت علیؓ فرماتے ہیں، کہ اللہ تعالی نے اہل دولت پر ان کے غریبوں کی معاشی حاجت کو بدرجہ کفایت پورا کرنا فرض کر دیا ہے، پس اگر وہ بھوکے، ننگے یا معاشی مصائب میں مبتلا ہوں گے، تو محض اس لئے کہ اہل ثروت اپنا حق ادا نہیں کرتے اور اس لئے تو اللہ تعالی ان سے قیامت کے دن اس کی بازپرس کرے گا، اور کوتاہی پر عذاب دے گا۔

اس حدیث سے یہ نتیجہ اخذ کرنا بالکل واضح ہے، کہ اسلامی معاشرہ میں تفاوت اموال کا تصور پایا جاتا ہے، اور تب ہی مواسات وصلہ رحمی کے مظاہر وجود میں آتے ہیں، اور نادار لوگوں پر خرچ کرنے [illegible] شعبوں یعنی حکمت اکتسابیہ، حکمت تعاملیہ اور حکمت تعاونیہ کی تفصیل آئندہ ابواب میں حسب موقع آئے گی۔

حواشی

(۱)۔ ابن منظور "لسان العرب" محشی محمد ہاشم الشاذلی و آخرون، ناشر دار لمعارف، القاہرہ، ۱۱۱۹ھ ج ۳، ص ۱۶۹۶۔

(۲)۔ دھلوی "حجۃ اللہ البالغہ" ج ا، ص ۳۸۔

(۳)۔ مولانا عبید اللہ سندھی ولی اللّٰھی فکر کے ترجمان مانے جاتے ہیں۔ اس مناسبت سے آپ کے حالات وافکار کے بارے میں بتانا ضروری ہے۔

مولانا عبید اللہ سندھی ایک جید عالم دین اور انقلابی رہنما تھے، آپ کی ولادت ۱۰ مارچ ۱۸۷۲ء کو ضلع سیالکوٹ کے ایک سکھ گھرانے میں ہوئی، جام پور کے مڈل سکول میں داخل ہوئے، ۱۲ سال کی عمر میں ایک دوست کی وساطت سے ایک نو مسلم عالم کی کتاب "تحفۃ الہند" ہاتھ لگی۔ اس سے آپ کو اسلام کا تعارف حاصل ہوا۔ کچھ عرصہ بعد آپ کو شاہ اسمٰعیل شہید کی تصنیف "تقویۃ الایمان" مل گئی، جس نے دل میں شرک سے نفرت اور عقیدہ توحید سے شدید محبت پیدا کر دی۔ چنانچہ ۱۸۷۸ء میں آپ اپنا آبائی گاؤں چھوڑ کر ضلع مظفر گڑھ چلے گئے، اور اظہار اسلام کیا۔

اعزہ واقارب کے تعاقب کی وجہ سے آپ سندھ چلے گئے۔ جہاں سید العارفین حافظ محمد صدیق بھر چونڈی والے کی صحبت نصیب ہوئی، اور انہوں نے آپ کو اپنا روحانی بیٹا بنا لیا۔ مختلف مقامات پر عربی صرف و نحو کی کتابیں پڑھیں، اور پھر دارالعلوم دیوبند میں شیخ الہند محمود حسن کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ اور ان کے حلقہ درس میں ممتاز طالبعلم ثابت ہوئے۔ آپ کے ایک استاد مولانا سید احمد دھلوی نے آپ کی ذہانت او علمی ذوق کو دیکھ کر فرمایا۔ اگر اس طالبعلم کو پڑھنے کے لیے کتابیں میسر آجائیں، تو یہ شاہ عبد العزیز ثانی ہو گا۔

زمانہ طالب علمی کے دوران آپ نے تصنیف و تالیف کا مشغلہ بھی اپنایا۔ اصول فقہ کے موضوع پر آپ کا محققانہ رسالہ شیخ الہند نے بہت پسند فرمایا۔ آپ کو اللہ تعالی نے عالی دماغ سے نوازا تھا۔ سنن نسائی اور ابن ماجہ چار دن میں پڑھی اور سراجی (علم میراث کی درسی کتاب) دو دن میں مکمل پڑھ لی۔

تکمیل علوم کے بعد واپس سندھ تشریف لائے۔ اس وقت آپ کا مرشد تو واصل حق ہوا

toobaa-elibrary.blogspot.com

تھا۔ البتہ ان کے خلیفہ نے آپ کا گھر آباد کر لیا اور مطالعہ کے لیے ایک وسیع کتب خانہ فراہم کر دیا۔ جس سے آپ کا مطالعہ بہت عمیق ہو گیا۔ اس دوران آپ نے خاص طور پر شاہ اسماعیل شہید، شاہ ولی اللہ اور مولانا محمد قاسم نانوتوی کی تصانیف کا گہرا مطالعہ کیا، اور اپنے عہد کے مسائل کے حل کے لیے ان جلیل القدر تصانیف کی روشنی میں اپنے انقلابی اور سیاسی پروگرام کا نقشہ ترتیب دیا۔ اس کے بعد آپ دوبارہ دیوبند گئے، اور حضرت شیخ الہندؒ کو اپنے افکار و پروگرام سے مطلع کیا، انہوں نے بہت خوشی کا اظہار کیا اور پروگرام سے متفق ہو کر آپ واپس سندھ آئے، اور ایک پریس قائم کیا اور عربی و فارسی کی نایاب کتب کی اشاعت کا اہتمام کیا۔ ۱۹۰۱ء میں ایک دینی مدرسے کی بنیاد ڈالی، جسے وہ سات سال تک کامیابی سے چلاتے رہے۔ ۱۹۰۹ء میں حضرت شیخ الہند نے آپ کو دیوبند سے دہلی جانے کا حکم دیا، جہاں آپ نے "نظارۃ المعارف القرآنیہ" کی بنیاد رکھی۔ اس دوران آپ کو ہندوستان کے اعلیٰ درجہ کے سیاسی و ملی زعما کے ساتھ تعارف ہوا۔

۱۹۱۵ء میں شیخ الہند نے آپ کو کابل جانے کا حکم دیا، چنانچہ آپ افغانستان پہنچے اور شیخ الہند کے انقلابی منصوبے کی تکمیل کے لیے دن رات جدوجہد کرنے لگے، حکومت افغانستان نے آپ کی علمیت اور اعلیٰ شخصیت کی بناء پر معتمد خاص بنایا، اور آپ نے بھی حکومت افغانستان کے استحکام کے لئے ہمیشہ انتھک کوشش کی۔ آزادی کی غرض سے آپ نے ایک تنظیم "جنود اللہ" خدائی فوج کے نام سے ترتیب دی۔ ۱۹۲۲ء میں آپ نے کانگرس کمیٹی کابل بنائی اور اس کے پہلے صدر آپ ہی مقرر کیے گئے، یوں انگریزی جبر و حکومت سے نجات کے لئے یہ ایک باقاعدہ کوشش تھی۔ کابل میں آپ سات سال تک شیخ الہند کے منصوبہ جہاد میں رنگ بھرتے رہے۔

۱۹۲۳ء میں آپ نے سوشلسٹ انقلاب کے مطالعہ کی غرض سے سات ماہ تک روس کی سیاحت کی اور اس دوران آپ نے کیمونسٹ نظام کی خوبیوں اور نقائص کو قریب سے دیکھا، پھر بعد میں جب آپ نے اپنا سیاسی پروگرام شائع کیا، تو اس میں مسلمانوں کی اقتصادی، معاشی اور تعلیمی ترقی پر بھی زور دیا، اور کیمونسٹ نظام کی لادینیت اور بے اعتدالیوں سے بھی مسلمانوں کو آگاہ کیا۔ روس کے سفر کے بعد آپ ترکی تشریف لے گئے، اور وہاں ... ال تک تحریک اتحاد اسلامی کا مطالعہ کرتے رہے۔ ۱۹۲۷ء میں مکہ معظمہ کے مؤتمر خلافت میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے۔ تقریباً ۱۳ سال تک حرمین شریفین میں رہے۔ علماء عرب سے استفادہ کرتے رہے۔ درس و تدریس اور

مطالعہ بھی جاری رہا۔

۱۹۳۹ء میں آپ دوبارہ ہندوستان تشریف لائے، اور مسلمانوں کے اعلیٰ طبقہ کو شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفہ کے تحت مسلمانوں کی تنظیم نو کے پروگرام سے آگاہ کرنے کا تہیہ فرمایا، تاہم آپ زیادہ عرصہ تک زندہ نہ رہے۔ اور ۱۹۴۴ء میں آپ واصل حق ہوئے۔ نور اللہ مضجعہٗ۔

آپ مسلمانوں کو اسلام کے روشن اصولوں کے اندر رہتے ہوئے جدید علوم کے حصول پر زور دیتے تھے۔ آپ فرماتے تھے، میں چاہتا ہوں، کہ یورپ کی اس مادی ترقی کو تسلیم کر لیا جائے، یعنی علم اور سائنس کی ترقیوں کو ہم زندگی کی اساس کی حیثیت دیں، لیکن یہ نہ سمجھیں کہ سائنس نے ساری زندگی کا احاطہ کر لیا۔ بے شک سائنس نے مادی دنیا میں جو انکشاف کیے ہیں۔ وہ سب صحیح ہیں، لیکن زندگی صرف مادہ تک ختم نہیں ہو جاتی۔ محض مادی ترقی ہمارے امراض کا مداوا نہیں کر سکتی، آپ نے زاہدانہ اور سادہ زندگی بسر کی، اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ جلاوطنی میں گزارا۔ ۳۰ برس تک جلاوطنی کے بعد واپس وطن لوٹے، تو پہنے ہوئے کپڑوں کے سوا ان کے پاس کچھ نہ تھا۔ سندھی صاحب نے شیخ الہند کی راہنمائی میں بڑا فیض حاصل کیا۔ ان کے مطالعہ اسلام پر قرن اول و عہد نبوی کے اسلام کا رنگ غالب تھا۔ چنانچہ سیاسیات پر انہوں نے ایک بین الاقوامی ریاست کا تصور پیش کیا، جس کا مرکز مکہ مکرمہ قرار دیا، انہوں نے شاہ ولی اللہ (۱۷۰۳ء تا ۱۷۶۲ء) کو اپنے مذہبی افکار کا امام مان لیا۔ آپ نے ان کی سیاست، اقتصادیات، معاشیات و معاشرت افکار لطیفہ خصوصاً فلسفہ اسلام اور فلسفہ تاریخ کو تقریباً کلی طور پر تسلیم کر لیا۔ ساری زندگی ان کا یہی وظیفہ رہا۔ اسی فلسفہ کی روشنی میں مولانا سندھی سیاست میں انفرادیت اور اجتماعیت دونوں کے امتزاج کے قائل تھے۔ اور وہ اقتصادیات و معاشیات میں "معاشی عدل" کے علمبردار تھے۔ اخلاقیات میں وہ امام صاحب کے نظریہ عدالت کے قائل تھے، جس کے تحت عام اخلاق انسان کے نوعی تقاضوں کے مظہر ہوتے ہیں۔ فلسفہ عالی میں وہ "وحدۃ الوجود" کے پیرو تھے، جس کی وہ ایسی تعبیر کرتے تھے، جو صحیح معنوں میں قابل فہم اور سائنٹفک ہو۔

سندھی صاحب کے ناقدین نے بہت کچھ آپ کے بارے میں لکھا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ عدیم النظیر دل و دماغ "اتھاہ ایمان" غیر معمولی ثبات و استقلال کے مالک تھے، نام و نمود اور دنیاوی عہدوں سے محترز رہے، پوری توجہ اپنے مقاصد کے حصول پر مرتکز رکھی۔ بارہ سال

تک قرآن عظیم اور حجۃ اللہ البالغہ کا عمیق مطالعہ کرتا رہا۔ یوں کچھ افکار و حقائق کے حصول میں وہ کامیاب ہوئے، خود بھی ان کے مطابق زندگی گزاری اور آنے والی نسلوں کے لیے بھی نشان منزل کے طور پر چھوڑ کر چلے گئے۔ علامہ جار اللہ نے سندھی صاحب کے علمی مرتبت کے بارے میں فرمایا۔ انہوں نے پوری زندگی قرآن فہمی کے لیے وقف کی۔ شاہ ولی اللہ کے اصولوں پر قرآن کو سیکھا۔ وہ واقعی طور پر امام، مجاہد اور مجتہد تھے، آپ پر آزاد خیالی کا الزام بے بنیاد تھا۔ دراصل وہ جوابات کہتے تھے، وہ عمیق و ادق ہوتی تھی، ظاہر بینوں نے کم فہمی کی بنیاد پر الزام باندھ دے۔ پیش نظر کاوش میں سندھی صاحب کے تصانیف کے بیشتر حوالے دیئے گئے ہیں، اس لیے کہ وہ شاہ صاحب کو سمجھنے اور ان کی تعلیم کو صحیح طور پر پیش کرنے والے تھے۔ مرحوم کی یہ خوبی تھی۔ کہ مداحوں کی طرف سے بے جا تعریف اور مبالغہ آرائی سے منقبض ہوتے تھے، خود بھی حقیقت پسندانہ زندگی بسر کی اور دوسروں کو یہی تلقین کی۔ (نور اللہ مرقدہ)

(۴)۔ سندھی عبید اللہ "الہام الرحمن فی تفسیر القرآن" مقدمہ تفسیر الفاتحہ، مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر آباد، ۱۹۸۹ء ص ۱۰۔

(۵)۔ شاہ رفیع الدین "تکمیل الاذہان" باب ثالث، مکتبہ امدادیہ ملتان، ص ۲۵۔

(۶)۔ ماخوذ از محسنی شمس الرحمن،، انسانی معاشرے میں ارتقاء کے اصول شاہ ولی اللہ کی نظر میں" ماہنامہ الرحیم، حیدر آباد شمارہ ۲، محرم، ج ۲۔

(۷)۔ دھلوی "حجۃ اللہ البالغہ" ج ۱، ص ۴۹۔

(۸)۔ دھلوی "البدور البازغہ" مطبوعہ مجلس علمی ڈابھیل سورت، ۱۳۵۴ھ (فصل فی بیان حقائق الارتفاقات الاربعۃ بالاجمال، ص ۵۵۔

(۹)۔ حوالہ سابق۔

(۱۰)۔ حوالہ سابق۔

(۱۱)۔ حوالہ سابق۔

(۱۲)۔ حوالہ سابق۔

(۱۳)۔ دھلوی "حجۃ اللہ البالغۃ" ج ۱، ص ۵۱ (المبحث السعادہ)

(۱۴)۔ جلبانی غلام حسین،، شاہ ولی اللہ کی تعلیم،، شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر آباد، طبع اول ۱۹۶۴ ص ۱۷۸۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۱۵)۔ دھلوی "البدور البازغہ" ج ۱ ص ۵۹، پر رائے کلی، ظرافت ایجاد کے بارے میں اس کی تفصیل یہ ہے

(۱) رائے کلی یا رفاہ عام کا تخیل: انسان کی ضروریات محض بنیادی ضروریات تک محدود نہیں، بلکہ وہ ان کے ماسوا اور ان سے بالاتر اشیاء کی ضرورت اپنے اندر محسوس کرتا ہے، تنہا طبعی ضروریات ہی اس کو کسی عمل کے لئے آمادہ نہیں کرتیں، بلکہ اس میں عقلی ضروریات بھی موجود ہیں، جو اسے ایسے نفع کے طلب کرنے اور نقصان سے حذر کرنے کے لئے تیار کرتی ہیں، جن کا تقاضا عقل کرتی ہے، نہ کہ حیوانی طبیعت۔ انسان کی کوشش رہتی ہے، کہ اس سے ایسے اعمال کا صدور ہو جو نہ صرف اس کے لئے سود مند ہوں، بلکہ دیگر افراد کے لئے بھی یکساں نفع بخش ہوں۔ بسا اوقات اس کا یہ تخیل اسے کسی شہر میں ایک صالح تمدنی نظام کے قیام کے لئے اکساتا ہے، تو کبھی خود اپنے اخلاق کی تکمیل اور اپنے نفس کی تہذیب کے لئے دور رس فوائد کا خیال رکھتے ہوئے، وہ قریبی نقصان کو خوشی برداشت کر لیتا ہے، اور کبھی مستقبل کے نقصانات کو ختم کرنے یا محدود کر لینے کے لئے اپنے قریبی فوائد تک قربان کر دیتا ہے، اس کی ہمیشہ یہی کوشش رہتی ہے، کہ وہ صاحب عزو شرف اور لوگوں کے دلوں میں اپنے جاہ و جلال کا رعب قائم رکھ سکے۔

(۲) ظرافت یا شوق حسن و جمال: اس کا مطلب یہ ہے، کہ فطرت انسانی حیوان کی طرح صرف اپنی ضروریات پوری کرنے پر ہی قانع نہیں رہتی، بلکہ وہ خوب سے خوب تر کی تلاش میں منہمک رہتی ہے، انسان ہر چیز میں لطافت، تازگی، حسن اور خوبی کا متلاشی رہتا ہے، کہ اپنے جمالیاتی حس کو حسب مقدور آسودہ کر سکے، مثلاً حیوانی حاجت محض غذا کا حاصل کرنا ہے، لیکن انسان لذت اور لطافت کا طلب گار رہتا ہے، وہ چاہتا ہے، کہ وہ اچھے سے اچھا دل لبھانے والا لباس زیب تن کرے، خوش نما گھر میں سکونت اختیار کرے، اور حسین و نازک اندام بیوی اس کی شریک حیات ہو۔

(۳) ایجاد و تقلید: نوع انسانی کے اختصاص کا مطلب یہ ہے، کہ جس طرح انسانی ضروریات کی نوعیت حیوانی ضروریات کی نوعیت سے مختلف ہے، اسی طرح اللہ تعالی کی جانب سے انسان کو ہونے والے الہام کی کیفیت بھی حیوانی کیفیت سے مختلف ہے۔ بسا اوقات بہت سی حاجتوں کا کچھ لوگوں کو خیال ہی نہیں آتا یا آتا بھی ہے، تو انہیں پورا کرنے کا کوئی بہتر طریقہ سجھائی نہیں دیتا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ایسے موقع پر دوسرے ان کی دستگیری کرتے ہیں، یوں معاشرہ میں دنیاوی مصالح کے حصول کے لئے وہ قائد کا انتخاب کرتے ہیں، پیشرو کو تلاش کرنا انسان کا فطری تقاضا ہے، معاشرہ کی نشو و نما میں تقلید کا عمل دخل ہے، اگر یہ جذبہ فطرت انسانی میں داخل نہ ہوتا، تو معاشرہ کو کمال تک پہنچانے میں عرصہ دراز درکار ہوتا، انسان باعتبار فہم و دانش ایک دوسرے سے مختلف ہے، چنانچہ وہ تقلید کے لئے آمادہ رہتا ہے، بنابریں حسن و لطافت کی جستجو، مفید تدابیر کی ایجاد، وغیرہ، اور باعتبار فرصت و غور و فکر انسان ایک دوسرے سے بڑی حد تک مختلف ہے، اس لئے معاشرہ کے معدودے چند افراد متبوع قرار پاتے ہیں۔

(۱٦)۔ دھلوی "البدور البازغۃ" ص ۵۰۔

(۱۷)۔ دھلوی "البدور البازغۃ" ص ۵۵۔

(۱۸)۔ دھلوی "حجۃ اللہ البالغہ" ج ۲ ص ۱۰۳۔

(۱۹)۔ دھلوی "البدور البازغۃ" ملخص از ص ٦٦ تا ٦۹۔

(۲۰)۔ دھلوی "حجۃ اللہ البالغہ" ج ۲، ص ۱۰۳۔

(۲۱)۔ دھلوی "البدور البازغۃ" ملخص

(۲۲)۔ ابن القیم "الطرق الحکمیہ فی السیاسۃ الشرعیہ" مطبوعہ المؤید، المصر،

(۲۳)۔ ابن القیم "اعلام الموقعین مکتبہ الکلیات الازہریہ" قاہرہ ۱۹٦۸ء ج ۳، ص ۳۔

(۲۴)۔ دھلوی، حجۃ اللہ البالغہ "ماخوذ از محمد حفظ الرحمن سیوہاروی" شاہ ولی اللہ کا خاص نظریہ، ماھنامہ الفرقان، خصوص نمبر ص ۳٦۔

(۲۵)۔ دھلوی "حجۃ اللہ البالغہ" ج ۲، ص ۱۰۳۔

(۲٦)۔ حوالہ سابق۔

(۲۷)۔ شیخ الہند محمود حسن "ایضاح الادلۃ" مطبوعہ ادارہ اسلامیات، لاہور، طبع دوم، ۱۹۸۲ء ص ۳۰۔

(۲۸)۔ نانوتوی محمد قاسمؒ "آب حیات" مطبوعہ مجتبائی دھلی، سن طباعت ندارد، اشاعت اول، ص ۱۲۵۔

(۲۹)۔ شیخ محمد عبدہ، تفسیر المنار، طبع دار المنار، مصر ۱۳۷۵ھ، ص ۲۴۷۔

(۳۰)۔ دھلوی "حجۃ اللہ البالغۃ" ج ۱، ص ۳۲۔

(۳۱)۔ حوالہ ابن عابدین" ردالمختار علیٰ در المختار" مطبعہ میمنیہ مصر ۱۳۱۸ھ، ج ۵، ص ۲۷۴۔

(۳۲)۔ دیکھیے قرآن مجید سورۃ الحشر کی آیہ ۷:

اسلامی نظام معیشت میں تقسیم دولت کو خاصی اہمیت دی گی ہے۔ اس ضمن میں ایک طرف انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی گی ہے، تو دوسری طرف ارتکاز و اکتناز کی مذمت کی گی ہے، قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے۔ کی لایکون دولۃ بین الاغنیآء منکم (الحشر ۵۹: ۷)

ترجمہ، صدقات اس لیے واجب ہیں، تاکہ یہ (سرمایہ) تمھارے دولت مندوں میں ہی گردش نہ کرتی رہے، اس ایت کی تفسیر کے ذیل میں لکھا ہے۔

یہ مصارف زکواۃ اس لئے بتلائے کہ ہمیشہ یتیموں، محتاجوں بے کسوں اور عام مسلمانوں کی خبر گیری ہوتی رہے، اوروں کی عام ضروریات پوری ہوں، اور یہ کہ اموال محض دولت مندوں کے الٹ پھیر میں پڑ کر ان کی مخصوص جاگیریں بن کر نہ رہ جائیں، جن سے سرمایہ بڑے لوٹیں، اور غریب فاقوں مریں، تفسیری حاشیہ شیخ الہند مطبوعہ مغربی جرمنی، ص ۷۰۸۔

اس کے علاوہ متعدد احادیث میں صدقات واجبہ و نافلہ ادا کرنے کی تعلیم دی گئی ہے، یہ اس لیے تاکہ ارتکاز دولت کی ممکنہ سدباب ہو۔

(۳۳)۔ ظفر حسن ایک صاحب دل شخصیت ہو گزرے ہیں، آپ کی مرتب کردہ آپ بیتی دو حصوں پر مشتمل لاہور سے شائع ہوئی۔ اس میں عبید اللہ سندھیؒ کی کابل، روس اور ترکی کے دوران قیام کی سرگرمیوں کی تفصیل ہے۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران جب برطانیہ اور ترکی کی عثمانی خلافت کے مابین جنگ ہو رہی تھی، تو وہ لاہور کے بعض دوسرے مسلمان طلباء کے ساتھ ترکوں کی حمایت میں برطانیہ کے خلاف لڑنے کے لئے افغانستان گئے، یہ ۱۹۱۵ء کا واقعہ ہے۔ کابل میں انکی ملاقات سندھیؒ صاحب سے ہوئی، جن سے نہ صرف انہوں نے دینی علوم پڑھے، بلکہ سیاسی تربیت بھی حاصل کی۔ وہ گیارہ سال تک مولانا کے معتمد خاص رہے۔ ۱۹۲٦ء میں مولانا حجاز تشریف لے گئے، ظفر حسن ترکی میں رہے، اس نے ترکی کی شہریت حاصل کر کے فوج میں کمیشن حاصل کر لی اور ریٹائرڈمنٹ کے بعد استنبول ہی میں حق بواصل ہوئے۔ اللھم اغفرہ۔

(۳۴)۔ دھلوی "حجۃ اللہ البالغہ" ج ۱، ص ۴۰۔

(۳۵)۔ حوالہ سابق۔

(۳٦)۔ ابن حزم، محلی، مطبوعہ دار الافاق الجدیدہ، بیروت (حققہ الشیخ احمد شاکر) ج ٦، ص ۱۵۸۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ

بیشک سب مُسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں (القرآن)

باب سوم

ارتفاق سوم

قومی حکومت اور اس کے معاشی امور

toobaa-elibrary.blogspot.com

ارتفاق سوم

قومی حکومت اور اس کے معاشی امور

کسی بھی ریاست کے انتظامی ڈھانچہ کے تعین کے بغیر اس کے معاشی امور پر نتیجہ خیز گفتگو ناممکن ہے۔ آپ ارتفاق سوم کے ضمن میں ریاستی ڈھانچہ کے خدوخال اور اس کے مالیاتی پہلوؤں کو جس انداز سے چھیڑتے ہیں، اس کی تفصیل یوں ہے۔

آپ ارتفاق اول، دوم کے بعد ارتفاق سوم کے ضمن میں حقیقت شہریت کے بارے میں تحریر کرتے ہیں، کہ جب انسان کسب معاش پر مجبور ہے، تو کوئی نہ کوئی پیشہ اختیار کرتا ہے، پھر تکمیل ضروریات کے لئے مبادلہ کی ضرورت بھی پڑتی ہے، اور اس طرح کسانوں، تاجروں اور اہل حرفہ میں ایک باہمی ربط پیدا ہو جاتا ہے، یہی ربط و تعلق شہریت ہے۔

وهذه الجماعات بذالك الربط هي المدينة في الحقيقة وليست المدينة في الحقيقة اسماء للسور والسوق والحصن حتى لو كان قرى متقارب فيها جماعات يعامل بعضها بعضا سميناها مدينة ايضا. (١)

(ترجمہ) ان مختلف جماعتوں (کسانوں، تاجروں اور فلاحوں وغیرہ) کا باہمی پیشہ ورانہ اجتماعی ربط ہی در حقیقت شہر ہے اور شہر حقیقت میں فصیل (دیواروں) بازار یا قلعہ کا نام نہیں، یہ وجہ ہے کہ بہت سے ایسے گاؤں جو قریب ہوں اور ان کے باشندے آپس میں معاملات کے ذریعہ ربط رکھتے ہوں، تو ہم انہیں بھی "شہر" قرار دیں گے

حکومت کی ضرورت : بالا عبارت کا حاصل یہ ہے۔ کہ شہر انسانی آبادی کی خاص طرز زندگی کا نام ہے اور یہ تمدنی ہیئت (ارتفاق) کی ترقی یافتہ شکل ہے، جس میں افراد معاشرہ کے درمیان باہمی ربط کار فرما ہوتا ہے۔ آپ شہر کو ایک جسم کی مانند قرار دیتے ہیں، اور اس پر مرض طاری ہو سکنے اور اس کا علاج بھی بتاتے ہیں۔

والأصل في ذالك إن المدينة شخص واحد من جهة ذالك الربط مركب من اجزاء وهيئة اجتماعية وكل مركب يمكن ان يلحقه خلل في مادته او صورته ويلحقه مرض أعني حالة غير ها أليق به باعتبار نوعه وصحته اى حالة تحسنه وتجمله (٢)

شہری سیاست کا قاعدہ یہ ہے کہ اس ربط کے لحاظ سے سارا شہر ایک ہی شخص ہے جو مختلف اجزاء اور اجتماعی شکل وصورت سے مرکب ہے اور ہر ایک مرکب کے لئے یہ ممکن ہے کہ اس کے مادہ ترکیبی یا صورت میں کوئی خلل واقع ہو جائے اور اسے کوئی بیماری لگ جائے، بیماری سے ہماری مراد ہے، کہ اس پر ایسی حالت طاری ہو جائے کہ اس کی نوع کے اعتبار سے موجودہ حالت سے بہتر حالت ممکن ہو اور صحت سے مراد وہ حالت ہے جو اس میں حسن و جمال پیدا کرے

چنانچہ آپ شہر کی حفاظت و نگرانی کے لئے امام یا حاکم کا وجود لازمی قرار دیتے ہیں، آپ لکھتے ہیں۔

فلا بد للمدينة من طبيب يحفظ الصحة ما استطاع ويعالجها إذا مرضت والطبيب هو الإمام باعوانه. (٣)

(ترجمہ) پس شہر کے لئے ایک طبیب کا ہونا لازمی ہے، جو اپنی پوری قوت کے مطابق اس کی صحت کی حفاظت کرے اور جب وہ بیمار ہو جائے، تو اس کا علاج کرے اور یہ طبیب اپنے ساتھیوں سمیت امام ہوتا ہے۔

اقسام شہر اور اس کے نظام

آپ کے ہاں شہروں کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) کامل شہر (۲) ناقص شہر

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۱) کامل شہر وہ ہے، جس میں حسب ضرورت دفاعی قوت موجود ہو، زرعی اور دوسرے پیداواری ذرائع کے لحاظ سے وہ خود کفیل ہو۔ ان کے ارتقاقات درجہ کمال پر پہنچے ہو۔

(۲) ناقص شہر وہ ہے، جو خود کفیل نہ ہو، دوسرے اجتماعی معاشروں پر اس کا انحصار ہو، بہر نوع شہر کامل ہو یا ناقص اس کے نظام کو چلانے کے لئے امام کے نزدیک تین طریقے ممکن ہیں۔

(ا) رسومات کی پابندی سے : یہ اس وقت ہوتا ہے، جب آبادی تھوڑی ہو، اور ایک ہی طرز کے لوگ رہتے ہوں، یہ پنچائت کی ایک شکل بن جاتی ہے، اکثر دہی معاشروں میں رسومات کی شکل میں لگے بندے اصولوں کے تحت نظام چل رہا ہوتا ہے۔

(ب) چودھراہٹ {Guildism} : ۔یعنی ایک پیشے کے لوگ اپنے اپنے چوہدری کے ماتحت رہیں یہ گلڈازم کی شکل ہے۔

(ج) اجتماع عقلا (شوریٰ) : شورائی نظام، اصحاب حل وعقد پر مشتمل منتخب بورڈ جو اعلیٰ کردار وصفات کے حامل ہوں، اور مل کر اتفاق رائے سے شہری نظام کو چلائیں۔ اگر بورڈ کے ارکان انتظامی حوالہ سے ایک کو امیر تسلیم کریں، تو یہ ہیئت اور بھی منظم ہو کر شورائی شکل اختیار کرے گی، عوامی نمائندوں کا مروجہ طریقہ انتخاب کئی لحاظ سے محل نظر ہے، لھذا پارلیمنٹ کو شورای کی حثیت دینا مناسب نہیں۔

حاکم کی حیثیت : آپ کے نزدیک امام صرف ایک فرد انسانی نہیں، بلکہ اس کی حیثیت ایک ادارہ کی سی ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں۔

وليس الإمام عندنا هو الشخص الواحد الانسانى البتة نعم إذا تولاه مستعد لها مستبد بنفسه صلح الأمر كل الصلاح فيكون اماما فى ظاهر القول .(٤)

(ترجمہ) امام ہمارے نزدیک لازما ایک فرد انسانی نہیں، ہاں اگر صاحب استعداد آدمی شہر پر قابض ہو جائے اور شہری امور کو صحیح طور پر انجام دے سکے، تو ظاہری معنی میں اسے بھی امام قرار دیا جائے گا۔

آپ کے مذکورۃ الصدر بیان سے واضح ہے، کہ اگر کوئی ایسا شخص انفرادی طور پر حکومتی امور سنبھالے، جو اس کی مصالح کو پوری طرح مد نظر رکھے، تو اسے بھی "امام" کا مقام حاصل ہو گا۔ آپ کے اس سیاسی نظریہ سے لوگوں کو یہاں مغالطہ لگا، اور آپ کو ڈکٹیٹر شپ کے حامیوں میں سے شمار کرنے لگے۔ حقیقت حال یہ ہے، کہ اسلامی آمریت مغربی آمریت سے ترقی یافتہ ہے یا یوں کہنا چاہئے، کہ آمریت اور جمہوریت دونوں کے درمیان یہ ایک سیاسی محاکمہ ہے، لہذا آپ کا ڈکٹیٹر کو "امام حق" سے تعبیر کرنا اور اجتماعی زندگی کا تنہا اسی کو ہی ضامن قرار دینا ان معنوں میں ہے، اور اس میں کوئی امر تعجب نہیں۔ (۵)

ہاں امام الہند ملکی باگ ڈور ایک ہی شخص کے ہاتھوں میں دینے کے حق میں نہیں، بلکہ وہ جمہوری اور پارلیمنٹری سسٹم (شورائی نظام) سے ملتے جلتے نظام کے قائل ہیں۔ وہ حکومت کے لئے عوامی تائید حاصل کرنے کو لازمی قرار دیتے ہیں، وہ اس ضمن میں تحریر فرماتے ہیں۔

لم ينتظم أمرها الا برجل إصطلح على طاعته جمهور أهل الحل والعقد وله أعوان وشوكة.(٦)

(ترجمہ) حکومت کا نظام اس وقت تک درست نہیں ہو سکتا، جب تک ایسا شخص حکمران نہ ہو، جس کی اطاعت پر ارباب حل وعقد کی اکثریت راضی ہو اور اس کے ساتھ (فوج وغیرہ) بھی اس کے حق میں ہو اور اس قوت کی اسے تائید حاصل ہو۔

یہاں یہ امر واضح کرنا ضروری ہے، کہ آج کل سیاسی نظاموں میں اہل علم صرف ایک امیر کی اطاعت کو مرکزیت کے لئے ضروری نہیں سمجھتے، ان کے نزدیک اس سے خرابیاں پیدا ہونے کے زیادہ امکانات ہیں، آپ اس کا علاج یہ تجویز کرتے ہیں، کہ ایک "بورڈ" ہو، جس کے ارکان کے ہاتھ میں الگ الگ اختیارات ہوں اور ایک کامل ریاست (جس میں بہت سے افراد ہوتے ہیں) کا نظام قائم رکھنے کے لئے ایک ایسا آدمی ہونا چاہئے، جو اکیلا سب امور کی کفالت و نگرانی کرے اور وہ "امام حق" ہوتا ہے، لیکن اس کے ساتھ وہ یہ بھی بتاتے ہیں۔ "وقلما يوجد ذالك" اور ایسا آدمی کم ہی ملتا ہے، چنانچہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

حکومتی اختیارات مناسب افراد کے درمیان منقسم ہونا حسب مصلحت ہے۔(۷)

شخصی حکومت کی بجائے عقلاءِ قوم کی حکومت کی یہ تجویز کیبنٹ نظام کا نقطہ آغاز ہو سکتی تھی، کاش اس وقت اس کی طرف توجہ کی جاتی، آپ کی یہ فکر انگیز عبارت اہل نظر کے لئے توجہ کا مرکز ہے۔ امامت کی حقیقت کیا ہے؟ امام حق کن صفات کا حامل ہو، حکومتی ارکان کن کوائف کے حامل ہوں؟ ان سوالات کے جوابات یہ ہیں۔

امارت وامامت کی ضرورت شرعی وعقلی دونوں لحاظ سے مسلم ہے، امامت کا مقصد دونوں یعنی دینی ودنیاوی مصالح کی حفاظت ہے، امارت فرض کفایہ ہے۔ مختلف اہل نظر نے امامت کی مختلف تعریفیں کی ہیں۔ علامہ ماوردی (م ۴۵۰ھ) نے امامت کی تعریف یوں فرمائی۔

الإمامة موضوعة لخلافة النبوة فی حراسة الدین وسیاسة الدنیا .(۸)

(ترجمہ) امامت اس لئے وضع کی جاتی ہے، کہ دین کی حفاظت اور دنیاوی سیاست نبی ﷺ کی خلافت کی حیثیت سے محفوظ ہو

امام السندیؒ نے خلافت کی جامع مانع تعریف یوں فرمائی۔

الخلافة هی الریاسة العامة فی التصدی لإقامة الدین بأحیاء العلوم الدینیة وإقامة ارکان الإسلام والقیام بالجهاد ومایتعلق به من ترتیب الجیوش والفرض للمقاتلة وأعطائهم من الفی والقیام بالقضاء وإقامة الحدود ورفع المظالم والأمربالمعروف والنهی عن المنكر نیابة عن النبی ﷺ(۹)

(ترجمہ) خلافت اس عمومی سربراہی اور ریاست عامہ کا نام ہے، جو "اقامتِ دین" کے کام کی تکمیل کے لئے وجود میں آئے۔ اس اقامت دین کے دائرہ کار میں علوم دینیہ کا احیاء، ارکان اسلام کا قیام، جہاد اور اس کے متعلقات کا انتظام مثلاً لشکروں کی ترتیب، جنگ میں حصہ لینے والوں کے حصص ومال غنیمت میں ان کا حق، نظام قضاء کا اجراء، حدود کا قیام مظلوم کی شکایات کا ازالہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرائض کی ادائیگی شامل ہے، اور یہ سب آنحضرت ﷺ کی نیابت اور نمائندگی میں ہونا چاہیے۔

حضرت شاہ اسمٰعیل شہید کے نزدیک خلافت اصلاح المعاش والمعاد، یعنی دنیا وآخرت کے اصلاح کا نام ہے، خلافت انفرادی اجتماعی دنیوی واخروی معاملات کو شامل ہے، خلافت کے مقاصد کے بارے میں علامہ طرابلسی نے "معین الأحکام" میں لکھا ہے۔

تخریج الحق عن الظالم وتدفع كثیرا من المظالم وتردع أهل الفساد ویتوصل بها إلی المقاصد الشرعیة للعباد.

(ترجمہ) یعنی وہ جو ظالم اور غاصب سے حق لے لے، مظالم کو دفع کرے، اہل فساد کا قلع قمع کرے اور بندوں کے شرعی مقاصد کے حصول کا ذریعہ بنے،

خلافت سے متعلق جملہ تعریفات کو دیکھتے ہوئے، تین امور قدر مشترک کے طور پر سامنے آتی ہیں۔

(۱) اس کی حیثیت نبوت کی نیابت وخلافت ہے۔

(۲) اس کا مقصد دین کی حفاظت وصیانت ہے۔

(۳) اس کا مقصد دنیاوی معاملات کا حسن انتظام ہے۔

حاصل بحث یہ کہ خلافت وامامت بڑی ذمہ داری ہے، اس کا دائرہ کار رعایا کی محض دینی وعملی فرائض کی انجام دہی نہیں، بلکہ رعایا کی معاشی کفالت کا ذمہ دار بھی خلیفہ وقت ہوتا ہے۔ خلیفہ کو اس اعتبار سے ظل اللہ کہا گیا۔ دینی وعملی رہنمائی کے لئے خلیفہ ہر اس شخص کو منتخب کیا جا سکتا ہے، جو مجتہدانہ بصیرت کا حامل ہو۔ علامہ ماوردیؒ نے خلیفہ کے لئے مندرجہ ذیل سات شرائط گنوائی ہیں۔

احدها ....العدالة

الثانی ....العلم المؤدی إلی الاجتهاد فی النوازل والأحکام.

toobaa-elibrary.blogspot.com

الثالث.......سلامة الحواس من السمع والبصر واللسان ليصح معهامباشرة مايدرك بها .

الرابع ....سلامة الأعضاء من نقص.

الخامس.......الرأى (الصحيح)المفضى إلى سياسة الرعية وتدبير المصالح .

السادس ......الشجاعة والنجدة المودية إلى حماية البيضاء وجهادالعدو.

السابع.......النسب (أن يكون نجيبا).(١٠)

خلیفہ کے اندر مذکورہ صفات کا ہونا ضروری ہے۔ قوت حاکمہ کا کوئی فرد خاص صفت سے متصف ہونا چاہیے۔ امام الہندؒ شاہ ولی اللہؒ نے حکمران کے شرائط کے ضمن میں تحریر فرمایا ہے۔

وأن يكون عاقلا بالغا حرا ذكرا ذارأى وسمع وبصر ونطق ممن سلم الناس شرفه وشرف قومه ورأوا منه ومن آبائه المآثره الحميدة وعرفوا أنه لا يألوا جهدا فى اصلاح المدينة هذا كله يدل عليه العقل وإجتمعت عليه الأمم.(١١)

(ترجمہ) حکمران ہونے کے لئے یہ شرط ہے، کہ وہ عاقل بالغ مرد، آزاد، سمیع وبصیر اور صاحب نطق وکلام ہو، اس کا شرف سب لوگوں کے لئے مسلم ہو، اور وہ معزز اور شریف خاندان کا فرد ہو جس کے ماثر اور فضائل زد زبان خلائق ہوں، اور اس کے متعلق یقین ہو کہ وہ رعیت کی فلاح وبہبود میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرے گا۔ یہ سب ایسی شرائط ہیں، جن کو عقل تسلیم کرتی ہے اور تمام اقوام کا اس پر اتفاق ہے۔

تشکیل حکومت اور سربراہ حکومت: قرآن وحدیث نے تو تشکیل حکومت کے لئے خاص طریقہ بتایا ہے، نہ سربراہ کے لئے البتہ سربراہ کے شرائط بیان کئے ہیں۔ اوپر بیان کردہ اوصاف کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ اسلامی مملکت میں جملہ اختیارات ایک ہی کو دیے جاتے ہیں۔ اس کو امام کہا جاتا

ہے۔ جو پوری مملکت کا واحد سربراہ ہوتا ہے۔ قرآن پاک کی تعلیم یہ ہے۔ کہ وہ سربراہ اقتدار میں سب سے اعلیٰ ہو، تو تقویٰ، پرہیزگاری اور خداترستی میں بھی اس کو سب سے بلند ہونا چاہیے۔ انَّ اکرمکم عند اللہ اتقاکم علماء نے امام کے لئے چند شرطیں اس لئے قرار دی ہیں کہ حتی الامکان قرآن پاک کی تعلیم کو جامۂ عمل پہنچایا جاسکے۔ مثلاً عاقل، بالغ، تندرست، صحیح الحواس صاحب ہمت، صائب حوصلہ صائب الرائے سیاسی امور کا واقف وماہر، جنگ وصلح کے نشیب وفراز سے باخبر خلق خدا کا ہمدرد عوام کا خیر خواہ مختلف طبقات کے مزاجوں سے واقف ہونے کے علاوہ اہم شرط یہ ہے، کہ ان میں عدل ہو، یعنی پابند شرع ہو۔ اسلامی اخلاق کا حامل ہو، کبائر کا مرتکب نہ ہوتا ہو، بمقتضائے بشریت گناہ ہو جائیں، تو فوراً توبہ کرلے، کسی گناہ صغیرہ کا عادی نہ ہو۔ عالم ہو اور اسلامی علوم میں بصیرت رکھتا ہو۔ (ازالۃ الخفاء، حجۃ اللہ البالغہ شرح عقائد نسفی وغیرہ) وزیر اعظم کی جو حیثیت آج کے جمہوری ممالک میں ہے، کہ پارلیمنٹ یا اسمبلی میں جس سیاسی پارٹی کو اکثریت حاصل ہو۔ اس کا لیڈر رووزیر اعظم یا چیف منسٹر ہو، اسلامی تعلیمات میں اس طرز کی اگر ممانعت نہیں کی گئی،

حکمران طبقہ کا اخلاقی معیار۔ آپ کی مذکورہ عبارت سے واضح ہے، کہ حکمران طبقہ کے لئے ضروری ہے، کہ وہ اعلیٰ اخلاق وکردار کے حامل اور محب وطن ہونے کے علاوہ دانش منداور موقع شناس ہو، مزید یہ کہ قوم کا اس کی قیادت پر اعتماد ہو [illegible] اسے ہر دلعزیزی حاصل ہو، وہ منصف اور دیانت دار ہو۔ شاید اس وقت ملک عزیز کے آئین کی دفعہ ۸۔ ۶۲ کے حوالہ سے قومی وصوبائی اسمبلی کے رکن کی جو شرائط عائد کی گئی ہیں، وہ آپ کی اس فکر کی عکاسی کرتی ہیں، ضرورت اس امر کی ہے، کہ دیکھا جائے، کہ ان شرائط کو کہاں تک بروئے کار لایا جاتا ہے۔ اسلام جو حکمران کے لئے مرد، بالغ، آزاد اور عاقل ہونے کی شرائط بھی عائد کرتا ہے، ان کی اہمیت اسلامی سوسائٹی میں محتاج بیان نہیں۔

اگر آپ کی اس سیاسی فکر سے استفادہ کیا جاتا، تو بظاہر ہر تین سال بعد انتخابات کی نوبت نہ آتی اور ایک باوثوق خبر کے مطابق پچھلے انتخابات ۱۹۹۳ء ۴۴ کروڑ اور اس سال ۱۹۹۷ء میں ۵۵ کروڑ روپیہ کا خرچہ قوم کو نہ اٹھانا پڑتا۔ (۱۲)

مختلف محکموں میں بے ضابطگیاں اور دولت کا غلط استعمال بھی بدعنوان حکمرانوں کے مسند

toobaa-elibrary.blogspot.com

اقتدار پر قابض ہونے اور ذکر کردہ شرائط سے یکسر اغماض کا نتیجہ ہے۔

شاہ صاحب کی نظر میں حکومت کے ضروری محکمے۔ آپ ممالک کی ترقی اور بقا کے لئے کم از کم درج ذیل محکموں کا وجود ضروری قرار دیتے ہیں۔

(۱) عدلیہ۔ آپ عدلیہ کی ضرورت کو یوں بیان فرماتے ہیں۔

الحاجة الأولى أن أهل المدينة إذا دارت بينهم المعاملات .... نشأت بينهم إختلافات ونزاعات لو لم يسد بابها لوصل إلى التحارب وفساد ذات البين ...فلا بد من سنة عادلة مسلمة عندجماهيرهم يفزع إليها في فصل الخصومات .(۱۳)	(ترجمہ) پہلی ضرورت یہ ہے، کہ جب شہروں کے درمیان حقل وحسد کی وجہ سے باہمی تنازعات اور رقابتیں ہو جائیں، اگر ان کا تدارک نہ کیا جائے، تو وہ بڑھتی جاتی ہیں، اور لوگوں کے درمیان خانہ جنگی تک نوبت پہنچ جاتی ہے، اس لئے ملک کے اندر ایک ایسے عادلانہ دستور اور قانون کا وجود لازمی ہے، جو جمہور عوام کے نزدیک قابل اعتماد ہو، اور جس کی طرف مقدمات وخصومات کے فیصلوں کے لئے رجوع کیا جاسکے۔

آپ کے اس بیان سے واضح ہے، کہ آزاد عدلیہ کا وجود ریاست کیلئے اس لئے ضروری ہے، کہ شہری یہاں سے انصاف پاسکیں۔

(۲) انتظامیہ یا محکمہ پولیس۔ جرائم پیشہ، بد اخلاق اور مفسد لوگوں کے شر سے شہریوں کو بچانے کے لئے ضروری ہے، کہ ایسے افراد کے خلاف تعزیری وانسدادی اقدامات کرنے کے لئے ایک مستحکم انتظامیہ موجود ہو تاکہ ان لوگوں کو ایک معروف ومہذب قانون اور عادلانہ تادیبی طریقوں کو کام میں لاکر راہ راست پر لایا جاسکے۔ آپ نے شہری زندگی اور نظام ریاست کو بربادی سے بچانے کیلئے جن امور پر کڑی نگرانی رکھنے کی تاکید کی ہے، ان میں مذہبی اختلافات، جادوگری، دشمن کے لئے جاسوسی، چوری وڈاکہ، زنا، قتل وغارت، لواطت، جوابازی، سودی کاروبار اور شراب نوشی جیسے جرائم

شامل ہیں۔ (۱۴)

واضح ہو، اس شعبہ کا نام "حراسہ" ہے، اس کا نگران امیر الحراس کہلاتا ہے۔

عصر حاضر میں نشان زدہ جرائم بہت معنی خیز ہیں۔ ان کے مرتکب افراد پر کڑی نظر رکھنا، انتظامیہ کی ذمہ داری ہے، معاشی طور پر پست معاشرے میں ان جیسے جرائم کا ارتکاب بعید از امکان نہیں۔

(۳) فوج یا محکمہ دفاع۔ سوسائٹی میں گمراہ، حریص اور حاسد افراد کا وجود ایک طبعی امر ہے، بعض اوقات ان لوگوں کی جرات اتنی بڑھ جاتی ہے، کہ وہ قتل وغارت شروع کر دیتے ہیں، یا مال و دولت یا کسی لالچ میں نظام حکومت کو برباد کرنے پر تل جاتے ہیں۔ ایسی ہولناک صورت حال پر قابو پانے اور اندورنی وبیرونی خطرات سے ریاست کو بچانے کے لیے بہادر لوگوں پر مشتمل مسلح لشکر تیار کر کے ہر وقت متحرک اور مستعد رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ فوج کی یہ نقل وحرکت ایسے معروف عسکری طریقوں کے مطابق ہونی چاہیے، جن سے اعلیٰ ترین دفاعی قوت کا مظاہرہ ہو اور اس طرح لوگوں میں تحفظ واطمینان کا احساس پیدا ہو۔ آپ کا مزید کہنا ہے، کہ فوج کی نگرانی ایسے ارباب حل وعقد کے تحت ہو، جو فنون حربیہ سے واقف ہوں اور جن کی اطاعت پر لوگ راضی ہوں۔ آپ اس ادارے کو "امور الجهاد" سے یاد کرتے ہیں۔ اس کے نگران کا نام "امير الغزاة" رکھتے ہیں۔ ان کے فرائض کے بارے میں وہ لکھتے ہیں۔

امير الغزاة يجمع الغزاة و يتعرف احوالهم ويؤ لفهم و يعرف عدد هم ومقادير هم في الكفاية.(۱۵)	(ترجمہ)، امیر لشکر افواج کو جمع کرتا ہے، وہ ان کے حالات ومسائل سے واقفیت حاصل کرتا رہتا ہے۔ انہیں آپس میں ملائے رکھتا ہے، اور ان کی گنتی کا حساب اور ضرورت کے وقت ان کی کفایت کا اندازہ رکھتا ہے۔

دفاعی حوالہ سے عصر حاضر میں یہ دیکھنا ضروی ہے، کہ ہمارے جیسے ترقی پذیر ممالک میں دفاع پر بہت زیادہ خرچ کیا جاتا ہے۔ بے شک اسلام نے دفاعی میدان میں اپنے پیرودں کو خوب جنگی تیاری اور طاقت حاصل کرنے کی ترغیب دی ہے، اور نہایت زوردار الفاظ میں فرمایا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

واعدوالهم مااستطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدوالله و عدوكم.(١٦)

(ترجمہ)اور تیار کرو، ان کی لڑائی کے واسطہ جو کچھ جمع کر سکو قوت سے پلے ہوئے گھوڑوں سے کہ ان سے دھاک پڑے، اللہ کے دشمنوں اور تمہارے دشمنوں پر۔

اس آیت خداوندی سے جہاں دفاعی میدان میں نہایت ہی کار آمد ٹیکنالوجی کے حصول کا حکم ملتا ہے، وہاں جنگی اسلحہ میں خود کفالت کا بھی درس ملتا ہے۔ ترھبون به عدوالله کا مقصد بھیک کے چند ہتھیاروں کو خرید کر حاصل کرنا نہیں، بلکہ اس کے لئے تو فنون حربی کے جدید ترین آلات کی صنعت گری اور گوریلا ٹریننگ، جنگی رازوں پر اطلاع پانے کے لئے جدید ترین وسائل حاصل کرنا ضروری ہے، پھر یہ کہ اسلامی ادلہ کی روشنی میں دشمنِ اسلام کا تعین ہو، اسلامی تعلیمات کے حدود کے اندر ان کے ساتھ جائز معاہدات ہوں۔(اگر ریاست اس کی ضرورت محسوس کرے)اور پھر ان معاہدات کی پاسداری بھی ہو۔ ان شرعی امور کی عدم رعایت سے ملک عزیز میں دفاع پر ہمت سے زیادہ خرچ کیا جاتا ہے، جسکی وجہ سے معاشی خوشحالی یہاں میسر نہیں اور نہ جانے ترقی یافتہ ممالک کا یہ داؤ کہ لڑاؤ اور اسلحہ کے لئے خوب سے خوب منڈی کے مواقع بہم پہنچاؤ، کب تک چلتا رہے گا!! ملی بقاء کا احساس زندہ ہو تو مسلمان قوم کبھی رسوا نہیں ہو سکتی، اگر خارجہ پالیساں درست ہوں، مقصد کی عظمت کا احساس ہو جائے، تو ویسے بھی حریف دشمن کو ہمت نہیں رہتی، کہ وہ مسلمانوں پر حملہ آور ہو، مسلمانوں کی ایک روشن تاریخ ہے۔ عباسی دور کا ایک شاعر کہتا ہے۔

اذا ما ارسل الامراء جيشاً　　الى الاعداءِ ارسلنا الكتابا

یعنی ہمارے دھاک کا یہ عالم ہے، کہ جہاں دوسرے حکمرانوں کو مقابلہ کرنے کے لئے لشکر بھیجنا پڑتا ہے، وھاں ہم صرف خط بھیج دیتے ہیں، اور وہی فیصلہ کرنے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ یہ بھی یہ واضح آمر ہے، کہ جہاد کے نتیجہ میں دشمن اسلام کے املاک کی حیثیت مال غنیمت کی ہے، جو کہ ایک بڑا ذریعہ آمدن ہے، اور معیشت پر اس کے دور رس نتائج پڑتے ہیں۔

آپ اپنی تعلیمات میں فوج کے بارے میں جن نکتوں کی طرف خصوصی طور پر اشارہ کرتے

ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں۔

واقامة الحفظة بقدر الضروه فليتنبه اهل لهذه النكه. (١٧)

(ترجمہ) فوج اور انتظامیہ کو بقدر ضرورت رکھا جائے، اس زمانہ کے لوگ ہوشیار ہو کر سیاست کے اس راز کو سمجھیں۔

آپ نے حکومت کی بہتری کے لئے بادشاہوں اور وزراء کے نام جو خطوط لکھے، ان میں دوسری اصلاحی تجاویز کے علاوہ آپ نے فوج کے متعلق یہ بھی تجویز پیش کی ہے۔

آنکه ترتیب افواج بادشاہی به اسلوب شائشته باید کرد. واین ترتیب به سه وجه تواندبود یکے آں که داروغه ہائے متصف بہ سه صفت باشد اول آنکه نجیب باشد دوم آنکه شجاع وشفیق بر ھمراہیاں خود باشد سوم آنکه خیر خواه بادشاه باشد از تہہ دل باشد...سوم آنکه مواجب ایشاں بغیر تعویق بایشاں رسیده باشد زیرا که در صورت تعویق محتاج به قرض سودی مے شود واکثر مال ایشاں ضائع مے شود مفلس وبے چیز باشد (١٨)

(ترجمہ) افواج بادشاہی کی عمدہ طریقے پر ترتیب تین طریقوں سے ہو سکتی ہے۔ ایک یہ کہ حفاظتی دستے ان تین صفات کے حامل ہوں۔ (۱) نجیب و شریف ہوں (۲) بہادر اور اپنے ساتھوں پر مشفق ہوں۔ (۳) تہہ دل سے بادشاہ کے خیر خواہ ہوں۔ دوسری بات۔۔۔۔ تیسری بات یہ، کہ ان ملازموں کی تنخوائیں بغیر تاخیر کے ان کو ملنی چاہیں، اس لیے کہ تاخیر کی صورت میں یہ لوگ سودی قرض لینے پر مجبور ہو جائیں گے، اور ان کا اکثر مال ضائع ہو جائے گا۔

آپ کی مذکورہ نصائح بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ دفاع کے بارے میں آپ کی اس فکر کی اہمیت کا اندازہ اس وقت بخوبی لگایا جا سکتا ہے، آج کوئی ملک بھی ایسا نہیں، جو داخلی و خارجی ہنگاموں سے محفوظ ہو۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

فوج ہی ایک متحدہ قوت ہوتی ہے، جو ہنگامی حالات میں امید کی آخری کرن ثابت ہوتی ہے۔ لہٰذا ملکی نظام کی بقاء اور معاشی استحکام بھی فوج ہی کا مرہون منت ہے، بشرطیکہ یہ اپنے دائرہ کار میں رہے۔

۴: **حسبہ یا احتساب کا ادارہ :۔** حسبة لله یا احتسابا لله کی اصطلاح کتب حدیث میں تکرار کے ساتھ مذکور ہے، نیکی کا کام خالص اللہ تعالیٰ اور صرف اسی سے اجر و ثواب کی نیت سے کی جائے، تو کہا جاتا ہے، یہ کام احتساباً یا حسبة لله ہو الہٰذا اس نسبت سے کسی نیک کام کے بجا نہ کیئے جانے پر یا کسی غلط کام کے کرنے پر نکیر اور اظہار ناپسندیدگی اور سزا حسبہ کہلاتا ہے۔

ایک اعتبار سے ہر مسلمان محتسب کے درجہ پر فائز ہے۔ کہ اچھائیوں پر لوگوں کو ابھارے اور برائیوں سے باز رکھنے کی کوشش کرے۔ انسان کا اپنا ضمیر، گھر کا سربراہ، معاشرہ کا ہر فرد باہمی طور پر اس وظیفہ کو سرانجام رکھنے کی کوشش کرے، لیکن ان سب مرحلوں سے بڑھ کر ریاستی و حکومتی سطح ہے، کہ بزور طاقت آفتاد طبع طبعیتوں کو راہ راست پر لائے، یہ اسلامی ریاست کا مخصوص ادارہ ہے۔ محتسب اس ادارہ کا نگران ہوتا ہے۔ امام غزالیؒ (متوفی ۵۰۵) نے احتساب کی تعریف یوں کی۔

عبارة عن ا لمنع عن منكرٍ لحق اللهصيانةً للممنوعِ عن مقارنةِ المنكر. (١٩)

(ترجمہ) احتساب سے مراد یہ ہے، کہ حقوق اللہ سے متعلق کس منکر یعنی ناپسندیدہ کام کے ارتکاب سے روکا جائے، تاکہ جسے روکا جارہا ہے، وہ اس برائی سے باز رہے۔

(متوفی ۴۵۰ھ) نے احتساب کی تعریف یوں کی۔

هی امر بالمعروف اذاظهر تركه و نهی عن المنكر اذ ظهر فعله. (٢٠)

(ترجمہ) احتساب کا مطلب اچھائی کا حکم دینا جب اس کو چھوڑ دینا عام ہو جائے، اور برائی سے رکنا جبکہ اس کا کھلم کھلا ارتکاب کیا جاتا

عبدالرحمن ابن خلدون متوفی (۸۰۸ھ) کی وضع کردہ تعریف احتساب کے بارے میں یہ ہے۔

هی وظيفة دينة من باب الا مر بالمعروف وانهی عن المنكر. (٢١)

(ترجمہ) یہ ایک دینی وظیفہ ہے، جس کا تعلق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے ہے۔

احتساب صدر اسلام میں :۔ سرکاری سطح پر اس کام کی ضرورت اسلامی ریاست کے آغاز ہی سے محسوس کر لی گئی تھی۔ ابتداءً آپ ﷺ بنفس نفیس اس کام کو انجام دیا کرتے تھے۔ امام مسلمؒ نے حضرت ابوہریرہؓ کے حوالہ سے نقل کیا ہے، کہ ایک بار بازار کا معائنہ فرمانے کے لیے آنحضرت ﷺ تشریف لے گئے، وہاں ایک صاحب گندم فروخت کر رہا تھا۔ گندم کا ڈھیر سامنے لگا ہوا تھا، رسول اللہؐ نے گندم کے ڈھیر میں دست مبارک ڈالا، تو دیکھا کہ نیچے کا گندم گیلا ہے، آپؐ نے فرمایا۔ آئے گندم والے، یہ کیا؟ ان صاحب نے عرض کیا یارسول اللہ بارش میں بھیگ گیا۔ فرمایا اس گیلے گندم کو اوپر کیوں نہیں رکھا۔ جواب دیا پھر کون خریدتا!!

آپؐ نے فرمایا ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ یاد رکھو جو شخص اس طرح کی ملاوٹ کرتا ہے، دھوکہ بازی کرتا ہے، وہ ہم میں سے نہیں۔ (۲۲)

آنحضرت ﷺ کے بعد جب اسلامی ریاست دور دور تک پھیل گئی۔ تو باقاعدہ محتسبین کا قیام عمل میں لایا گیا۔ قرونِ اولیٰ میں یہ ادارہ فعال رہا۔ تاریخ میں کئی امور کے بارے میں اس کی کارکردگی کے واقعات ثبت ہیں۔ سید احمد شہیدؒ نے دور قریب میں جب صوبہ سرحد کے بعض علاقوں میں اسلامی ریاست کی داغ بیل ڈال دی۔ تو انہوں نے جا بجا محتسبین مقرر کیے۔ ملک پاکستان کے سابقہ دساتیر میں اس ادارہ کی گنجائش رکھی گئی تھی۔

۵۔ **رفاہ عامہ کا ارادہ :۔** آپ ایک اور ادارہ شہری زندگی کے لئے لازم قرار دیتے ہیں۔ وہ تحریر فرماتے ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ومن تلك الاشياء سد الثغور واقامة الحصون والاسوار والاسواق وبناء القناطر و كرى الانهار وتزويج اليتمٰى و حفظ اموالهم و قسمة الصدقات علىٰ ذوى الحاجات قسمة التركات فى الورثة ...ويسمى" بالنقابه".(۲۳)

(ترجمہ) (رفاہی کمیٹی) جن رفاہی امور کی پابند ہے، ان میں سرحدات، قلعوں اور دیواروں کی تعمیر، بازاروں، پلوں اور نہروں کی تعمیر و توسیع وغیرہ شامل ہے۔ اس طرح یتیموں کی شادی، ان کی اموال کی حفاظت، حاجت مندوں میں صدقات کی تقسیم، ورثاء میں ترکہ کی شرعی تقسیم اس ادارہ کے فرائض میں شامل ہیں۔ اس رفاہی ادارہ کو "نقابہ" کہتے ہیں۔

تہذیب و تمدن کی موجودہ ترقی نے اس ادارہ کی کارگردگی کو جو وسعت دی ہے، اس کا مشاہدہ خصوصاً بڑے شہروں میں کیا جاسکتا ہے۔ میونسل کمیٹی اور دوسرے مالیاتی رفاہی اداروں ہی سے زندگی کی مشکلات پر قابو پانا ممکن ہوا۔ لہٰذا اس وقت اس کی افادیت اور اچھے اثرات مرتب کرنے کے پیش نظر ان اداروں کی تنصیب اور ریاستی نگرانی کی ضرورت اور بڑھ گئی ہے۔

۶۔ شعبہ تبلیغ وارشاد : آپ فرماتے ہیں کہ متوازن طریق حیات اور دین حق نہایت واضح ہیں جنہیں سلیم العقل انسان آسانی سے قبول کر لیتے ہیں، تاہم فاسد طبیعتوں کے مالک اور خواہشات نفسانی سے مغلوب لوگوں کی تربیت کیلئے ایسے نظام کا موجود ہونا لازمی ہے، جو انہیں بہترین اخلاق کی ترغیب دے اور خاندانی نظام **[Family Systm]** اور باہمی معاشرتی حقوق و فرائض سے آگاہ کرے، آپ اس ادارہ کو "الموعظة والتزكيه" کا نام دیتے ہیں۔(۲۴)

الغرض اس قسم کے اداروں سے کوئی متمدن معاشرہ مستغنی نہیں۔ اسلامی معاشرہ میں جو جماعت یہ کام سرانجام دیتی ہے، قرآن کریم اس کا "وظیفہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" قرار دیتا ہے اور اس جماعت کو خیر امت کے نام سے یاد کرتا ہے۔(۲۵)

آپؒ ان مذکورہ کلیدی اداروں کے علاوہ انتظامی امور میں بہتری پیدا کرنے کی خاطر ایک

خفیہ ادارہ **(Intelligence)** کا وجود بھی لازمی قرار دیتے ہیں۔

مملکت کے عہدے دار : شاہ ولی اللہؒ نے فلاحی مملکت کے کلیدی عہدے داروں اور ان کے ضروری اوصاف کو دلچسپ انداز میں بیان کیا ہے۔ ان کے نزدیک ہر عہدے کے لیے بعض وہبی اور کسبی کمالات کی رورعایت رکھنا ضروری ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں۔

ومن شرط الاعوان الامانةوالقدة علىٰ اقامة مااٰمِروُ به وانقيادهم للملك والنصح له ظاهرا وباطنا وكل من خالف هذه الشريطه فقد استحق العزل فان أهمل الملك عزله فقد خان المدينة وافسد على نفسه امره وينبغى انه لا يتخذ الاعوان ممن يتعذر عزله او ممن له حق على الملك من قرابة.(۲٦)

(ترجمہ) کسی شخص کو حکومت کا کوئی عمل یا خدمت سپرد کرنے کی پہلی شرط یہ ہے، کہ وہ دیانتدار ہو یعنی اس میں فرض کی ادائیگی کا پورا احساس ہو جو فرض اسے سونپا گیا ہو، اسے بطریق احسن انجام دینے کی قدرت رکھتا ہو، وہ حکومت کا تہہ دل سے خیر خواہ ہو، اور اس کی طبیعت میں سرکشی نہ ہو جس شخص میں یہ اوصاف موجود نہ ہوں، وہ معزول کئے جانے کا مستحق ہے۔ لہٰذا اگر بادشاہ نے اسے معزول کرنے میں سستی کی تو یہ مملکت کے ساتھ خیانت کے مترادف ہو گا۔ بادشاہ کو عہدے داروں کے تقرر میں یہ خیال رکھنا چاہیے، کہ کسی ایسے شخص کو عہدہ نہ دے جس کی خیانت یا عدم قابلیت ظاہر ہونے پر اس کو معزول کرنا دشوار ہو؟

خلاصہ یہ ہے، کہ آپ حکومتی مشینری کو چلانے کے لئے متعین کردہ افراد میں دیانت داری اور مناسب اہلیت کو لازم قرار دیتے ہیں۔ وہ حکومت کے کلیدی عہدے یعنی حاکم، قاضی، سپہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

سالار، ناظم مدینہ نقیب اور محتسب کے بارے میں تفصیل سے بتاتے ہیں۔اس کے علاوہ وہ عامل (وزیر مال) کے فرائض و حقوق بڑی وضاحت سے بیان کرتے ہیں۔امام الہند لکھتے ہیں۔

والعامل ولیکن عارفا بکیفیة جبایة الاموال وتفریقها علی المتستحقین. (۲۷)

(ترجمہ) اس کا فرض منصبی یہ ہے، کہ محاصل حکومت کی وصولی کا انتظام کرے، (اور اس کے لئے ضروری ہے کہ اسے مالی امور کا پورا تجربہ ہو) اور وہ اس قابل ہو کہ جو محاصل بیت المال میں جمع ہوں، ان کو مستحقین میں تقسیم کرے۔

آپ کی درج بالا عبارت سے واضح ہے، کہ عامل (**Collector**) اور اس طرح کے عہدے داروں کا اپنے شعبہ جات کے اندر کمال اور مہارت رکھنا ضروری ہے۔ آپ کے بیان کردہ عہدے اس زمانے کی مناسبت سے ہیں۔ورنہ یہ ایک بدیہی امر ہے، کہ ارتقاء تمدن کے ساتھ کئی اور منصب بھی وجود میں آئے، اور ایک منصب کے لئے کئی عہدے داروں کی ضرورت بھی پڑسکتی ہے۔اور کبھی ایک کے شخص کو کئی محکموں کی نگرانی بھی سونپی جاسکتی ہے۔

فصل دوم

شہری حکومت کا مالیاتی نظام : شہری یا قومی حکومت کے مالیاتی نظام کے بارے میں آپ نے ایک قابل عمل خاکہ پیش کیا، اور ساتھ ہی عدل و انصاف کے اصولوں پر کاربند رہنے کی تاکید بھی کی ہے۔ جس کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔

ٹیکسوں کی ضرورت : آپ ٹیکسوں کی ضرورت اور اس کی معقولیت پر یوں بحث کرتے ہیں۔

ولما کا ن الامام واعو انه محصورین علیٰ حوائج القوم وجب ان یکون مئو نةمعاشهم علیٰ المدینة لا نهم اجراء یعلمون العمل النافع لها کمثل سائر

(ترجمہ) چونکہ حاکم اور اس کے معاون قومی امور میں مشغول رہتے ہیں۔اس لئے لازمی ہے، کہ ان کی معاشی ضروریات کا بوجھ شہر پر ڈال دیا جائے اس لیے کہ ان کی

الا جراءِ فاذن لا بدمن حیازه الا موال من المدینه. (۲۸)

حیثیت بھی ان مزدوروں جیسی ہے۔ جو کہ شہر کے لئے محنت سرانجام دے رہے ہوں، پس یہ ضروری ہوا کہ شہر کے لوگوں سے اموال وصول کیے جائیں۔ ٹیکسوں کی آمد وخرچ کے لئے ایک مخصوص جگہ، بیت المال، اور اس کے نظام کار کی وضاحت آپ یوں کرتے ہیں۔

ولیجعل للمال الذی یجبی الیه بیتا تجمع فیه لیکون عدة لنوابنهم . (۲۹)

(ترجمہ) اور حاکم جو مال شہر سے وصول کرلے، اس کو محفوظ رکھنے کے لئے ایک مکان (بیت المال) بنائے تاکہ وہ مصیبت کے وقت کام آسکے۔

وہ وصولی ٹیکس کو یقینی بنانے کے لئے مال آفیسر اور عمال کی کارکردگی کے بارے میں فرماتے ہیں۔

ثم ان الا مام لما کان لا یستطیع بنفسه ان یباشر جبایة الصدقات واخذ العشور وفصل القضاء فی کل ناحیة وجب بعث العمال و القضاة.(۳۰)

(ترجمہ) چونکہ حکمران کے لئے یہ ممکن نہیں، کہ وہ مختلف علاقوں سے صدقوں اور اشیاء تجارت پر درآمدی و برآمدی ٹیکسوں وغیرہ کی آمدنی کی وصولی خود کرے۔ اور وہ علاقے میں جاکر ان کے فیصلے کرے۔ اس لیے ضروری ہے۔ کہ وہ اس کے لئے عمال مقرر کرے۔

ٹیکس جمع کرنے کے اصول : آپ ٹیکسوں کے نظام پر کڑی نظر رکھنے کی تاکید کرتے ہیں۔اور ٹیکس کی وصولی میں عدل وانصاف پر زور دیتے ہیں۔

ولیراع الا مام فی ذلك لعدل ولیجتنب الجور و الاعتساف والمصادرة ولیجعل لذالك سنة تکفی مونة الا عوان ولا تضرهم وذالك یختلف با ختلاف الا شخاص. (۳۱)

(ترجمہ) امام کو اموال کے جمع کرنے میں عدل و انصاف کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ ظلم غصب اور جبر سے پرہیز کرنا چاہیے، اور جمع شدہ اموال کے لئے ایسا طریقہ رائج کرنا چاہیے، جو اس کے معاونین (حکومتی اخراجات) کی ضرورت کے لیے بھی کافی ہو، اور عوام کو بھی ضرر نہ پہنچے۔ اور ان ٹیکسوں کی مقدار

toobaa-elibrary.blogspot.com

مختلف اشخاص واحوال کے پیش نظر مختلف ہو سکتی ہے۔

ٹیکسوں کے جمع کرنے میں رشوت وبد عنوانی کا احتمال غالب رہتا ہے۔ چنانچہ آپ پر زور انداز میں رشوت اور بد عنوانی سے گریز کرنے کی تاکید کرتے ہیں۔ وہ تحریر فرماتے ہیں۔

ثم وجب ان یومر العامل بالتیسر وینھی عن الغلول والرشوۃ وان یومر القوم بالا نقیاد له لیتم المصلحة المقصودة. (۳۲)

(ترجمہ) یہ بات لازمی ہے۔ کہ عامل کو نرمی کا حکم دیا جائے اور اسے خیانت کرنے، یا رشوت خوری سے سختی سے روکا جائے، اور لوگوں کو تاکید کی جائے، کہ عامل کے احکام کے آگے سر تسلیم خم کریں۔ تاکہ مقصود مصالح پورے ہو سکیں۔ منصب کی وجہ سے مطلب برادری کے لئے منصب داروں کو نوازا جاتا ہے۔ یہ دراصل رشوت ہی کا ایک مہذب طریقہ ہے، جو ناجائز ہے، آپ ایک حدیث کا حوالہ دے کر اسے رشوت اور حرام بتاتے ہیں، وہ تحریر فرماتے ہیں۔

وقال النبی ﷺ من استعملنا علیٰ عمل فرزقناہ رزقا فما اخذ بعدذلکفھو غلول. (۳۳)

آنحضرت ﷺ نے اشاد فرمایا، کہ جس شخص کو ہم کسی ملی کام پر عامل مقرر کرتے ہیں۔ اور پھر اس کو قانون اور ضابطے کے مطابق روزینہ دیتے ہیں۔ اس کے بعد اگر وہ خلاف قانون کچھ لے گا، تو وہ حیانت ہے۔

ایک مقام پر آپ محاصلین کی زیادتیوں کو رہزنی سے تعبیر کرتے ہیں۔

واخذ العشور بمنزلة قطع الطریق بل اقبح. (۳٤)

(ترجمہ) عشر و زکوۃ کی وصولی میں زیادتی کرنا، ڈاکہ زنی کے مترادف ہے۔ بلکہ اسے بھی قبیح تر ہے۔

ٹیکسوں کی وصولی میں ظلم پورے معاشرے کو متاثر کرتا ہے۔ اور درجہ بہ دوجہ اس کے مضر اثرات پوری مملکت کی چولیں ہلاکر رکھ دیتے ہیں۔

آپ نے اس ضمن میں اپنے زمانے کی صورتحال کو بلیغ انداز میں پیش کیا ہے، وہ بھاری ٹیکسوں کو معاشی تباہی کا زینہ قرار دیتے ہیں۔ زراعت پیشہ اور صنعت کار پر ٹیکس کا ذکر کرتے

ہوئے۔ آپ یوں تحریر فرماتے ہیں۔

الثانی ضرب الضرائب الثقیلة علیٰ الزراع والتجار المتحرفة والتشدید علیھم حتی یفضی الی اجحاف المطاو عین واستئصالھم والیٰ تمنع اولی بأس شدید وبغیھم. (۳۵)

(ترجمہ) تمدن کی خرابی کی دوسری وجہ یہ ہے۔ کہ زمین داروں، کاشتکاروں اور اہل حرفت پر حکومت نے بھاری ٹیکس لگا رکھے ہیں۔ پھر طرہ یہ ہے، کہ ان کے وصول کرنے میں ان کے ساتھ تشدد کیا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے، کہ فرماں بردار اور مطیع رعیت ان ٹیکسوں کے تلے دبتی جارہی ہے۔ اور ان کی حالت زبوں تر ہوتی جا رہی ہے۔ حتی کہ ایک طبقہ اس تشدد سے تنگ آکر بغاوت پر اتر آتا ہے۔

ایک اور جگہ ٹیکسوں کی مقدار کے بارے میں آپ تحریر فرماتے ہیں۔

انما تصلح المدینه بالجبایة الیسرة واقامة الحفظة بقدر الضرورة. (۳۲)

(ترجمہ) یقیناً شہری زندگی کی بہتری اس میں ہے، کہ ٹیکس کم اور ہلکے ہوں، اور ملازمین (فوج) وغیرہ کی تعداد بقدر ضرورت ہو۔

تخفیف ٹیکس کی حکمت : آپ نے ٹیکسوں کے بارے میں جس نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ ایک ایسا عقدہ لاینحل ہے، کہ آج بھی حکومتوں اور سماج کے درمیان ایک معرکتہ الآراء مسئلہ بنا ہوا ہے۔ آپ کے بقول ٹیکس کم سے کم قابل برداشت **مقدار** میں عائد ہونے چاہیے۔ دراصل مسئلہ یہ ہے، کہ حکومت جب دولت کا بے دریغ استعمال کرتی ہے۔ اور **VIP** کلچر پر کاربند رہتی ہے، تو اس کے اخراجات میں اضافہ ایک لازمی امر بن جاتا ہے، لہٰذا بھاری اخراجات سے عہدہ برا ہونے کے لئے پیداواری ذرائع اور زرعی پیداوار پر بھاری ٹیکس عائد کیے جاتے ہیں، جس سے مہنگائی کا بھوت جنم پاتا ہے، اور عام شہری کی زندگی متاثر ہو جاتی ہے، آپ پیداوار کے ذرائع پر کم سے کم ٹیکس عائد کرنے کے

toobaa-elibrary.blogspot.com

قائل ہیں۔ اس حوصلہ افزاء اقدام سے جہاں اندورن ملک ضروریات زندگی مہیا کرنے میں سہولت ہو گی، وہاں بیرون ملک زر مبادلہ میں اضافہ کے مواقع ہاتھ آئیں گے۔

بیت المال پر بوجھ کم ہو : آپ فرماتے ہیں، کہ حکومت کے مالی نظام کو درست رکھنے کے لئے ضروری ہے، کہ حکومت کے تنخواہ دار طبقہ کو فقط ضرورت کے مطابق رکھنا چاہیے۔ تاکہ وہ مملکت پر بارنہ بنیں اور ان لوگوں پر کڑی نظر رکھنی چاہیے، جو مفت خوری کے عادی ہوں اور حکومت کے دامن سے وابستہ ہو کر حیلوں اور بہانوں سے کمانے کو وطیرہ بناتے ہوں۔

وغالب سبب خراب البلدان فی هذا الزمان شئان احدهما تضیقهم علی بیت المال بان یعتادو ا لتکسب بالاخذ منه علی انهم من الغزاة او من العلماء الذین لهم حق فیه او من الذین جرت عادة الملوك بصلتهم کالزهاد، والشعراء او بوجه من وجوه التکدی.... انما تصلح المدینة بالجبا یة الیسرة واقامة الحفظه بقدر الضرورة. (۳۷)

(ترجمہ) اس زمانے میں ملک کے خرابی اور بربادی کے دو سبب ہیں، ایک بیت المال یعنی ملک کے خزانے پر تنگی، وہ اس طرح کہ لوگوں کو یہ عادت پڑ گئی ہے، کہ کسی محنت کے بغیر خزانے سے روپیہ اس دعوئی سے حاصل کریں کہ وہ سپاہی ہیں، یا عالم ہیں، جن کا حق اس خزانے کی آمدنی میں ہے، یا ان لوگوں میں سے ہے، جن کو بادشاہ خود انعام اور اکرام دیا کرتے ہیں، جیسے زاہد پیشہ ورصوفی اور شاعر۔۔۔یقیناً شہری زندگی کی بہتری اس میں ہے، کہ ٹیکس کم اور ہلکے ہوں، اور ملازمین اور محافظین کی تعداد بقدر ضرورت ہو۔

آپ کے ان افکار سے واضح ہے، کہ ملکی ترقی کے لئے ضروری ہے، کہ ملک کا ہر باشندہ حصول معاش کے لئے کسب کا کوئی طریقہ اختیار کرے۔ مفت خوری کی لعنت سے بچنا ہر شہری کا فرض ہے، دوسری بات یہ سامنے آتی ہے، کہ ملازمین کی تعداد بقدر ضرورت ہو، کیونکہ بے کار رہ کر مفت

خوری کرنا خزانہ پر بوجھ ہے، اسی طرح سرکاری کاموں کے لئے ملازمین کی کثرت بھی خزانہ کے لئے بوجھ ہے، دراصل حکومت کا کام انتظامی اور مجموعی ملکی اداروں کی رفتار پر نظر رکھنا ہے۔ پیداواری ذرائع صنعتی یونٹوں میں مختلف کام کرنے والے افراد کے سپرد کرنا ہی مناسب حال ہے۔ شاید یہی وجہ ہے، کہ ملک عزیز میں نج کاری کو رواج دیا جارہا ہے۔ المختصر آپ ٹیکسوں میں تخفیف اور ملازمین کی تعداد میں کمی کا مشورہ دیتے ہیں۔

ملازمین کی تنخواہیں اور دوسری مراعات : آپ سرکاری ملازمین کی تنخواہوں کے بارے میں بتاتے ہیں۔ تنخواہ اس قدر کم نہ ہو کہ ان میں بددلی پیدا ہو، اور نہ اتنی زیادہ ہو، کہ بیت المال ان کا بوجھ سہارنے سے عاجز ہو جائے۔ وہ ملازمین کے لئے مشاہرے کےعلاوہ دوسری سہولیات کو بھی ریاستی ذمہ داری قرار دیتے ہیں۔

فاذا بعث الامام العامل فی صدقات سنةً فلیجعل له فیهاما یکفی مؤ نته ویفضل فضل یقدر به علیٰ حاجةٍ من هذه الحوائج فان الزائد لا حدله والمنونة بدون زیاده لا یتهیاء لها العامل ولا یرغب فیها. (۳۸)

(ترجمہ) جب کے امام کسی کو سال بھر کے لئے عامل بنا کر بھیجے، تو اس قدر روزینہ مقرر کرے، جو اس کے خرچ کے لئے کافی ہو، اور اس میں اتنی بچت کر سکے، کہ ضروریات زندگی اس سے پوری کر سکے، اس تعین کی ضرورت اس لئے پیش آئی، کہ زاید کی تو کوئی حد نہیں، اور اگر یہ مقدارِ مناسب سے کم ہو، تو عامل اتنے تھوڑے معاوضہ کے لئے کام کرنا پسند نہیں کرے گا۔

اس سے واضح ہے، کہ ملازمین کو حسب حال روزینہ دینا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ ملازمین کے لیے بعض حالات میں اس کے علاوہ دوسری مراعات مثلاً مسکن، خادم اور علاج معالجہ وغیرہ فراہم کرنا بھی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ (۳۹)

toobaa-elibrary.blogspot.com

حاکم کے اخراجات : حاکم اور امام چونکہ اپنے تمام اوقات و صلاحیتیں عوام کی بھلائی کے لیے وقف کر دیتا ہے' اس لئے اسے بیت المال سے اپنی ضروریات پوری کرنے کا حق حاصل ہے' البتہ آپ حاکم کے اخراجات کے لئے ایک قابل عمل فارمولے کی نشان دہی کرتے ہیں' وہ لکھتے ہیں۔

والا حسن ان ينتخب الامام لنفسه مواتا يحييه وصرمة من المواشى يقتنها لا نه ذالك انفع له واقرب الى يساره واسهل على القوم.(٤٠)

(ترجمہ) سربراہ کے لیے بہتر یہ ہے، کہ وہ اپنے اخراجات کے لئے کسی بنجر علاقے کو آباد کرائے اور مویشیوں کی پرورش وافزائش کرے' اور اس کے منافع کو استعمال میں لائے' اس لئے کہ یہ زیادہ نفع بخش ہے، اور سہل الحصول طریقہ ہے، اور قوم پر بھی اس کا بوجھ نہیں پڑے گا۔

آپ نے اس وقت کے اعتبار سے حکومتی اور دوسرے اجتماعی امور میں مصروف افراد کے لئے ایک بہتر ذریعہ معاش کی نشاندہی کی ہے کہ وہ ذاتی مصارف کے لیے حسب حال نجی طور پر ذرائع آمدن کا بندوبست کرے۔ ظاہر بات ہے' اس سے قومی خزانہ پر بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔ اور اس کا خوش گوار اثر پورے معاشرے پر پڑے گا۔

آپ حکومتی مصارف کے سلسلے میں متعدد امور کا ذکر کرتے ہیں، مثلاً رفاہ عامہ کے مختلف کام' پلوں' سڑکوں' سرحدات' اور قلعوں کی تعمیر' صنعت و حرفت اور تجارت میں ترقی کے لئے مناسب اقدامات' اہل مملکت کی تعلیم و تربیت کا انتظام اور پولیس فوج وغیرہ کا انتظام کرنا' اس میں سر فہرست ہیں، ان امور کا تفصیلی تذکرہ اس مقالے کے باب پنجم بعنوان "حکومت کی اقتصادی ذمہ داریاں" کے ذیل میں کیا جائے گا۔ حکومتی آمدن اور اس کے مصارف کا تفصیلی بیان اگلے باب میں آئے گا۔

حواشی

(۱)۔ دھلوی "البدور البازغة" ص ۷۰۔

(۲)۔ دھلوی "حجة اللہ البالغة" ج ۱، ص ۴۴۔

(۳)۔ دھلوی "البدور البازغة" ص ۶۴۔

(۴)۔ حوالہ سابق۔

(۵)۔ امروھوی سید ابو النصر "شاہ ولی اللہ اور ان کی کی بعض علمی خصوصیات" ماھنامہ الفرقان، ص ۳۵۸۔

(۶)۔ دھلوی "حجة اللہ البالغة" ج ۱، ص ۴۴۔

(۷)۔ دھلوی "البدور البازغة" ص ۷۳۔

(۸)۔ الماوردی" الاحکام السلطانیه والولایات الدینیه"

(۹)۔ دھلوی" ازلة الخفاء عن خلافت الخلفاء" سہیل اکیڈمی، لاہور، ۱۹۷۶ء، ج ۱، ص ۲ مقدمہ۔

(۱۰)۔ الماوردی "الاحکام السلطانیه والولایات الدینیه" ص ۷۔

(۱۱)۔ دھلوی "حجة اللہ البالغة" ج ۱، ص ۴۵۔

(۱۲)۔ روزنامہ "نوائے وقت" راولپنڈی، ۱۴ نومبر ۱۹۹۷ء۔

(۱۳)۔ دھلوی "البدور البازغة" ص ۷۱۔

(۱۴)۔ حوالہ سابق۔

(۱۵)۔ حوالہ سابق۔

(۱۶)۔ سورة الانفال آیت نمبر ۶۰۔

(۱۷)۔ دھلوی "حجة اللہ البالغة" ج ۱، ص ۴۵۔

(۱۸)۔ نظامی خلیق احمد "شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات" ادارہ اسلامیات لاہور، ۱۹۷۸ء، ص ۵۔

(۱۹)۔ امام غزالی "احیاء العلوم الدین" مطبوعہ قاہرہ، ج ۲، ص ۳۲۳۔

(۲۰)۔ الماوردی "الاحکام السلطانیه والولایات الدینیه، ص ۲۴۰ (باب العشرون فی الحسبة)

(۲۱)۔ عبد الرحمن ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون، ص ۲۲۵۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۲۲)۔ مسلم صحیح الامام مسلم۔

(۲۳)۔ دھلوی "البدور البازغۃ" ص ۷۱۔

(۲۴)۔ حوالہ سابق۔

(۲۵)۔ سورۃ ال عمران ۳ : ۱۱۰۔

(۲۶)۔ دھلوی "حجۃ اللہ البالغۃ" ج ۱، ص ۳۶۔

(۲۷)۔ حوالہ سابق۔

(۲۸)۔ دھلوی "البدور البازغۃ" ص ۸۵۔

(۲۹)۔ حوالہ سابق۔

(۳۰)۔ دھلوی "حجۃ اللہ البالغۃ" ج ۲، ص ۱۵۰۔

(۳۱)۔ دھلوی "البدور البازغۃ" ج ۱، ص ۸۵۔

(۳۲)۔ دھلوی "حجۃ اللہ البالغۃ" ج ۲، ص ۱۵۰۔

(۳۳)۔ دھلوی "حجۃ اللہ البالغۃ" ج ۲، ص ۱۵۱۔

(۳۴)۔ حوالہ سابق۔

(۳۵)۔ دھلوی "حجۃ اللہ البالغۃ" ج ۱، ص ۴۵۔

(۳۶)۔ حوالہ سابق۔

(۳۷)۔ حوالہ سابق۔

(۳۸)۔ دھلوی "حجۃ اللہ البالغۃ" ج ۲، ص ۱۵۱۔

(۳۹)۔ حوالہ سابق۔

(۴۰)۔ دھلوی "البدور البازغۃ" ص ۸۵۔

باب چہارم

ارتفاق چہارم

toobaa-elibrary.blogspot.com

ارتفاق چہارم

(خلافت کبریٰ اور اس کا مالیاتی نظام)

آپ کے نزدیک انسانی تمدن کی ترقی و عروج کا مظہر بین الاقوامی خلافت ہے، جس کا مقصد کرہ ارضی پر عدل وانصاف اور اطاعت الٰہی کی عمومی فضاء پیدا کرنا ہے۔ شاہ صاحب ایسی خلافت کو نعمت عظمیٰ قرار دیتے ہیں۔ آپ نے اپنی کتب میں ایسی خلافت کے خدوخال اور لوازم بیان کئے ہیں، وہ اسے الارتفاق الرابع،، یعنی 'تہذیب انسانی کی بلند ترین منزل) کے عنوان سے یاد کرتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں۔

وهى الحكمة الباحثة عن سياسة حكام المدن وملوكها وكيفية حفظ الربط الواقع بين اهل الأقاليم وذلك أنه لما انفرد كل ملك بمدينته وجبى الأموال إليه وانضم إليه الإبطال أوجب إختلاف أمزاجتهم وتشتت استعداداتهم أ ن يكون فيهم الجور وترك سنة الراشده..فلما كثر ذلك فى الملوك إضطروا إلى الخليفة وهو من حصل له العساكر والعدد مايرى كالممتنع ان يسلب رجل اخر ملكه.(۱)

ارتفاق رابع مدینہ کا ایک شعبہ ہے، جس میں مختلف (قومی وشہری) حکومتوں کے درمیان بہتر طریقے پر تعلقات قائم رکھنے کے مسائل پیش کی جاتی ہے، بات یہ ہے کہ جب ہر ایک صوبہ میں جداگانہ حکومت ہو اور ہر ایک کے ذرائع آمدن، بیت المال اور دفائی افواج مختلف ہوں، تو ان کے مزاجوں، ذہنیتوں اور ان کے افکار وخیالات کا اختلاف اس بات کا موجب ہوتا ہے، کہ ان کی آراء وافکار میں تصادم پیدا ہو، اور سنت راشدہ سے انحراف اور ظلم وجور ظہور میں آئیں، جب ان فسادات کی انتہاء نہ رہی تو ایک خلیفہ کی ضرورت

محسوس ہوئی جس کے پاس اتنی فوج اور قوت ہو کہ صوبائی حکومتوں کے لئے اس کی طاقت کا اسانی سے مقابلہ کرنا ناممکن نظر آئے۔

مذکورہ بالا عبارت سے خلافت کبریٰ کی تشکیل اور اس کی ضرورت واہمیت پر روشنی پڑتی ہے، خلافت ایک بڑی ذمہ داری ہے، جسے ہر شخص کے سپرد نہیں کیا جاسکتا۔ شاہ صاحب نے اپنی کتب میں ملکی سربراہ کو : خلیفہ : جیسے مقتدر نام سے یاد کرکے اس کی ذمہ داری اور مرتبہ کی طرف اشارہ فرمایا اور خلیفہ کی اطاعت کو واجب قرار دیتے ہیں۔ شاہ صاحب کا کہنا ہے کہ احادیث۔۔۔ ، میں خلیفہ کو اس لیے ڈھال" سے تشبیہ دی گئی ہے، کہ وہ ملت کے حقوق کی پاسبانی کرتا ہے اور وہ مسلمانوں کے لئے مرکز اتحاد ہوتا ہے۔ شرائطِ خلافت کے فقدان کی صورت میں شاہ صاحب خلیفہ کی معزولی میں عجلت سے کام لینے کو ناپسند کرتے ہیں الا یہ کہ وہ کفر صریح کا مرتکب ہو جائے۔ شرائط خلافت اور اس کے انتخابات کے طرق کے بارے میں گذشتہ صفحات میں تفصیل دیکھی جاسکتی ہے۔ ارتفاق رابع تمدنی منزل کی انتہائی منزل ہے، جس میں بین الاقوامیت کا رنگ نمایاں ہوتا ہے، تاریخ کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اب تک کبھی تو چنگیز خان اور نپولین جیسے افراد کے غلبے سے بین الاقوامی اجتماعات پیدا ہوتے رہے ہیں، جن کی بنیاد استبداد پر تھی۔ فاروق اعظمؓ اور عثمان غنیؓ جیسے بزرگوں نے بین الاقوامی اجتماعات پیدا کیے ہیں جن کی بنیاد خدمت انسانیت اور عدل پر تھی۔ ارتفاق رابع میں حصول زر کے ذرائع یہ ہیں۔

خلافت کبریٰ کی مالی مدات

حکومت الہیہ کے لئے معاشی لوازمات کو بروئے کار لانے کے لئے سرکاری خزانہ "بیت المال" کا قیام ضروری ہے۔ شاہ صاحب اس کی مدات آمدنی اور اس کے مصارف اپنی کتب میں بیان کرتے ہیں۔ آپ کی نظر میں ریاستی ذرائع آمدن درج ذیل ہیں۔

۱: غیر مملوکہ زمین اور معدنیات

مملکت کی تمام غیر مملوکہ زمین، معادن ظاہرہ، غیر مملوکہ چراگاہیں اور چشمے وغیرہ جس طرح افراد کے انفرادی استعمال کے لئے مباح ہیں، اسی طرح حکومت انہیں اجتماعی مفادات کے لئے

toobaa-elibrary.blogspot.com

استعمال کر سکتی ہے، آپ اس ضمن میں ایک حدیث نقل کر کے بتاتے ہیں، کہ ایسی زمینیں حکومت کی املاک ہیں، جن کا مالک نامعلوم ہو، وہ حدیث درج ذیل ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم عادی الارض للہ و رسولہ ثم ھی لکم منی۔ (۲)	(ترجمہ) رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے، عادی زمینیں اللہ اور رسول ﷺ کی ہیں پھر وہ میری طرف سے تمہاری ہیں۔

زمین بنیادی ذریعہ پیداوار ہے اس لئے اس کے منافع کو محدود ومختص کرنے کے سلسلے میں کڑی نظر رکھنے کی ضرورت ہے، املاک آراضی کے حوالے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ فیصلہ ملحوظ رکھنا چاہئے، جوانہوں نے عراق کی آراضی کے متعلق کیا تھا، جس کی قدرے وضاحت یہ ہے۔

جب ملک عراق فتح ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمان بھیجا کہ یہ آراضی مسلمانوں میں تقسیم نہ کی جائے، بلکہ عراقی کاشتکاروں کے پاس ہی رہنے دی جائے۔ حضرت اگر یہ فیصلہ نہ فرماتے تو اسلام کے ذریعہ دنیا میں بدترین جاگیرداری نظام رائج ہو جاتا، کیوں کہ ان فوجیوں کی تعداد چند ہزار سے زیادہ نہ تھی۔

دوسری طرف، مدینہ کے بعض اہل رائے ایسے تھے، جو تقسیم آراضی کے حق میں تھے عرصے تک بحث ہوتی رہی، بالآخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قرآن حکیم سے استدلال سوجھ گیا، جس کا مطلب یہ تھا کہ یہ آراضی ان لوگوں کے لئے بھی ہیں، جو بعد میں آئیں گے اس لئے فاروق اعظمؓ نے فیصلہ فرمایا کہ یہ آراضی تقسیم نہیں ہونی چاہئیں، چنانچہ سب اہل رائے نے اتفاق کر کے عراق اور شام کی آراضی کو ناقابل تقسیم قرار دیا اور ان کی آمدنی بیت المال کے لئے وقف ہو کر غرباء ومساکین کے لئے مقرر کر دی گئی۔ (۳)

اس واقعہ سے آراضی کو حسب ضرورت قومی املاک بنانے پر استدلال کیا جاسکتا ہے پاکستانی آراضی جو خراجی ہیں، ان کے اندر پائے جانے والے معادن کے املاک کے بارے میں شرعی حکم وقانون یہ ہے۔

لا شك أن المعدن الظاهر الذى لايحتاج إلى كثير عمل اقطاعه لواحد من المسلمين أضراربهم وتضييق عليهم (٤)	(ترجمہ) یہ ایک صاف بات ہے کہ جو کانیں معدن ظاہرہ ہیں، ان کی درآمد میں زیادہ محنت کی ضرورت پیش نہیں آتی، ان کا کسی ایک مسلمان کو بخش دینا عامۃ المسلمین کی ضرورت میں تنگی اور مضرت کا باعث ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ معادن ظاہرہ قومی بیت المال کا ذریعہ آمدن ہیں، اور انہیں شخصی املاک میں دینا سماج پر ظلم اور تنگی کا بھی باعث ہے۔ معادن ظاہرہ کو شخصی املاک میں دینے سے متعلق بعض احادیث میں ممانعت آئی ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں ہے، آپ علیہ السلام نے ابیض بن حمال ماربی کو نمک کی ایک کان نجی ملکیت میں دیدی تھی، مصالح عامہ کے پیش نظر آپ علیہ السلام نے وہ کان واپس لے کر قومی ملکیت قرار دی۔

حکومت معادن ظاہرہ کی طرح مباح الاصل اشیاء مثلاً ہوا، پانی، روشنی کی مالک ہے، اگر وہ انہیں جدید انداز سے استعمال میں لائے تو ان کے منافع ریاست ہی کے لئے مختص ہوں گے۔ (۵)

آراضی پاکستان کے بارے میں یہ امر توجہ طلب ہے، کہ فقہ حنفی کی رو سے یہاں کی جملہ آراضی،، خراجی،، کے حکم میں ہیں، نہ کہ عشری۔ اس طور پر ملک کے جملہ آراضی کے کاشت کار براہ راست اس ملک کے مزارع ہونگے، اور اُن کا خراج براہ راست خزانہ عامرہ میں جمع ہوگا۔

ب: فئی اور غنائم۔

یہ ریاست کی آمدن کے وہ ذرائع ہیں، جو جہاد اور غلبہ اسلام کے نتیجہ میں حاصل ہوتے ہیں۔ ان کے بارے میں شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

"اگر کفار مسلمانوں سے مغلوب ہوئے بغیر اپنا مال چھوڑ جائیں اور جنگ کی نوبت نہ آئے تو یہ اموال فئی کہلاتا ہے، اور جو اموال باقاعدہ جنگ اور قتال کی مشقتیں برداشت کرنے کے بعد حاصل ہوں، انہیں اموال غنیمت کہتے ہیں۔ (۶)

درج بالا اقتباس کا حاصل یہ ہے کہ اموال فئی اور غنیمت بھی اسلامی ریاست کے ذرائع

toobaa-elibrary.blogspot.com

آمدن میں شمار ہیں۔ بین الاقوامی حد بندیوں سے جہاں اسلامی سرحدات میں اضافہ رک گیا، وہاں فئی اور غنائم جیسے قومی آمدنی سے محرومی کا سامنا ہوا۔

ج: خراج اور جزیہ۔

خراج اس کرایہ کا نام ہے، جو اسلامی حکومت اس مملوکہ زمین پر وصول کرتی ہے، جو غیر مسلموں سے فوجی کشمکش کے نتیجہ میں اسلامی اقتدار کے تحت آگئی ہو، اور وہ پھر انہیں کے قبضہ میں رہنے دی جائے، لہٰذا یہ زمین کو کفار کے قبضہ میں رکھنے کا کرایہ ہے۔

جزیہ وہ ٹیکس ہے، جو اسلامی ریاست کے اندر رہنے والے ذمیوں سے ان کی جان و مال کی حفاظت کے صلہ میں وصول کیا جاتا ہے۔ یہ صرف ان اہل کتاب مردوں پر لگایا جاتا ہے جو فوجی خدمات بجالانے کے قابل ہوں بچے، بوڑھے، معذور، عورتیں اور مذہبی پیشوا اس سے مستثنیٰ ہیں (۷)

خراج اور جزیہ کی مقدار کے تعین میں شاہ صاحب کی رائے یہ ہے کہ یہ حکومت کی صوابدید پر ہے، اور یہ کہ اس کی شرح تبدیلیٔ وقت و افراد کے لحاظ سے تبدیل ہو سکتی ہے۔ خلفاء راشدین کے زمانے میں ہر آسودہ حال شخص سے ۴۸ درہم سالانہ، متوسط الحال سے ۲۴ درہم سالانہ، اور نادار آدمی سے ۱۲ درہم سالانہ وصول کئے جاتے تھے۔

د: غیر ملکی تجارتی ٹیکس (عشور) وغیرہ۔

غیر ملکی سامان تجارت پر ٹیکس بھی ریاست کے ذرائع آمدن میں سے ہے۔ بقول شاہ ولی اللہ تجارت کا سلسلہ دوسرے ملکوں کے ساتھ آزادانہ ہو ایک تو اس سے ملکوں کے درمیان اجناس کا تبادلہ عمل میں آتا ہے دوسرا غیر مسلم تاجروں کے اموال تجارت پر ٹیکس (کسٹم ڈیوٹی) لگا کر بیت المال کی آمدنی میں اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ مسلمانوں کے اموال تجارت سے بھی چالیسواں حصہ لیا جائے گا، جبکہ ذمی سے بیسواں اور حربی کے مال سے دسواں حصہ لیا جائے گا۔ اشخاص کی نوعیت کے اعتبار سے یہ ٹیکس بدلتا رہتا ہے۔ چونکہ مذکورہ شرح کسی نص کی بنیاد پر نہیں، اس لئے اس میں کمی بیشی ہو سکتی ہے، جس میں ظاہر ہے درآمد برآمد کا توازن اور عالمی منڈی کے اتار چڑھاؤ کو دخل حاصل ہے، حضرت عمر و حضرت عمر بن عبدالعزیز (رضی اللہ عنہما) کے زمانے میں بھی یہی دستور رہا۔ (۸)

ہ: اوقاف۔

یہ بھی اسلامی حکومت کے ذرائع آمدن میں سے ہے۔ تاریخ اسلام میں مسلمانوں کی اجتماعی ترقی میں اموال اوقاف کو نمایاں مقام حاصل رہا ہے۔ فقہی اصطلاح میں اس سے مراد اموال منقولہ یا غیر منقولہ کو ذاتی ملکیت سے نکال کر ان کی ذات یا منافع کو فی سبیل اللہ کر دینا ہے، اسلامی حکومتوں میں یہ بھی ذریعہ آمدن رہا ہے۔ اس کے بہتر نظم سے معیشت کو استحکام بخشا جا سکتا ہے۔

و: خمس۔

جنگ کے بعد مال غنیمت کا پانچواں حصہ سرکاری خزانے میں داخل کیا جاتا ہے۔ اور باقی ۴/۵ یعنی بقیہ چار حصے اس جنگ میں شریک مجاہدوں، سوار کے لئے دو حصے اور پیادہ کے لئے ایک حصے کے حساب سے تقسیم کیا جاتا تھا۔ اس طرح معادن ظاہرہ سے بھی حاصل شدہ منافع کا پانچواں حصہ سرکاری خزانے میں جمع کیا جائے گا۔ (۹)

ز: لقطہ اور لاوارث اموال۔

لقطہ سے مراد وہ گرے پڑے اموال ہیں، جن کے مالک معلوم نہ ہوں۔ اس طرح وہ اموال جن کے مالک مرجائیں اور ان کا کوئی وارث نہ رہے۔ یہ بھی بیت المال کی آمدن ہے۔

امام الہند تحریر فرماتے ہیں۔

نوع هو المال الذى زالت عنه يدمالكه كتركة الميت لا وارث له وضوال من البهائم لا مالك لها و لقطة اخذها اعوان بيت المال و عرفت فلم يعرف لمن هى؟ وامثال ذالک و من حقه ان يصرف الى منافع المشتركة مما ليس فيها تمليک لاحد (۱۰)

(ترجمہ) ایک قسم کے اموال وہ ہیں جو مالک کے قبضہ سے نکل جائیں، جیسے میت کا ترکہ جس کا کوئی وارث موجود نہ ہو اور وہ مویشی جن کے مالکوں کا کچھ پتہ نہ چل سکے اور وہ گری پڑی چیزیں جنہیں بیت المال کے محافظین نے اٹھالیا، ہو اور ان کی تشہیر کی گئی ہو، مگر یہ معلوم نہ ہو سکے کہ ان کے مالک کون ہیں، ان جیسے اموال کو مسلمانوں کے مشترکہ منافع پر خرچ کیا جائے گا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

مرقومۃ الصدر بیان سے واضح ہے کہ لفظ بیت المال کا حق ہے، بیت المال کے ان جیسے ذرائع آمدن کے بارے میں ایک اصولی بات جس کا اطلاق ہر نوع کے مال پر ہوتا ہے، یہ ہے کہ وہ مال جو مسلمانوں کا حق ہو، لیکن اس کا ملک متعین نہ ہو وہ بیت المال کا حصہ ہے۔ علامہ ماوردیؒ کا بھی یہی موقف ہے۔(۱۱)

و:۔صدقات، زکواۃ وعشر۔

صدقات واجبہ وزکواۃ بیت المال کو مرکز مان کر غرباء کی حاجت براری کا منظم طریقہ ہے، یہ معاشرے میں گردش دولت کا بھی پائیدار ذریعہ ہے، اور عبادت بھی۔ اللہ تعالی نے چار قسم کے اموال میں زکواۃ فرض فرمائی ہے۔

۱۔چوپائے، جانور اونٹ، گائے، بکری وغیرہ

۲۔سونا چاندی اور نقدی وغیرہ۔

۳۔اموال تجارت جس کی تجارت شرعاً جائز ہو۔

۴۔زمین سے حاصل ہونے والی پیداوار، غلہ، پھل، معدنیات، دفینے وغیرہ اموال کے ان چاروں اقسام کی تفصیل یہ ہے۔

مویشیوں پر زکواۃ فرض ہونے کی دو شرطیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ نصاب کو پہنچنے کے بعد ان پر سال گذر جائے، دوسری یہ کہ ان کی پرورش سارا سال یا سال کے اکثر حصے میں جنگلوں یا پہاڑوں یا سبزے کے میدانوں میں چرانے سے ہوئی ہو۔ اگر زیادہ انحصار چرانے پر ہو لیکن کبھی کبھار گھر پر بھی چارا ڈالا جائے تو زکواۃ میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اونٹوں، گائے بھینس، بکریوں کی پوری تفصیل کتب فقہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

مال کی دوسری قسم جس میں زکواۃ فرض ہے۔ سونا چاندی اور نقدی ہے۔ سونا چاندی اور نقدی میں زکواۃ اس وقت فرض ہو جاتا ہے۔ جب یہ "خاص مقدار" کو پہنچ جائے۔ خاص مقدار سے مراد اس کے نصاب کو پہنچنا ہے۔ نقدین سونا چاندی کے نصاب کے بارے میں ایک حدیث میں ہے۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ روایت کرتے ہیں۔ کہ نبی ﷺ نے فرمایا "جب تمھارے پاس دو سو درہم ہوں اور ان پر سال گزر جائے تو ان میں پانچ درہم ہیں اور تم پر کچھ لازم نہیں جب تک تمھارے پاس بیس دینار یعنی سونے میں سے نہ ہوں جب تمھارے پاس بیس دینار ہوں اور ان پر سال گذر جائے تو ان میں نصف دینار ہے، پھر جو زیادہ ہو،

وہ اس کے حساب سے ہوگا"

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ سونے چاندی اور نقدی کی زکواۃ کے لئے دو شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ چاندی دو سو درہم اور سونا بیس دینار یا اس سے زیادہ ہو، دوسری یہ کہ اس پر سال گذر چکا ہو تب اس میں سے چالیسواں حصہ یعنی اڑھائی فی صد زکواۃ فرض ہوگی۔ واضح ہو کہ دو سو درہم کی مقدار کے متعلق پاک و ہند کے علماء میں مشہور یہی ہے کہ وہ ساڑھے باون تولے چاندی کے برابر ہیں۔ جو گراموں کے لحاظ 611 گرام بنتے ہیں اور بیس دینار ساڑھے سات تولے سونا کے برابر ہیں جو تقریباً سوا ستاسی 87.27 گرام بنتے ہیں۔

رسول ﷺ کے زمانے میں بیس دینار اور دو سو درھم کی قیمت تقریباً برابر تھی، آج کل جب اجناس مختلفہ مثلاً سونا چاندی اور نقد کرنسی کسی کے پاس میسر آجائے تو مذکورہ دو نصاب میں کم مقدار کی نصاب تک پہنچنا جس میں فقراء کا فائدہ ہو، وجوب زکواۃ کیلئے کافی ہے۔

مال کی تیسری قسم جس میں زکواۃ فرض ہے، وہ تجارت کا مال ہے۔ اس میں بڑی صنعتوں اور کارخانوں سے حاصل شدہ پیداوار پر ڈھائی فی صد کے حساب سے زکواۃ واجب ہے یہ حکومت کے بڑے ذرائع آمدن سے ہے۔ اس ضمن میں حکم خداوندی ہے۔

یا یھا الذین امنوا انفقو امن طیبات ما کسبتم (سورۃ بقرۃ: ۲٦۷)

زکواۃ کی چوتھی قسم زمین کی پیداوار سے متعلق ہے۔ اگر زمین نہر یا ٹیوب ویل سے سیراب ہو رہی ہے۔ اور اس میں محنت اور سرمایہ زیادہ درکار ہو، تو اس میں نصف عشر 1/20 کے حساب سے واجب ہے وگرنہ عشر یعنی دسواں واجب ہے۔

مذکورہ مدات آمدن کے علاوہ ملکی مصالح کی غرض سے حکومت کو یہ بھی اختیار حاصل ہے، کہ ہنگامی حالات میں امراء پر حسب حال واجبات عائد کرے۔ تاکہ ملکی ضروریات پوری ہوں اور ملک ہر قسم کے بحران سے محفوظ ہو۔ اسے فقہی اصطلاح میں "ضرائب" سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس ضمن میں اصل یہ ہے، کہ جب دفاع اور نظم مملکت کی ضروریات اور فقراء کی احتیاجات مندرجہ بالا مدوں سے پوری نہ ہو رہی ہوں، خاص کر ہنگامی حالات جیسے زمانہ جنگ یا قحط سالی بے روزگاری یا کسی اور عمومی دباؤ وغیرہ کی صورت میں تو حکومت کو اغنیاء پر ٹیکس لگانے کا پورا اختیار حاصل ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ریاست کے مصارف۔

قرآن عزیز نے مصارف بیت المال کے بارے میں اجمالی طور پر بتایا ہے، تاہم فقہاء اسلام نے محاصل بیت المال کو چار مختلف "بیوت اموال" میں تقسیم کر کے تفصیل پیش کی ہے۔ یہ چار شعبے جو مرکزی بیت المال کے تحت تشکیل پاتے ہیں، درج ذیل ہیں۔

۱۔ مال غنیمت، خمس اور صدقات وغیرہ۔

۲۔ زکواۃ، عشر اور مسلمانوں تاجروں سے وصول شدہ عشور۔

۳۔ خراج، جزیہ اور غیر مسلم تجار سے وصول شدہ اموال وضرائب۔

۴۔ اموال فاضلہ یعنی لاوارث مال۔

ان میں سے پہلے شعبوں (۲،۱) کے مصارف "مصارف ثمانیہ" جن کو قرآن عزیز نے یوں بیان کیا ہے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّ قَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ط فَرِيضَةً مِنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ. (۱۲)

(ترجمہ) زکواۃ وصدقات حق ہے، مفلسوں اور محتاجوں کا اور زکواۃ کے کام پر جانے والوں کا اور جن کا دل پر چانا منظور ہے، اور گردنوں کے چھڑانے میں اور جو تاوان بھریں اور اللہ کے راستے میں مجاہدین ہیں اور مسافروں کیلئے ہیں۔ یہ ٹھہرایا ہے، اللہ کا اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔

اس آیت مذکور میں تقسیم زکواۃ کی مدات کو بیان کیا گیا ہے، اور یہ تعین خود باری تعالی نے فرمایا ہے، جو فقراء، مساکین عاملین، مولفۃ القلوب، وفی الرقاب، غارمین، وفی سبیل اللہ وابن السبیل پر مشتمل ہیں۔

تیسرے شعبہ کے مصارف میں ہر قسم کے وظائف اور شعبہ ہائے حکومت کے انتظامات کے اخراجات ہیں اور چوتھے شعبہ کے مصارف، رفاہ عامہ (پبلک ورکس)، لاوارث بچوں کو پرورش اور دیگر امور خیر کے لئے مختص ہیں۔

فقہاء نے یہ بھی تصریح کردی ہے، کہ خلیفہ مصالح خلافت کے پیش نظر بوقت ضرورت ایک شعبہ

سے دوسرے شعبہ کے لئے قرض لے سکتا ہے، اور جب تک اس دوسرے شعبہ میں وافر آمدنی نہ ہو، دوسرے شعبوں سے اس شعبہ کی ضروری کفالت کر سکتا ہے، در مختار میں ہے۔

وعلی الامام ان یجعل لکل نوع بخصہ ولہ ان یستقرض من احدھما لیصرفہ الاخر (۱۳)

ترجمہ) امام کے لئے ضروری ہے کہ ہر نوع کے لئے جدا بیت المال کا شعبہ مخصوص کرے، اور اس کے لئے یہ ہے کہ ایک شعبہ سے قرض لے کر دوسرے شعبہ پر خرچ کرے۔

بیت المال کے مصارف کے ضمن دو انواع معین طور پر متشکل ہو کر سامنے آتے ہیں۔

(۱) زکواۃ وعشر، جن کی آمدنی کے مصارف مخصوص ہیں اور اولی الامر کو اس معاملہ میں محافظ کے مرتبہ پر رکھا گیا ہے۔ (۲) خراج، ضرائب اور فئی جیسے محاصل ہیں، جو شوریٰ کے مشورے سے مصالح مملکت اور مستحقین کی ضرورت کے پیش نظر خرچ کئے جاتے ہیں، مصارف کے ضمن میں نازل ہونے والی ما افاء اللہ علی رسولہ الخ جیسی آیات کا مطالعہ کر کے حضرت عمر مصارف کی جامعیت کا اعتراف کرتے ہیں۔

ولما قرا عمرؓ ھذہ الایات (ما افاء اللہ علی رسولہ الخ) قال استوعبت المسلمین فیصرفہ (امام) الی الاھم فالاھم لینظر فی ذالک الی مصالح المسلمین لا مصلحۃ خاصۃ بہ. (۱۴)

(ترجمہ) اور جب حضرت عمرؓ نے یہ آیات پڑھیں، تو فرمایا یہ تو تمام مسلمانوں کا احاطہ کئے ہوئے ہیں، پس امام درجہ بدرجہ اہمیت کے لحاظ سے خرچ کریں اور اس میں مسلمانوں کی مصلحت دیکھے نہ کہ مخصوص ومحدود مصلحت کو دیکھتا ہے۔

شاہ صاحب مصارفِ بیت المال کے بارے میں اصولی امر کو بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں

۔وارادا لشرع ان یوزع بیت المال المجتمع فی کل بلاد علی مایلائمھا (۱۵)

ترجمہ شریعت یہ چاہتی ہے کہ بیت المال میں جو کچھ ہے اس کو ہر علاقے کے لوگوں پر مناسب حال طریقے سے تقسیم کیا جائے

شاہ صاحب اس اصل کا منشاء یہ ہے، کہ بیت المال کی آمدنی کے استعمال میں مصالح عامہ کو پیش نظر رکھا جائے، پھر یہ بھی کہ جس قدر آمدن کسی علاقہ سے ہو، اس قدر اس پر خرچ کرنا چاہیے۔ عدل کا بھی یہی تقاضا ہے۔ خلافت کی ان مذکورہ مدات آمدن ومصارف کو بیان کرنے کے بعد اس سے متعلق دیگر مباحث کو خلافت کی اقتصادی ذمہ داریاں کے ذیل میں ذکر کیا جائے گا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حواشی

(۱)۔ دھلوی، حجۃ اللہ البالغہ، ج ۱، ص ۴۷، (باب الارتفاق الرابع)

(۲)۔ دھلوی، حجۃ اللہ البالغہ، ۲، ص ۱۰۳،

(۳)۔ دھلوی ''ازالۃ الخفاء عن خلافت الخلفاء'' مقصد دوم، ص ۸۹

(۴)۔ دھلوی، حجۃ اللہ البالغہ، ج ۲، ص ۱۰۴۔

(۵)۔ حوالہ سابق

(۶)۔ دھلوی، حجۃ اللہ البالغہ، ج ۲، ص ۱۷۶ (مبحث الجہاد)

(۷)۔ الماوردی علی بن محمد حبیب ابوالحسن ''الاحکام السلطانیہ و الولایات الدینہ'' مطبوعہ کابل ص ۱۴۴

(۸)۔ ابوعبیدہ، کتاب الاموال، ج ۲، ص ۳۰۰

(۹)۔ حوالہ سابق

(۱۰) دھلوی، حجۃ اللہ البالغہ، ج ۲، ص ۵۴

(۱۱) الماوردی علی بن محمد حبیب ابوالحسن ''الاحکام السلطانیہ و الولایات الدینہ'' مطبوعہ کابل، ص ۱۰۰،

(۱۲) سورۃ التوبہ: ۶۰۔

(۱۳) علاؤالدین محمد امین ابن عابدین ''ردالمحتار علی الدر المختار'' مطبوعہ بولاق، مصر، ج ۳، ص ۳۸۸۔

(۱۴) دھلوی، حجۃ اللہ البالغہ، ج ۲، ص ۱۷۷

(۱۵) حوالہ سابق

باب پنجم

خلافت کبریٰ
کی
اقتصادی ذمہ داریاں

toobaa-elibrary.blogspot.com

ریاست کی اقتصادی ذمہ داریاں

شاہ صاحب نے اپنی کتاب ؛ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء؛ میں خلافت کی جو تعریف (۱) کی ہے، اس کی روشنی میں ریاست پر جو معاشی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، ان کو مطالعہ کی غرض سے درج ذیل عنوانات کے تحت تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱: کفالت عامہ۔
۲: معاشی استحکام کا اہتمام۔
۳: تقسیم دولت کے تفاوت کو کم کرنا۔

۱: کفالت عامہ: یہ ایک مسلم حقیقت ہے، کہ کسی ملک کا نظامِ سلطنت جس قدر مضبوط اور اس ملک کے باشندوں کی ضروریات کا کفیل ہوگا، اس قدر وہ پائیدار اور موجب احترام ہوگا، اس ملک میں امن ہوگا اور قانون کی بالادستی ہوگی۔ اسلامی نظام حکومت کے سامنے یہی نقطہ سرفہرست ہے۔ اسلام انسان کے لازمی حقوق کے تحفظ کے بارے میں ریاست کو پابند کرتا ہے۔ کہ وہ ان کے تکمیل کے بارے میں کوشش کرے۔ معاش کے حوالے سے انسان خود روزی کے جائز ذرائیعوں میں سے کسی ذریعہ کو اپنائے تاہم معاشرے میں ایسے افراد نکل آتے ہیں، جو کسی عارض کی وجہ سے معاشی دوڑ میں پیچھے رہ جاتے ہیں، ایسے افراد کی معاونت و کفالت لازمی ہے۔ سرمایہ دارانہ ذہنیت یہ بات پیدا کرتی ہے کہ ہر شخص کی دولت صرف اسی کے لئے ہے اور معاشی دوڑ میں جو پیچھے رہ جائے اور جو گر جائے اس سے فنا ہو جانا چاہئے، اسلام اس ذہنیت کی نفی کرتا ہے، وہ کہتا ہے کہ جو کچھ تم کماتے ہو وہ صرف تمہاری محنتوں کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اس میں فطرت کی بے شمار قوتیں شریک کار ہیں، لہٰذا اپنی آمدنی میں معاشرے کے کمزوروں، ناداروں، غرباء کو حق دینا لازمی ہے، اسلام نظام زکوٰۃ کے ذریعے سے معیشت کو صحت مند بنیادوں پر استوار کرتا ہے اور اس میں "امداد باہمی" کی روح کو جاری وساری کرتا ہے۔ امام الہندؒ تشریع زکوٰۃ کے اس فلسفے کو یوں بیان کرتے ہیں۔

مصلحة ترجع الى المدينة وهى ا نها تجمع لا محالة الضعفاء و ذوى الحاجة وتلك الحوادث تغدو على قوم وتروح على الآخرين فلولم تكن السنة بينهم مواسات الفقراء ــــ ـــــــ .. واهل الحاجات لهلكوا وماتوا جوعاً والانفاقات المشتركة لا تسهل على البعض او لايقدر عليها البعض فوجب ان تكون جباية الاموال من الرعية سنة.(۲)

(ترجمہ) دوسری مصلحت زکوٰۃ جس کا مآل نظام مدنیت کا بہتر طریقہ پر قیام ہے، اس کی تشریح یہ ہے کہ مدنیت خواہ کتنے ہی چھوٹے پیمانے پر ہو، کمزور، اپاہج، محتاج اور غریب و مسکین افراد اس میں موجود ہوتے ہیں، نیز حوادث اور آفات سماوی و ارضی کا نشانہ ہر قوم کسی نہ کسی صورت میں بنتی رہتی ہے، بنا بر آں اگر اس بات کا التزام نہ ہو کہ غریبوں، مسکینوں اور ارباب حاجت کی دستگیری کی جائے، تو اس کا نتیجہ قوم کی ہلاکت ہوگا، اس قسم کے واجبات جو قوم کی مشترکہ اغراض کے لیے ان پر عائد کیے جاتے ہیں، چونکہ ان کا باقاعدہ ادا کرنا بعض کے نزدیک دشوار اور بعض کے نزدیک ناممکن ہوتا ہے، اس لیے یہ ضروری قرار پایا، کہ ان کی وصولی کا اہتمام حکومت خود کرے۔

شاہ صاحب کی اس فکر انگیز عبارت کا حاصل یہ ہے، کہ ریاست اس بات کی ذمہ دار ہے، کہ اس کی حدود میں رہنے والا کوئی فرد خواہ اس کی وجہ بے روزگاری ہو، یا فقر ہو یا معذوری ہو، بنیادی معاشی ضروریات سے محروم نہ ہو، آپ کی نظر میں بھوک، پیاس اور دوسری بنیادی ضروریات کی تکمیل کے لیے حکومت پر زکوٰۃ کی وصولی لازمی ہے، تاکہ سب کی کفالت آسانی سے ہو، اس اعتبار سے زکوٰۃ تدبیر کفالت (**Security scheme**) کی ایک بہتر شکل ہے۔ اسلامی حکومت کا یہ ایک مستقل فنڈ ہے، جو وہ اس کو اپنے مصارف میں خرچ کرے گی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

آپ ریاست کو اس بات کا ذمہ دار قرار نہیں دیتے، کہ وہ ہر شخص کو اس کی ضروریات کی تکمیل کرنے کے لیے اشیاء و خدمات پہنچاتی رہی، بلکہ آپ کا منشاء یہ ہے، کہ ریاست کا عمومی نظام اس طرح ہونا چاہیے، کہ ریاست کے افراد اپنی بنیادی ضروریات کو حاصل کرنے میں مشکلات سے دوچار نہ ہوں، ہاں اگر کوئی فرد ان انتظامات کے باوجود اس حال میں پایا جائے، کہ وہ اپنی بنیادی ضروریات کی تکمیل سے قاصر رہ جائے، تو ریاست اس بات کی ذمہ دار ہے، کہ اس کی مناسب اعانت کرے، ھنگامی حالات میں حاجت مندوں کی ضروریات کو پورا کرنا شریعت میں ترجیحی بنیادوں پر حل کئے گئے ہیں۔ ایسے حالات میں ریاست اغنیاء کے اموال میں تصرف کا بھی حق رکھتی ہے۔ یہ تصرف مشاورت سے ہو، اس ضمن میں بعض فقہاء کے اقوال نقل کیے جاتے ہیں، اگر قحط کا زمانہ ہو جس میں سب لوگ بھوکے ہوں، تو اغنیاء پر ان لوگوں کی کفالت فرض کفایہ ہے۔ ابو بکر جصاصؒ لکھتے ہیں۔

ان المفروض اخراجه هو الزكاة الا ان تحدث امور توجب المواسات والا عطاء، نحوا لعارى المضطر والعارى او ميت ليس له من يكفنه الخ .(۳)

(ترجمہ)۔ زکوۃ کا جو حصہ نکالنا مالک کے ذمہ واجب ہے، وہ زکوۃ ہی ہے، الا یہ کہ ایسے امور پیش آجائیں، جو غم خواری اور دینے کو واجب کردیں، مثلاً کوئی بھوکا مجبوری کی حالت میں پیش آئے، یا ننگا مجبور یا میت ہو جس کے کفن کا انتظام نہ ہو،

اسطرح امام غزالیؒ تحریر فرماتے ہیں۔

اذا اصاب المسلمين قحط او جدب واشرف على الهلاك جمع فعلى الاغنياء يسد مجاعتهم و يكون فرضاً على الكفايه(٤)

ترجمہ۔ جب مسلمانوں کو قحط یا خشک سالی کا سامنا ہو اور لوگ ہلاکت کے کنارے پہنچ جائیں، تو مال دار لوگوں کی یہ ذمہ داری ہے، کہ وہ بھوک کا انتظام کرے۔ اور یہ ان پر فرض کفایہ ہے۔

شافعی مذہب کے مشہور عالم علامہ رملیؒ دفع ضرر عن المسلمین کے ذیل میں ریاست اور اغنیاء دونوں کو مسئول قرار دیتے ہیں، وہ تحریر فرماتے ہیں۔

ودفع ضرر المسلمين واهل الذمة ككسوة عار مايستر عورته او يغشى بدنه مما يستر واطعام جايع اذالم يندفع ذالك الضرر بزكاة و سهم المصالح من بيت المال لعدم شيء فيه اولمنع متوليه و لو ظلماً.. . ومنه يوخذ انه لوسئل قادر فى دفع ضرر لم يجز له الا متناع وان كان هناك قادر آخر.(٥)

(ترجمہ) اور مسلمانوں اور ذمیوں سے ضرر دفع کرنا اسلامی ریاست اور اغنیاء کی ذمہ داری ہے، مثلاً کسی ننگے کو اتنا لباس دینا جس سے وہ ستر عورت کر سکے، یا اپنے بدن کو مضرات اثرات سے بچا سکے اور بھوکے کو کھانا کھلانا، جب کہ یہ ضرر زکواۃ سے اور بیت المال کے مصالح عامہ کی مد سے دور نہ ہو سکتا ہو، یا تو اس لیے کہ بیت المال میں کچھ موجود نہ ہو، یا اس کا منتظم ظلم کر کے ادا نہ کرتا ہو، اسی سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اگر کوئی شخص جو اس ضرر کو دفع کرنے پر قادر ہو تو مطالبہ کی صورت میں اس کا انکار جائز نہیں، خواہ دوسرا شخص بھی دفع ضرر کے لئے موجود ہو۔

ان بالا واقعات سے ثابت ہے، کہ ھنگامی حالات میں ریاستی اختیارات بڑھ جاتے ہیں، ایسے حالات میں ریاست کسی بھی شخص کی ملکیت میں مناسب انداز میں تصرف کر سکتی ہے۔ یوں ذاتی املاک کا تصور ماند پڑ جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی ارشاد سے بھی یہ اشارہ ملتا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

قال ﷺ من كان معه فضل ظهر فليعدبه على من لاظهر له ومن كان له فضل زاد فليعدبه على من زاد له فذكر من اصناف المال حتى رائنا انه لا حق لا حد منا فى فضل وانما رغب فى ذالك اشد ترغيب لانهم كانوا فى الجهاد وكانت بالمسلمين حاجة واجتمع فيه السماحة واقامة نظام الملة وابقاء مهج المسلمين .(٦)

ترجمہ ۔ حضور ﷺ نے فرمایا، جس کے پاس زائد سواری ہو، وہ اس شخص کو دے دے، جس کے پاس کوئی سواری نہیں، اور جس کے پاس زائد کھانا ہو وہ اس کو دے دے جس کے پاس کھانا نہیں، اس طرح آپ ﷺ نے مال کی کئی اقسام کا ذکر کیا، حتیٰ کہ ہم (صحابہؓ) نے سمجھ لیا، کہ ہمیں اپنے زائد از ضرورت اموال میں کوئی حق نہیں، (شاہ صاحب اس حدیث پر بحث کرتے ہیں) کہ آپ ﷺ نے انفاقِ مال کی شدید ترغیب اس لیے دی کہ مسلمان جہاد میں مصروف تھے، اور مسلمانوں کو شدید حاجت درپیش تھی، اور اس عمل میں نظام ملت کے قیام اور مسلمانوں کی بقاء کا راز مضمر تھا۔

قصہ کوتاہ معاشرے کے محروم المعیشت افراد کی کفالت کرنا ریاستی ذمہ داری ہے، البتہ دوسرے کفالتی اداروں کو بھی اس ضمن میں شریک کیا جاسکتا ہے۔ خیر القرون میں زائد از ضرورت اموال کو راہ خدا میں خرچ کرنے کے لئے ترغیبی کلمات کافی سمجھے جاتے تھے، آج جبکہ ہوسِ مال کا جذبہ غیر معمولی طور پر شدت اختیار کر گیا ہے، آیا وہی ترغیبی کلمات کافی سمجھے جائیں گے، یا اس میں شدت اختیار کی جاسکتی ہے۔ یہ ایک غور طلب سوال ہے۔

معذوروں کی کفالت۔

آپ اسوۂ خلفاء راشدین سے استدلال کرتے ہوئے، معذور اور بیمار افراد کے علاج و خدمت

کو بھی ریاست کی ذمہ داریوں میں سے شمار کرتے ہیں، چنانچہ وہ، حضرت عمرؓ کی رعایا پر شفقت و محبت کو بیان کرتے ہوئے ایک واقعہ یوں نقل کرتے ہیں۔

كان عمر بن الخطابؓ يطعم الناس فى المدينة وهو يطوف عليهم بيده عصاء فمر بر جل يا كل بشماله فقال يا عبدالله كل بيمينك؟ قال يا عبد الله انها مشغلولة ثلاث مرات، قال وما شغلها؟ اصبت يوم موته! قال (راوى) فجلس عنده عمر رضى الله عنه يبكى فجعل يقول له من يوضيك؟ من يغسل راسك وثيابك؟ من يصنع كذا و كذا؟ فدعاله بخادم وامر براحلة وطعام ما يصلحة وما ينبغى له .(٧)

(ترجمہ) حضرت عمرؓ مدینہ میں لوگوں کو کھانا کھلایا کرتے تھے، اور مدینے میں عصاء لیے پھرا کرتے تھے، اتفاق سے ایک روز ایک شخص پر آپ کا گزر ہوا جو بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا، آپؓ نے اس سے فرمایا کہ دائیں ہاتھ سے کھاؤ؟ اس نے کہا میرا دایاں ہاتھ مشغول ہے، تین مرتبہ یہ بات چیت ہوئی، پھر آپؓ نے اس سے پوچھا کہ تمہارا دایاں ہاتھ کس شغل میں ہے، اس نے عرض کیا، کہ غزوہ موتہ میں ماؤف ہو گیا ہے، حضرت عمرؓ جا کر اس کے پاس بیٹھ گئے، اور آبدیدہ ہو کر کہنے لگے، کون تمہیں وضو کراتا ہو گا؟ کون تمہارا سر دھوتا ہو گا؟ کون تمہارے کپڑے دھوتا ہو گا؟ غرض اس قسم کے بہت سے امور کا آپؓ نے ذکر کیا، اور اس کے لئے ایک خادم مقرر کر دیا، ایک سواری مقرر کر دی، اور دیگر ضروریات خورد و نوش کا بندوبست کیا۔

آپ نے سیرت عمرؓ کے حوالہ سے جو واقعہ نقل کیا ہے، اگر اس کی روح کو وسعت دی جائے تو ریاست ایسے ادارے قائم کر سکتی ہے، جو معذور، اندھے، بہرے اور مختلف امراض میں مبتلاء افراد کے لئے مناسب روزگار، دیکھ بھال اور علاج کا فریضہ سرانجام دیں۔ (۸)

معاشی استحکام کا اہتمام

کفالت عامہ کی طرح اجتماعی معاشی استحکام کا اہتمام بھی ریاست کے فرائض میں شامل ہے۔ دراصل ریاست کی اجتماعی ترقی مختلف شعبہ ہائے حیات کی بہتر کارکردگی اور استحکام سے عبارت ہے، اس

toobaa-elibrary.blogspot.com

ضمن میں وہ کلیدی عوامل جن پر ارتقاء معیشت کا مدار ہے، شاہ صاحب کی نظر میں درج ذیل ہیں۔

ا۔ زراعت اور صنعت کی حواصلہ افزائی

ان الذراع بمنز لة الطعام والصناع والتجار والحفظه بمنز لة الملح المصلح.(۹)

ترجمہ۔ حقیقت ہے کہ زارعت تو بنیادی خوراک کے درجے میں ہے، جبکہ صنعت، تجارت، دفاع خوراک میں نمک جو ذائقہ دار کرتی ہے کے مرتبہ پر ہے۔

آپ زراعت اور صنعت کی ترقی کیلئے مناسب اقدامات کرنا ریاست کی ذمہ داری قرار دیتے ہیں، اس ضمن میں اہل اختیار کو افتادہ زمینوں کی آباد کاری، آبپاشی کے نظام میں بہتری پیدا کرنے اور کیڑے مار دواوں کے استعمال کے بارے میں مناسب احکامات جاری کرنے کے بارے میں بتاتے ہیں۔

و منه انتشار السباع الضارية والهوام الموذية فيجب السعى فى افناء ها. (۱۰)

(ترجمہ) مضرات شہر میں سے یہ بھی ہے، کہ نقصان دہ درندے اور کیڑے مکوڑے شہر میں پھیل جائیں، تو ان کو مٹانے کی جدوجہد ضروری ہے۔

اس سے واضح ہے، کہ شہری تمدن کی ترقی پر اثر انداز ہونے والی ہر چیز سے بچاؤ ریاستی ذمہ داری ہے۔ اس طرح آبپاشی کے نظام کو بہتر بنانے کی ریاستی ذمہ داری کا تذکرہ کرتے ہوئے شاہ صاحب لکھتے ہیں۔

و منه حفر الآبار واستنباط العيون و تهيئة السفن على سواحل الانها ر. (۱۱)

(ترجمہ) حکومت کی ذمہ داری ہے، کہ وہ کنویں کھدوالے چشمے کھلوانے ... کا انتظام کرے اور ساحل سمندر اور دریاؤں کے کنارے پر رسد و رسائل کے لئے کشتیوں وغیرہ کو مہیا کرے۔

افتادہ زمینوں کی آباد کاری کے بارے میں آپ حکومت کو پابند کرتے ہیں، کہ وہ کسانوں کو زمینوں کی آباد کاری کی ترغیب دے۔

وحمل الذراع على ان لا يتر كوا ارضاً مهملة (۱۲)

(ترجمہ) کسانوں کو اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ وہ کسی قطعہ زمین کو خالی اور بے کار نہ چھوڑیں۔

مذکورۃ الصدر بیانات سے واضح ہے، کہ زرعی ترقی کے لئے آبپاشی کے نظام کو بہتر بنانے اور افتادہ آراضی کے آباد کرنے کو کلیدی اہمیت حاصل ہے۔ اس طرح پیداوار کو نقصان پہنچانے والے ہر قسم کے مضر اثرات سے بچاؤ کے لیے حفاظتی تدابیر اختیار کرنا ایک معقول امر ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے، کہ شاہ صاحب کے ان اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے حکومت عمل کرائے تاکہ شرح پیداوار میں ممکن اضافہ ہو۔

زرعی ترقی دراصل زمینوں کی آباد کاری سے عبارت ہے۔ دین فطرت نے زمین کی آبادی کے حوالہ سے پر زور انداز سے ترغیب دی ہے، ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

اشهد ان ﷺ قضى ان الارض ارض الله والعباد عبادالله ومن احياء مواتا فهو احق بها جاء نا هذا عن النبى ﷺ الذين جاوا بالصلوة (۱۳)

ترجمہ۔ میں گواہی دیتا ہوں، کہ رسول ﷺ نے یہ فیصلہ فرمایا، کہ زمین اللہ کی ہے، اور بندے بھی اللہ کے ہیں، اور جو شخص کسی مردہ زمین کو آباد کرے، وہ اس کا زیادہ حق دار ہے۔ ہمیں آنحضرت ﷺ کا فیصلہ ان لوگوں نے پہنچایا ہے، جنہوں نے آپ سے نمازوں کا حکم ہم تک پہنچایا ہے۔

ان جیسی روایات جنہیں شاہ ولی اللہ بھی اپنی کتب میں نقل کرتے ہیں، واضح ہے، کہ زمین اللہ تعالی کی ملکیت ہے، جو شخص کسی بنجر و غیر آباد زمین کو اپنی محنت سے آباد کرتا ہے، تو وہ شخص اس خطہ ارضی کا ترجیحی حق پا کر مالک بن جاتا ہے۔

یہاں احیاء موات کے ضمن میں یہ ذکر کرنا مناسب ہے، کہ حضور ﷺ کے زمانے میں

toobaa-elibrary.blogspot.com

مدینہ منورہ زرعی معیشت والا خطہ تھا، جہاں سب سے بڑے عامل کی حیثیت ، پیدائش آراضی کو حاصل تھی۔ چنانچہ آپ علیہ السلام نے لوگوں کو زمین کاشت کرنے کی ترغیب دی ، جن مردہ زمینوں کا کوئی مالک نہ رہا ہو، یا جن کے مالک لاپتہ ہوں، ان کے بارے میں قانون نافذ کیا گیا کہ جو بھی ان کو آباد کرے گا، وہ ان کا مالک قرار پائے گا۔ اس طرح اس بات کی ممانعت کی گئی، کہ لوگ محض حد بندی کر کے زمین کو روک رکھیں۔ حضرت عمرؓ نے اس کے لئے زیادہ سے زیادہ مدت تین سال مقرر کی تھی کہ اگر کوئی تین سال کے اندر زمین آباد نہیں کرتا، تو اس کا حق ملکیت سوخت ہو جائے گا۔ (۱۴)

عصر حاضر میں احیاء اموات کی اہمیت

عصر حاضر میں 'احیا موات' کی اہمیت اس طرح اجاگر ہو کر سامنے آتی ہے کہ جدید سائنسی آلات نے عظیم ریگستانوں، برف سے ڈھکے ہوئے علاقوں اور زیر سمندر زمین کو مفید استعمال میں لانے کی راہیں کھول دی ہیں۔ اس وقت ملک عزیز میں تازہ اعداد و شمار کے مطابق ۲۰ء۳۳ ملین ایکڑ رقبہ زیر کاشت ہے، جبکہ ۸۰ء۱۰۰ ملین ایکڑ قابل کاشت آراضی بنجر پڑی ہوئی ہے۔ (۱۵) گویا کہ قابل کاشت زمین میں ایک تہائی زمین بے کار پڑی ہے، اور احیاء کی محتاج ہے، ظاہر بات ہے، آراضی کے اس قدر احیاء سے ملکی معیشت میں تبدیلی آسکتی ہے۔ لہذا ریاست کو اس ذمہ داری سے عہدہ براہونا ہے۔

احیاء اموات کے تصور کی بنیاد پر ایک اجتہاد

دور حاضر میں 'احیاء اموات' کے تصور کو مدنظر رکھتے ہوئے، یہ اجتہاد کیا جا سکتا ہے، کہ شریعت کا منشاء یہ ہے کہ کسی وسیلہ پیدائش کو بے کار نہ چھوڑا جائے۔ چنانچہ تمام صنعت کاروں کو مجبور کیا جا سکتا ہے، کہ وہ اپنی فیکٹریاں پوری گنجائش پر چلائیں، جو مالکان ایسا نہ کر سکتے ہوں، ان سے ان کی صنعتیں معاوضہ دے کر سرکاری ملکیت قرار دی جا سکتی ہیں۔ یہ بھی قانون سازی کی جا سکتی ہے کہ ایک خاص مدت تک ایک فیکٹری بے کار رکھنے کے بعد حکومت کو حق حاصل ہو گا، کہ اگر وہ مناسب سمجھے تو اسے قومیالے۔

۲۔ صنعت کاروں کی حوصلہ افزائی

شاہ صاحب صنعت کاروں کے بارے میں یوں تحریر فرماتے ہیں۔

"اہل صنعت کے لئے ایسی ترغیبات اور آلات پیدا کیے جائیں کہ وہ پختہ صنعتوں کو فروغ دیں اور انہیں بہتر سے بہتر بنائیں"۔

امام الہندؒ صنعت کاروں کو آلات و اوزار سے لیس دیکھنا چاہتے ہیں کہ وہ ایسے صنعتکار کو، جس کے پاس اپنے فن کے آلات مہیا نہیں، مفلس قرار دیتے ہیں۔

فمن کان کا سبا با لحرفة فهو معذور حتی یجد آلات الحرفة ومن کان زارعاً حتی یجد آلات الزرع. (١٦)

ترجمہ۔ جو شخص صنعت و حرفت کے ذریعہ روزی کماتا ہے، اس وقت تک معذور اور قابل اعانت ہے، جب تک کہ وہ آلاتِ حرفت حاصل نہ کرے، اسطرح کاشت کار قابل اعانت ہے، جب تک کہ وہ کیھتی باڑی کے آلات حاصل نہ کرے۔

شاہ صاحب کے ان افکار سے صنعتوں اور فیکٹریوں کے قیام کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ اس وقت متمدن قوموں کی جہاں اور ضروریات وجود میں آئیں، وہاں صنعتوں کا قیام بھی ایک ضرورت بن گئی ہے، ان کی مدد سے خام مال کو انسانی حوائج کے رفع کرنے کے لئے کار آمد بنایا جاتا ہے، آج جہاں کہیں مشینری کا استعمال نہیں وہاں قومیں معاشی دوڑ میں پیچھے رہ گئی ہیں، جہاں تک فیکٹریوں کے قیام سے بے روزگاری کے مسئلہ کا تعلق ہے، کہ اس طریق پیداوار سے انسانی سوسائٹی میں بے روزگاری گھر کر لیتی ہے، پھر یہی بے روزگاری انسان کی مادی روحانی اخلاقی اور تمدنی زندگی کے بے شمار پیچیدہ مسائل کو جنم دیتی ہے، اس کا حل یہ نہیں کہ مشینی طاقت کو یکسر چھوڑ دیا جائے، بلکہ اس کا حل یہی ممکن ہے، کہ مشین کے استعمال کے ساتھ ساتھ گھریلوں صنعتوں کو بھی فروغ بخشا جائے، تاکہ ملکی آبادی کا معتدبہ حصہ گھریلو صنعتوں کو اپنا ذریعہ معاش بنائے۔ یہی وجہ ہے کہ شاہ صاحب نے گھریلو اور چھوٹی صنعتوں کو اپنانے پر زور دیا ہے۔

۳۔ تاجر کی حوصلہ افزائی۔

تجارت کا تمدنی ارتقاء میں نمایاں مقام رہا ہے، کسی خطہ میں تجار اس وقت سرمایہ کاری

toobaa-elibrary.blogspot.com

(Investment) کرنے کے لئے تیار ہوتے ہیں، جب کہ وہ خطہ خلفشار سے محفوظ اور امن کا گہوارہ ہو۔ شاہ صاحب اس ضمن میں تحریر فرماتے ہیں۔

ومنه حمل التجار على الميرة بتانيسهم وتاليفهم وتوصية اهل البلدان يحسنوا المعاملة مع الغرباء فان ذالك يفتح باب كثرة ورودِهم. (۱۷)

ترجمہ۔ حکومت کے فرائض میں یہ بھی ہے، کہ وہ تاجروں کو ہر طرح کی سہولت فراہم کرے، کہ وہ باہر سے اجناس لائیں، اس طرح اہل شہر کو تاکید کی جائے، کہ وہ باہر سے آئے ہوئے تاجروں کی آؤ بھگت اور خدمت کریں۔ ان طریقوں سے تاجروں اور سیاحوں کے راستے کھل جاتے ہیں۔

مذکورۃ الصدر بیان سے اس بات کی عکاسی ہوتی ہے، کہ عصر حاضر میں بھی بیرونی کمپنیاں اس وقت تک کسی خطے میں اپنا سرمایہ نہیں لگاتیں، جب تک کہ وہ خطہ مامون و محفوظ نہ ہو، وہاں سیاسی استحکام اور بین الاقوامی معاہدات کی پاسداری ہو، غرض ملکی فضاء بیرونی اندونی ہر طرح خلفشار سے محفوظ ہو۔

۴۔ فلاحی عمارتوں اور مواصلات کی تعمیر و ترقی

معاشی ترقی کے لیے مواصلات، گوداموں اور منڈیوں کا وجود ایک امر ظاہر ہے، شاہ صاحب ریاست کو ان وسائل کی فراہمی کے لیے پابند کرتے ہیں۔

ومن باب كمال الحفظ بناء الابنية التى يشتر كون فى الانتفاع بها كالا سوار والربط والحصون والثغور والا سواق والقناطر و منه حفر الآبار واستنباط العيون وتهيئة السفن علىٰ سواحل الانها ر. (۱۸)

ترجمہ۔ حکومت کا فرض ہے کہ وہ ایسی تعمیرات پر توجہ دے، جن کا تعلق رفاہ عامہ سے ہو، مثلاً شہر پناہ، فصیل کا تعمیر کرنا، شہر میں اہل شہر کی ضرورت کے لئے بازار کا ہونا مسافروں کے لئے ہر شہر میں مہمان سرائے (ہوٹل) تعمیر کرنا، جہاں پانی کی کمی ہو وہاں ، ———

کنواں کھدوانا اور پانی کا انتظام کرنا دریاؤں پر پلوں کی تعمیر کرنا یا اگر ایسا نہ ہو تو گھاٹ پر ، کشتیوں کی مناسب تعداد کا موجود رہنا از حد ضروری اور ریاستی ذمہ داری ہے۔

ملک کی معاشی ترقی کے لیے جن معاون امور کی نشان دہی گئی ہے، آج معیشت کا مسئلہ پیچ در پیچ مراحل میں داخل ہونے کے باوجود ان امور سے مستغنی نہ رہا، لہٰذا ارباب اقتدار کو معاون معاشی سہولیات کو مطابق حال بنانا اور ان کی رو رعایت رکھنا ضروری ہے، تاکہ معاشی استحکام ہو۔

۵۔ تسعیر یعنی نرخوں پر نظر

بھاؤ یا نرخ طبعی قوانین و حالات کے تابع ہو یا ریاست کے کنٹرول میں، اس ضمن میں شاہ صاحب آنحضرت ﷺ کی حدیث پیش کر کے بتاتے ہیں، حدیث درج ذیل ہے۔

وقيل قد غلا السعر، فسعر لنا فقال عليه السلام ان اللهتعالىٰ هو المسعر هو القابض الباسط الرازقُ وانى لارجو ان القى اللهتعالىٰ وليس لى احديطلبنى بمظلمةِ. (۱۹)

(ترجمہ) لوگوں نے ایک مرتبہ حضور ﷺ سے عرض کیا کہ نرخ چڑھ گئے ہیں، اس لیے آپ ہمارے لیے نرخ مقرر فرمادیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ ہی نرخ مقرر کرنے والا ہے، وہی قابض، وہی باسط وہی رازق ہے، اور میں چاہتا ہوں کہ میں اپنے اللہ سے اس حالت میں ملاقات کروں، کہ مجھ سے کوئی اپنے حق کا طالب نہ ہو۔

اس حدیث کی غرض کا اشارہ ایک اور اثر سے ملتا ہے، ارشاد ہے۔ دعوالناس یرزق اللہبعضھم بعضاً. کہ لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دو، تاکہ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں سے بعض کو روزی پہنچاتا رہے۔

نقل کردہ حدیث سے واضح ہے، کہ مارکیٹ کو اس کے طبعی قوانین کے تابع رکھا جائے، تاکہ طلب و رسد (Dimand and Supply) کی بنیاد پر منڈی میں قیمتوں کا تعین ہو سکے، طلب و رسد کی آزادانہ پالیسی ہی سے ذرائع کی تخصیص، طریقہ پیدائش کا انتخاب اور قومی آمدنی کی تقسیم آپ ہی آپ ہو

toobaa-elibrary.blogspot.com

جاتی ہے۔شاید شاہ صاحب کی ذکر کردہ حدیث سے ان کا مطلب آزاد تجارتی منڈی کی حمایت ہو۔ آنحضرت ﷺ نے قیمتوں کے تعین میں مداخلت کو ظلم سے تعبیر فرمایا ہے۔

تاہم حاتم بن ابی بلتعہؓ کا واقعہ جو احادیث میں مذکور ہے، اور جس کو شاہ صاحب نے بھی اپنی کتاب؛ازلۃالخفاء عن خلافۃ الخلفاء؛ میں نقل کیا ہے، کہ حاتم بن ابی بلتعہؓ زبیب کے بھرے ہوئے تھیلے بازار میں فروخت کر رہا تھا، کہ خلیفہ وقت حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا، کس بھاؤ فروخت کر رہے ہو؟ انہوں نے جواب میں کہا، فی درہم۔ آپ نے فرمایا کہ مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ طائف سے ایک قافلہ آیا ہے جو زبیب بھر کر لایا وہ بھی یہی نرخ کہتے ہیں، جو تم کہتے ہو، سو یا تو نرخ بڑھاؤ ورنہ زبیب اٹھا کر اپنے گھر چلے جاؤ۔ پھر جب حضرت عمرؓ نے اپنے نفس کا محاسبہ کیا تو حاتمؓ کے پاس آکر فرمانے لگے، میں نے جو تم سے کہا تھا، کوئی حکم یا فیصلہ کے طور پر نہیں کہا تھا، بلکہ اہل شہر کی خیر خواہی کے ارادہ سے کہا تھا۔(۲۰)

لہذا اس واقعہ سے حکومت کا نرخوں پر اثر انداز ہونا ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ اس کی حیثیت آئینی و قانونی نہیں تھی، جیسا کہ مذکورہ اثر کے اخیر جملہ سے یہی مترشح ہے، البتہ ریاست کے اختیارات بھاؤ کے تعین میں اس قدر ضروری ہیں، کہ منافع خور تاجروں کے ناجائز استحصال سے سماج کو بچایا جاسکے۔ نرخوں پر کنٹرول و عدم کنٹرول کے معاملے میں حکومتی اختیارات کے بارے میں فقہاء کرام کا ایک قاعدہ ہے۔ یتحمل الضرر الخاص لاجل رفع الضرر العام (ترجمہ) ضرر عام دور کرنے کے لیے ضرر خاص قابل برداشت ہے۔ اس کے ذیل میں کئی جزیات متفرع کیے جاتے ہیں، مثلاً گرانی کے زمانہ میں نرخ بندی کی جاسکتی ہے، اور اس طرح تاجروں کو من مانے دام وصول کرنے سے روک دیا جاسکتا ہے۔

دراصل اس ضمن میں اس حکمت باری کو ملحوظ رکھنا چاہیے، کہ اللہ تعالٰی نے دنیا میں تمام چیزوں کو جوڑا جوڑا پیدا فرمایا، پھر ان جوڑوں کو وظائف میں ہم آہنگ کیا، اس میں یہ سبق ہے، کہ ایک مثالی معاشرے میں تمام عمرانی سماجی، اور معاشی عوامل کو اس طرح منظم ہو کر ہم آہنگی سے کام کرنا چاہیے کہ تشریع کا کام اس سے قائم ہو جائے مثال کے طور پر صاحب ثروت اور مزدور، زمیندار اور

کاشت کار، آجر اور آجیر، صارف و صنعت کار، بایع و مشتری، فرد اور ریاست یہ تمام ایسے جوڑے ہیں جن میں مختلف افراد کے مفادات میں ہم آہنگی پیدا کرنا اسلامی ریاست کا بنیادی فرض ہے تاکہ ان تمام جوڑوں میں ''تعاون باہمی'' کا رنگ غالب ہو، اس فقدان کی صورت میں ریاست کو نرخوں کی تعین کے بارے میں اختیار حاصل ہے۔ یہ اس لیے بھی کہ عالمی مارکیٹ میں کرنسی کے قدر و استحکام کے لیے یہ اختیار ناگریز ہے۔

۶۔ تعلیم

تعلیم ہی وہ شعبہ ہے جس پر افراد ملت کے معاش و معاد کا مدار ہے۔ شاہ صاحب افراد معاشرہ کے لیے علوم کی دونوں اقسام مادی واخروی کے حصول پر زور دیتے ہیں۔ وہ اس ضمن میں تحریر فرماتے ہیں۔

ثم لاله بد من تعليم العلوم النافعه فی معاشه ومعاده (۲۱)

(ترجمہ) مفید علوم خواہ ان کا تعلق مادی امور سے ہو یا اخروی زندگی سے حاصل کرنا ضروری ہیں۔

شاہ صاحب مملکت کی مرکزی سطح پر شیخ الاسلام کے عہدے کا وجود لازمی قرار دیتے ہیں۔ جس کی نگرانی میں ایک جماعت ہو جو ارشاد و تلقین کا فریضہ ادا کر سکے۔ بنیادی تعلیم کے لیے وہ ہر شہر میں اساتذہ کے تعین اور مدرسہ کے قیام کو ریاستی ذمہ داری قرار دیتے ہیں وہ رقمطراز ہیں۔

واحياء علوم الدين كند بنفس خود قدرے كه ميسر شود مقرر سازد مدرسين درهربلدى چنانچه حضرت عمرؓ عبد الله ابن مسعودؓ راباجماعته كوفه نشاندو معقل بن يسارؓ عبد اللهؓ ابن معقل بر بصره فرستاد (۲۲)

(ترجمہ) اور خلیفہ پر واجب ہے کہ جس قدر ہو سکے علوم دینیہ کو قائم رکھے، اور ہر شہر میں مدرسین کو مقرر کرے جیسا کہ حضرت عمرؓ نے عبد اللہ ابن مسعودؓ کو صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ کوفہ میں مقرر کیا اور معقل بن یسارؓ اور عبد اللہ ابن معقلؓ کو تعلیم و تدریس کے لیے بصرہ بھیجا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ان ارشادات سے واضح ہے۔ کہ دینی تعلیم کا اہتمام حکومتی ذمہ داری ہے۔ دنیاوی امور کی تعلیم کے لیے مملکت میں ایک ایسے کلیدی عہدے کا وجود ضروری ہے جس کا سربراہ ممتاز دانشور ہو، اور مختلف علوم مثلاً طب شعروادب، علم نجوم، تاریخ، وانساب اور انشاء پردازی جیسے علوم میں مہارت تامہ رکھتا ہو، یہ دراصل اس وقت علوم کی ترویج وترقی کی مناسب منصوبہ بندی تھی، شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

واهل البلد على اكتساب الفضائل كالخط والحساب والتاريخ والطب والوجوه الصحيحة من تقدمة المعرفة.(٢٤)

(ترجمہ) اہل شہر کو ترغیب دی جائے، اور ایسا نظام بنایا جائے، کہ وہ اعلیٰ علوم حاصل کریں، جیسے لکھائی، پڑھائی حساب، تاریخ طب وغیرہ اور علوم کی ترقی کے صحیح طریقے دریافت کریں۔

مذکورۃ الصدر بیانات میں علم کی ترویج وترقی کے بارے میں جو کچھ بتایا گیا، اس کو وسعت دے کر ایسے اصول وضع کرنے کی ضرورت ہے۔ جن کی مدد سے علمی اور فنی اداروں کو فروغ ملے، اور یہ کہ ان اداروں سے ماہرین ہی برآمد ہوں، لہٰذا حکومت کو ان جیسے شعبوں کی نگرانی لازمی اور ضروری ہے۔ تعلیم ہی سے متمدن وباشعور قوم وجود میں آتی ہے۔ تعلیم دراصل حصول ڈگری کا نام نہیں بلکہ، یہ ایک روشنی ہے جس سے انسانی دروں منور ہو کر رویوں میں تبدیلی کا موجب بنتی ہے۔

۷۔ بے روزگاری کے خاتمہ کے لیے حکومتی کردار

ایک صحت مند معاشرے کے ہر فرد کے لیے روزگار وکسب لازمی ہے، آپ کے نزدیک اجتماعی فلاح کے لیے معاشرے کے ہر فرد کو باروزگار ہونا چاہیے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں۔

ايضا لما كان الناس مدنيين بالطبع لا تستقيم معايشهم الا بتعاون بينهم نزل القضاء بايجاب التعاون وان لا يخلو واحد منهم مماله دخل فى التمدن الا عند حاجة لا يجد منها بدا:(٢٤)

(ترجمہ) چونکہ انسان مدنی الطبع ہے اور آپس کے تعاون کے بغیر اپنے لوازمات بہم نہیں پہنچا سکتے اس لیے شرائع میں ان کو باہمی تعاون کا حکم دیا گیا، تاکہ سوسائٹی کا ایک فرد بھی عذر معقول کے بغیر بے روگار نہ رہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ انسان مناسب تعلیم یا فن حاصل کر کے زندگی کے عملی میدان میں جب قدم رکھتا ہے، تو اسے معاش کا مسئلہ کسی مناسب کسب پر آمادہ کرتا ہے، کسب کے اختیار کرنے پر ایک طرف وہ حصول معاش کرتا ہے، تو دوسری طرف تمدن کے مختلف شعبوں کے لیے خدمات خود بخود فراہم ہو جاتی ہیں۔ یہ تعاون باہمی کی بنیاد پر وجود میں آتا ہے۔ جو افراد تعاون کی ان جیسی شکلوں سے محروم ہو جاتے ہیں، انہیں بے روزگاری کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو مختلف خرابیوں کو جنم دیتی ہے، شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

وبقيت نفوس اعيت بهم المذاهب الصالحة فانحدروا الى اكساب الضارة بالمدينة كالسرقه والقمار والتكدى (وغير ذالك). (٢٥)

ترجمہ۔ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کسی وجہ سے جائز ذرائع سے کمائی کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ پس وہ چوری، جوابازی، اور بھیک جیسے مضر پیشے اختیار کر لیتے ہیں۔ وغیرہ، وغیرہ۔

حاصل یہ کہ بے روزگاری اخلاقی انحطاط کو جنم دیتی ہے جس سے وہ معاشرتی بگاڑ وجود میں آتا ہے کہ معاشرے کی چولیں ہل جاتی ہیں، ڈاکہ، چوری، جھوٹ، قتل، بدکاری، عصمت فروشی، غرض کتنے جرائم ہیں، جو غربت اور افلاس ہی کی وجہ سے وجود میں آتے ہیں۔ شاہ صاحب کی دوربین نگاہوں نے اس حقیقت کو پہلے ہی بھانپ لیا۔ اس وقت جرائم کے اعداد وشمار سے بخوبی یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے، کہ معاشرتی حالات بگاڑنے میں بے روزگاری کا کتنا عمل دخل ہے۔ لہٰذا اس لعنت سے چھٹکارا پانے کے لیے

toobaa-elibrary.blogspot.com

ریاستی اقدامات کی ضرورت ہے۔

یہ حقیقت بیان کرنا یہاں ضروری ہے۔ کہ غیر پیداواری اور مسرفانہ اخراجات کے نتیجہ میں بے روزگاری کا ہت جنم پاتا ہے۔ اس وقت دنیا کے تمام ممالک میں بچتوں میں کمی ائی ہے، حتی کہ صنعتی ممالک میں بھی ١٩٦٠ء اور ١٩٨٠ء برسوں کے دوران قومی بچت میں قومی آمدن کے مقابلے میں چار فیصد کمی واقع ہوئی ہے، بے روزگاری اس وقت کے تمام ممالک بشمول صنعتی ممالک کے لیے اہم مسئلہ ہے۔ ١٩٨٨ء تا ١٩٩٠ء میں بے روزگاری کی شرح ٨٠٦ فیصد تھی ١٩٧١ء ٣ ٧ کے مقابلے میں تین فی صد زاید ہے۔

٨۔ مختلف پیشوں کی منصوبہ بندی وترقی

شاہ صاحب معاشرے کی ترقی کے لیے مختلف پیشہ ور افراد کی موجودگی کو لازمی قرار دیتے ہیں۔ وہ پیشوں کی منصوبہ بندی کے لیے ریاست کی نگرانی دیتے ہوئے، یوں تحریر فرماتے ہیں۔

اعلم انه اذا اجتمع عشرة آلاف انسان فی بلدة مثلاً فالسیاسة المدنیه تبحث عن مکاسبهم فانهم ان کان اکثرهم مکتسبین بالصناعات والسیاسة البلدة والقلیل منهم مکتسبین بالرعی والزراعة فسد حالهم فی الدنیا(٢٦)

(ترجمہ) یاد رکھو اگر کسی شہر میں مثال کے طور پر دس ہزار نفوس کی آبادی ہو، تو سیاست مدینہ کا تقاضا یہ ہے، کہ اہل شہر کے پیشوں پر گہری نگاہ ڈالی جائے، کیونکہ اگر ان میں سے اکثر صنعت وحرفت اور سرکاری ملازمتوں میں مشغول ہیں، اور معدودے چند افراد ایسے ہیں کہ گلہ بانی اور زراعت کا کام کرتے ہیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کے دنیاوی احوال مین فساد برپا ہو جائے گا۔

شاہ صاحب کی اس پیشوں اور تقرریوں کے بارے میں نظم وضبط کا سبق ملتا ہے، سامان کی تیاری میں طلب کو ملحوظ رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ اس عبارت سے ملازمین کے تعین کا اشارہ ملتا ہے،

مذکورہ اصول سے عصر حاضر میں یہ نتیجہ اخذ کرنا بالکل واضح ہے۔ آج کل جبکہ متمدن ممالک میں جامعات اور تربیتی ادارے مختلف پیشوں کی تعلیم اور تربیت فراہم کرتے ہیں، انہیں چاہیے کہ معاشرے کی ضروریات کو دیکھ کر اس کے حسب حال افراد کو تربیت مہیا کریں۔ اس طرح نہ تو تمدن کے اہم شعبے قحط الرجال کا شکار ہوں گے، اور نہ تعلیم یافتہ بے روزگاروں کے مسائل جنم لیں گے۔

شاہ صاحب اپنے عہد کے مختلف پیشوں کی ترقی اور بقاء کے سلسلے میں جو ہدایات دیتے ہیں، وہ درج ذیل ہیں۔

☆ مختلف علوم وفنون کی تعلیم کا وسیع انتظام ہونا چاہیے، اور مختلف طریقوں سے ذہین اور ذی استعداد افراد کے حالات معلوم کرنے کا انتظام ہونا چاہیے، تاکہ وہ معاشرہ کے لیے مفید خدمات انجام دے سکیں۔

☆ پیشوں کی ترتیب کے سلسلے میں پہلے ان کے موٹے موٹے اصول اور اوزار وغیرہ کا علم دیا جائے، فن کی باریکیوں اور گہرائی پر بعد میں توجہ دی جائے۔(٢٧)

☆ اگر کوئی شخص اپنے آباواجداد اور ماحول کی تقلید کے نتیجہ میں کسی پیشہ کو اختیار کر چکا ہے، اور وہ پیشہ اس کی ذہنی وجسمانی صلاحیتوں یا اس کے ماحول کے موافق نہیں، تو اس سے چمٹے رہنے کی بجائے فوری طور پر اس پیشہ کو ترک کر دینا چاہیے۔(٢٨)

☆ کسی کو جبری طور پر کسی پیشہ کے اختیار کرنے پر مجبور نہیں کرنا چاہیے، اس لیے کہ حکمت کا تقاضا ہے، کہ پیشہ وہ اختیار کیا جائے جس کے ساتھ طبعی مناسبت بھی موجود ہو۔

☆ مختلف پیشوں کے لیے افراد کے انتخاب میں ان کی جسمانی وذہنی استعداد، باپ دادا کے پیشوں
ضرورت واحتیاج، اور ان کے اردگرد کے جغرافیائی وطبعی حالات پر گہری نظر رکھنی چاہیے، کیونکہ یہی وہ محرکات ہیں، جو لوگوں کو مختلف پیشوں کے لیے تیار کرتے ہیں، مثلاً بہادر آدمی فوج کے لیے، ذہین اور تعلیم یافتہ افراد سرکاری ملازمت کے لیے اور جسمانی لحاظ سے مضبوط اشخاص بھاری بھر کم کاموں کے لیے مناسب ہوتے ہیں۔(٢٩)

خلاصہ یہ کہ مملکت کی معاشی ترقی کے لیے مختلف شعبوں کے لیے مناسب پیشہ وروں کی

toobaa-elibrary.blogspot.com

ضرورت اور کھپت کے لیے حکومت کو نظم سے کام لینا چاہیے اور مناسب افراد کی مناسب جھانچ پر کھ کے بعد تعیناتی ہو، تاکہ بہتر نتائج بر آمد ہو سکیں۔

تقسیم دولت میں اعتدال

شاہ صاحب مال کو اللہ تعالیٰ کی نعمت اور زندگی کا قوام سمجھتے ہیں۔ اس لیے وہ صرف چند لوگوں کے ہاتھوں میں ارتکاز دولت کو قد غن لگاتے ہیں۔ وہ اس ضمن میں ایسے اقدامات پر زور دیتے ہیں جو تقسیم دولت اور اس میں اعتدال کی روح پروان چڑھانے میں ممد ہوں، وہ اقدامات درج ذیل ہیں۔

۱۔ اموال غنیمت اور تقسیم دولت

شاہ صاحب اموال فئی وغنیمت کی تقسیم کے لیے قرآنی احکام کے مضمرات پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

☆فتخصیص هذه الخمسة بالذکر للا هتمام بشانها والتو کید ان لا یتخذ الخمس والفئی اغنیاءهم دولة بینهم فیهملوا جانب المحتاجین.(۳۰)

(ترجمہ) خمس کے مصارف کو واضح اور مخصوص طریقہ پر شریعت میں اس لیے ذکر کیا گیا ہے، کہ اس کی اہمیت کو اجاگر کیا جائے، اور تاکید کی وجہ یہ ہے، کہ مال دار لوگ محتاجوں کی پرواہ کیے بغیر خمس اور فئی کو آپس میں ہی نہ بانٹ لیا کریں۔

ملکی ذرائع آمدن میں چونکہ اس زمانہ میں غنیمت کے مال کو اہم مقام حاصل تھا۔ آپ نے واضح فرمایا، کہ ایسے اموال کا اثر مخصوص طبقہ ہی میں محسوس نہ ہو، بلکہ تمام طبقات کو اس کا فائدہ پہنچنا چاہیے۔ دولت کی غیر منصفانہ تقسیم سے جہاں ایک طبقہ معاشی ضروریات سے محروم ہو کر رہ جاتا ہے تو دوسری طرف عیش وعشرت حرصِ مال، احتکار واکتناز کا جذبہ جنم پاتا ہے، معاشرہ عملاً دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے، اس لیے منصفانہ تقسیم دولت کا اہتمام کرنا ریاستی ذمہ داری ہے، ایک جگہ شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں۔

یتا کد استحباب المواساة فی هذه فیما کان مملوک وما لیس بمملوک امره ظاهره.(۳۱)

(ترجمہ) جو چیزیں کسی کی ملک ہوں، ان کے بارے میں حضور ﷺ نے تاکید کی ہے، کہ انہیں ھمدردی کے طور پر دوسرے لوگوں کو شریک کر لینا پسندیدہ کام ہے اور مباح عام چیزوں پر قبضہ کرنا ان کا حکم ظاہر ہے۔ یعنی ظلم ہے۔

۲۔ نظام زکوٰۃ اور تقسیم دولت :۔

معاشرے کی فلاح وبہبود کے لیے ضروری ہے، کہ دولت کی بہاؤ کا رخ دولت مندوں سے غریبوں کی طرف ہو، عبادت کی رنگ اس کا مستقل انتظام زکوٰۃ کی صورت میں ہے، زکوٰۃ کی برکت سے امیروں کی دولت غریبوں کی طرف منتقل ہوتی ہے، اس کی حکمت کے بارے میں شاہ صاحب یوں تحریر کرتے ہیں۔

ویجهر ﷺ بان منا فعها راجعة الیهم وانما توخذ من اغنیآء هم وترد علی فقرائهم رحمة بهم و حدباً علیهم وتقریبا لهم من الخیر انقاذاً لهم من الشر.(۳۲)

(ترجمہ) حضور ﷺ نے صاف اعلان فرمایا، کہ زکوٰۃ کے تمام منافع افراد معاشرے کے حق میں جاتے ہیں۔ اور یہ زکوٰۃ ان کے اغنیاء سے لے کر ان فقراء کو لوٹا دی جائے گی۔ زکوٰۃ کا یہ حکم ان افراد معاشرے کے لیے رحمت وشفقت کا ذریعہ ہے، اور یہی طریقہ انہیں خیر کے قریب لے جانے والا اور شر وفساد نجات دینے والا ہے۔

لہذا زکواۃ اور دوسرے صدقات واجبہ جو مسلم معاشرے میں گردش سرمایہ کے موثر ذرائع ہیں کو منظم کرنا ریاستی ذمہ داری ہے۔ جس سے معاشرہ میں موجود تفاوتِ اموال پر قابو پایا جا سکتا ہے، اور اعتدال کی راہ مل سکتی ہے۔ یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے، کہ معاشرہ خواہ کتنا ہی ترقی یافتہ اور خوشحال ہو جائے، اور غربت کے خاتمہ کے لیے کتنی ہی تدابیر بروکار لائے، تب بھی اس میں نادار اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

کسب سے محروم افراد رہ جاتے ہیں۔ ان کی کفالت کے لیے اسلام نے مستقل نظام عبادت کی رنگ میں "زکواۃ" کا حکم دیا زکواۃ دراصل دولت مندوں کے مال میں ڈھائی فیصد سالانہ شرح سے غرباء کا قانونی و آئینی حصہ ہے، پھر یہ زرعی زمین کی پیداوار، معدنیات، تجارتی اموال، کارخانوں کی پیداوار سب کو محیط ہے، زکواۃ کی عدم ادائیگی کی صورت حکومت طاقت بھی استعمال کر سکتی ہے۔ اس ضمن میں خلیفہ راشد حضرت ابوبکر صدیقؓ کی سخت گیری مشہور ہے، آپ نے تمام مصالح کو بالائے طاق رکھ کر مانعین زکواۃ سے قتال کرنے کا اعلان فرمایا ابن حزمؒ کا بیان ہے۔ ويجبرهم السلطان على ذالك (۳۳) یعنی اگر لوگ ناداروں کی ضروریات پورا کرنے میں کوتاہی برتیں، اور ادائیگی زکوۃ کے معاملہ میں سستی کا ارتکاب کریں، تو حکومت کو جبر کا حق حاصل ہے۔ البتہ اس میں اموال ظاہرہ وباطنہ کا فرق ملحوظ ہے۔

اموال ظاہرہ وہ ہیں، جو کسی طرح چھپ نہ سکے جیسے کھیتی، سامان تجارت، اموال باطنہ وہ ہیں، جن کا چھپانا ممکن ہو جیسے سونا، چاندی، گھر کا سامان،، بینک میں رکھا ہوا مال گو اموال باطنہ میں آتا ہے، مگر مصلحت عامہ کے تحت ان کو اموال ظاہرہ میں سے شمار کرنا مستحسن اقدام ہو گا۔

۳۔ معدنیات، بڑی چراگائیں اور تقسیم دولت

شاہ صاحب معدن ظاہرہ کو ایک شخص کے حوالہ کر دینے کے خلاف ہیں، وہ اس ضمن میں ابیض بن حمال ماربیؓ کا واقعہ یاد دلاتے ہیں، جس کی تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انہیں نمک کی ایک بڑی کان عنایت فرمائی تھی، جب لوگوں نے بتایا کہ یارسول اللہ آپ نے تو اسے ایک جاری چشمہ عطا کر دیا ہے، تو آپؐ نے اصل حقیقت حال کو پاتے ہی اس نمک کے کان کی واپسی کا حکم فرمایا۔ اس طرح آپؐ نے بڑی اور عمومی چراگاہوں پر فرد واحد کے قبضہ جمانے کو منع فرمایا، اس ضمن میں شاہ صاحب نے حدیث لا حمى الا لله ولرسوله ستدلال کیا۔ اور وہ حدیث جس میں قدرتی پیدائش والی چیزوں پر قبضہ جمانے والوں کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ درج ذیل سے ہے۔

'قیامت کے دن اللہ ان سے کہے گا، کہ میں تمہیں اپنے فضل سے محروم رکھوں گا، جس طرح تم نے لوگوں کو اس چیز کے زائد حصے سے محروم رکھا تھا، جسے تمہارے ہاتھوں نے نہ بنایا اور نہ تیار کیا تھا۔ ان واقعات سے شاہ صاحب کے فکری رجحان کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ،، عدل عمرانی،، کے قیام کے لیے

کوشاں رہے۔ شاہ صاحب کے اس فکری رجحان کی تخلیق میں شاید حضرت عمرؓ کا یہ واقعہ بھی کارفرما رہا ہو،

حضرت عمرؓ نے ایک غلام کو نوکر رکھا ہوا تھا۔ اس کا نام ہنی تھا، آپ نے اس سے فرمایا، اے ہنی لوگوں پر ظلم نہ کرنا اور مظلوموں کی بددعا سے ڈرتے رہنا کیونکہ مظلوم کی بددعا قبول ہوتی ہے اور چھوٹے چھوٹے اونٹ اور بکریوں کے گلہ والوں کو باڑھ میں چرنے دینا اور ابن عفانؓ اور ابن عوفؓ کے گلوں کو باڑھ میں گھسنے نہ دینا، کیونکہ اگر ان کے مویشی ہلاک ہو جائیں گے، تو یہ مدینہ آکر کھیتی باڑی اور کھجوروں کے درختوں سے فائدہ اٹھانے لگیں گے، لیکن اگر چھوٹے گلے والوں کے مویشی ہلاک ہو جائیں، اور وہ پھر میرے پاس آکر امیر المومنین کہہ کر پکاریں گے، تو کیا میں انہیں یونہی چھوڑ دوں گا؟

میں تمہاری کچھ پروا نہیں کروں گا، کیونکہ گھاس، پانی میرے نزدیک سونے سے کم نہیں، اللہ کی قسم اگر میرے پاس جہاد کے اونٹ نہ رہا کرتے، تو میں بالشت برابر زمین بھی محدود نہ کرتا۔ (۳۴)

ان واقعات کا حاصل یہ ہے، کہ ایسے ذرائع پیداوار خواہ ان کا تعلق معدن یا صنعتی وزرعی پیداوار سے ہو، جو دولت کے توازن کو معاشرے میں بگاڑ کا موجب ہیں، ان کو ایک یا چند افراد کے ہاتھ میں دینا ظلم ہے۔ قدرت کی بخشی ہوئی نعمتیں تمام انسانوں کے لیے پیدا کی گئیں ہیں، ان کو ایک یا چند افراد کے ہاتھوں میں دینا مٹھی بھر انسانوں کو اقتصادی خوشحالی سے نوازنے اور مفاد عامہ ان کے ہاتھوں تباہ کرنے کے مترادف ہے، اور اس سے صاف ' دولة بين الا غنياء اور يكنزون الذهب والفضة ، کا منظر سامنے آنے لگتا ہے۔ لہٰذا ریاست کو ایسے ذرائع پر کڑی نظر رکھنی چاہیے، اور ان کی تقسیم میں عدل کا پاس رکھنا چاہیے، تاکہ کہیں بے اعتدالی پیدا نہ ہو۔ نوآبادیاتی دور میں بدیسی حکمرانوں نے من پسند خاندانوں کو جاگریں عطا کیں۔ ایسی جاگریں قابل واپسی ہیں اور محتاج تحقیق ہیں، تاکہ عدل قائم ہو، عصر حاضر میں ایجنسی کی شرعی حیثیت کو اس تناظر میں دیکھا جا سکتا ہے۔

۴۔ آبپاشی اور تقسیم دولت

پانی ایک بیش بہا قدرتی نعمت ہے اس نعمت سے سب کو حصہ ملنا چاہیے، پانی پر اجارہ داری مذموم عمل ہے، شاہ صاحب رقمطراز ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقضیٰ رسول ﷺ فی سبیل المھروز ان یمسک حتی یبلغ الکعبین ثم یرسل الاعلی علی الاسفل . (۳۵)

(ترجمہ) حضور ﷺ نے مہروز کے نالے کے متعلق یہ حکم دیا تھا، کہ اس کے پانی کو روک لیا جائے ، یہاں تک کہ اوپر والے کھیت میں اس کا پانی ٹخنوں تک پہنچ جائے ،اس کے بعد اوپر والا شخص نیچے والے کے لیے چھوڑ دے۔

چونکہ شرع لاضرر ولا ضرار فی الاسلام کے اصول پر کاربند ہے۔ لہٰذا ہر وہ معاملہ جہاں لوگوں کے یکے بعد دیگرے حقوق کا مسئلہ ہو، تو ترتیب کا لحاظ رکھنا حکمت کا تقاضا ہے، پھر ایسے معاملات میں باہمی ہمدردی و مواسات سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا اوپر والا آدمی پانی کی معتد بہ مقدار لے کر اگر پانی نہیں چھوڑتا، تو ظاہر ہے یہ ظلم ہوگا۔ پانی کی تقسیم کے معاملہ میں شاہ صاحب ایک واقعہ نقل کرتے ہیں، جس میں پانی کے ارتکاز کی مذمت کا پہلو سامنے آتا ہے، اور تقسیم ماء میں عدل کا سبق ملتا ہے، واقعہ یہ ہے۔

"ضحاک بن خلیفہ نے اپنی نہر کی ایک شاخ مدینہ منورہ کے قریب وادی عریض سے نکالنا چاہی، یہ شاخ محمد بن مسلمہؓ کی زمین میں سے ہو کر گزرتی تھی، مگر محمد بن مسلمہؓ نے اس سے انکار کیا۔ ضحاک بن خلیفہ نے اس معاملہ میں حضرت عمرؓ سے گفتگو کی، آپ نے محمد بن مسلمہؓ کو بلا کر فرمایا" کہ تم اپنے بھائی کے نفع میں کیوں رکاوٹ بنتے ہو، حالانکہ اس میں تمہارا بھی فائدہ ہے، تم بھی اس سے پانی لے سکو گے، اور اس میں تمہارا کوئی حرج بھی نہیں، پھر بھی انہوں نے انکار ہی کیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا، خدا کی قسم وہ نہر نکال کر لے جائے گا، خواہ وہ تمہارے شکم کے اوپر سے کیوں نہ گزاری جائے۔ (۳۶)

نقل کردہ واقعہ سے معاملات میں تعاون باہمی سے کام لینے کا سبق ملتا ہے، دوسرا یہ کہ اگر کوئی فرد افتاد طبع کی وجہ سے مفاد عامہ کی راہ میں رکاوٹ بنتا ہو، تو طاقت کا استعمال بھی جائز ہے، اس واقعہ کی روشنی میں اسلام کا اہم اصول، تحمل ضرر الخاص للضرر العام ، مستنبط ہوتا ہے۔ اس اصل کو

وسعت دے کر تحدید املاک و سرمایہ کا قانون بنایا جا سکتا ہے، کیونکہ بغیر اس کے "عدل عمرانی" کا قیام ناممکن ہے۔

۵۔ اوقاف اور تقسیم دولت

اوقاف سے مراد اموال یا زمینیں یا عمارات ہیں، جن کے منافع عام مسلمانوں کے مشترکہ مفاد کے لیے استعمال ہوں اور کسی ایک شخص کی ملکیت نہ بن سکیں۔ شاہ صاحب نے اس ضمن میں عہد فاروقی میں پیش آمدہ واقعہ کو نقل کیا اور استدلال کیا کہ شام و عراق کی زمینوں کو چند اشخاص کی ملکیت میں دینے کی بجائے تمام مسلمانوں کے انتفاع کے لیے وقف کرنا ہی مناسب عدل تھا، شاہ صاحب اس نکتہ کو زور دے کر واضح کرتے ہیں، کہ اس طریقِ تقسیمِ مال سے دولت کے بہاؤ کا رخ غریبوں اور نادار لوگوں کی طرف ہو جائے گا۔ واقعہ کے اخری الفاظ یہ ہیں۔

فاذا قسمت ارض العراق بعلو جھا وارض الشام بعلو جھا فما یسدبہ الثغور وما یکون للذریۃ والا رامل لھذا البلد وغیر ذالک . (۳۷)

(ترجمہ) اگر عراق و شام کی یہ آراضی اور ان کے مالک غنیمت کے طور پر تقسیم کر دیے گئے، تو سرحدات کی حفاظت کس مال سے کی جائے گی ، اور شہروں کے محتاجوں اور بیوہ عورتوں کی کفالت کہاں سے کی جا سکے گی۔

اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے، کہ زمین کے وقف سے مقصود بھی مفاد عامہ کا تحفظ ہی ہے۔

۶۔ حکام کے طرز عمل کا اثر تقسیم دولت پر

شاہ صاحب امراء و حکام کے سامنے خلفاء اسلام کی عملی زندگی کے نمونے پیش کرتے ہیں، جنہوں نے اسلامی حکومت کے کم سے کم ذرائع معاش رکھنے والے شخص کی سطح پر زندگی گزار کر مساوات اور عدل کے نمونے پیش کیے۔ حضرت عمرؓ کی سیرت بیان کرتے ہوئے، شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ایک روز حضرت عمرؓ دیر سے تشریف لائے۔ آپؓ کے ساتھیوں نے دریافت کیا، آج آپ کے تاخیر سے تشریف لانے کی وجہ کیا ہے۔ فرمایا،، میں نے کپڑے دھوئے تھے ،جب وہ سوکھ گئے، تو میں تمہارے پاس آگیا۔(۳۸)

لباس میں اس قدر سادگی کے بعد وہ کھانے کے بارے میں اسی خلیفہ کا واقعہ یوں نقل کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ مدینہ مبارک میں گرانی ہوئی۔ آپؓ (حضرت عمرؓ) نے جو کا کھانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ،جو،، آپ کو نا موافق لگے، آپ نے اپنا ہاتھ شکم پر رکھ کر کہا، واللہ تیرے لیے یہی کچھ ہے جو تیرے سامنے موجود ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں پر کشادگی کرے۔(۳۹)

اس طرح خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ (جو کہ ذاتی طور پر ایک متمول شخصیت تھے) ان کے عہد امارت کا ذکر کرتے ہوئے شاہ صاحب رقمطراز ہیں۔

شرجیل بن مسلم سے مروی ہے کہ حضرت عثمانؓ لوگوں کو امیروں جیسا کھانا کھلاتے تھے مگر خود سرکہ اور روغن زیتون کھاتے تھے۔ اس طرح (سادگی) آپ کے زیب تن لباس کے بارے میں مروی ہے۔(۴۰)

جمعہ کا خطبہ پڑھاتے ہوئے ایسے کپڑے آپ کے زیب تن تھے جن کی قیمت چار یا پانچ درہم کی ہوگی۔

آج جس طرح عیش وعشرت کا مرض امراء وحکام سے پھیل کر عوام تک میں رواج پا چکا ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں شاہ صاحب کے ذکر کردہ واقعات کی روشنی میں، اگر حکام بالا طبقہ سادہ زندگی بسر کرنا شروع کردے، تو عوام میں بھی اعتدال کی زندگی گزارنے کا رجحان پیدا ہوگا، اور یوں ہوس مال کا جذبہ فرو ہو جائے گا۔ مصارف محدود ہوں گے، تو لازماً کفایت شعاری کو اپنا کر اخراجات کے بوجھ کو گھریلو سطح پر اور اس طرح ملکی سطح پر کم کیا جاسکتا ہے۔

۷۔ میراث اور تقسیم دولت

شاہ صاحب نے اسلام کے قوانین میراث کے بارے میں شرح وبسط کے ساتھ لکھا ہے۔ جو

کہ دولت کے ارتکاز کو کم کرنے کا ایک بڑا ذریعہ ہے، اس ضمن میں شاہ صاحب نے میراث کے فطری اور عادلانہ ہونے پر فکر انگیز بحث کی ہے، اور نظام وراثت کی نگرانی کو حکومت کا فریضہ قرار دیا ہے۔ میراث سے متعلق پوری تفصیل شاہ صاحب کی کتاب حجة الله البالغه کے متعلقہ ابواب اور دوسری فقہی کتب میں دیکھی جاسکتی ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حواشی

(۱)۔ خلافت کی تعریف باب سوم ص ۶۱ گزر چکی ہے۔ دھرانے کی ضرورت نہیں۔

(۲)۔ دھلوی "حجۃ اللہ البالغۃ" ج ۲' ص ۳۹۔

(۳)۔ جصاص امام ابو بکر "احکام القرآن، مکتبہ التراث، ج ۳، ص ۱۰۶ (مطلب فی زکواۃ الذھب والفضہ)

(۴)۔ "شفاء العلیل" ص ۲۴۲، (بحوالہ تحدید ملکیت مولانا تقی عثمانی)۔

(۵)۔ رملی "نہایۃ المحتاج" مطبعۃ التراث، بیروت، ج ۸، ص ۴۲ (کتاب الجہاد)۔

(۶)۔ دھلوی "حجۃ اللہ البالغۃ" ج ۲، ص ۸۵۔

(۷)۔ دھلوی " ازالۃ الخفاء عن خلافت الخلفاء" ج ۲، ص ۱۵۳۔

(۸)۔ کفالت کی اس ریاستی ذمہ داری سے قطع نظر اس حقیقت کو بحیثیت مسلمان مد نظر رکھنا چاہیے، اور ہمارا عقیدہ بھی ہے، کہ خالق ومالک اور رب وہی اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت "رب العلمین" ہے، رب سے مراد پرورش کرنا، پالنا، نگہداشت کرنا، نشوونما پانا، حتی کہ ایک چیز چھوٹے مقام سے تکمیل کی انتہاء کو پہنچ جائے، پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ کے نائب کی حیثیت سے انسان کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے گردوپیش اور زیر کفالت لوگوں کی ضروریات کو پورا کرے، اس ضمن میں چند امور تو رب تعالیٰ نے لازم قرار دی ہیں، مثلاً زکواۃ، عشر، صدقہ فطر اور چند دوسرے کاموں کو انسانوں کی آزادی پر چھوڑ دیا، جیسے ہمسایوں، فقیروں، مسافروں والدین اور عزیزوں کے حقوق کی رعائت کرنا، اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو روزی پہنچانے کا جو ذمہ لیا ہے، اس کے مظاہر ٹھیک ٹھیک دیکھنے میں آتے ہیں، اگر سائنسی ترقی، وسائل کی دریافت، انسانوں کی ذہنی نشوونما، آبادی میں اضافہ کی رفتار اور انسانوں کی تمدنی ضروریات وغیرہ کا تفصیلی مطالعہ کیا جائے، تو پتہ چلتا ہے، کہ ہمیشہ سے رب تعالیٰ نے انسانی حوائج کا بندوبست فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا دستِ غیب منصوبہ بندی کرتا ہے، اور رزق رسانی کا یہ انتظام بغیر کسی احتجاج یا چیخ وپکار کے ہمیشہ ہوتا رہتا ہے، البتہ تشریعی طور پر بھی ریاست اس بات کی ذمہ دار ہے، کہ ضروریات انسانی کو دیکھتے ہوئے، وہ ایسی منصوبہ بندی کرے، کہ بیشتر احتجاج کے لوگوں کی ضروریات کی کفالت ہو، اس کا اندازہ ایک روایت سے بھی ہوتا ہے، ابو عثمانؓ راوی ہیں، وہ فرماتے ہیں، کہ حضرت عمرؓ نے ہمیں آذربیجان کی طرف خط لکھ کر روانہ کیا، جس میں لکھا تھا، ائے،، عتبہ بن فرقد یہ دولت نہ تیرے باپ کی کمائی ہے، نہ تیری ماں کی، للذا مسلمانوں کو

اس طرح ان کے گھروں میں رزق پہنچاؤ، جس طرح اپنے اہل خانہ کو پہنچاتے ہو۔ تمام مخلوق عیال اللہ ہیں، اس کی کفالت کے متنوع مظاہر کا مشاہدہ کرو اور سبق حاصل کرو، البتہ معذورں کی کفالت کا آئینی حق حکومت وقت پر ہے رازقِ حقیقی وہی اللہ کریم ہے۔ مغرب کے پروپیگنڈہ خاندانی منصوبہ بندی کے حوالہ سے یہ بیان ازبس ضروری ہے، کہ جس نظریہ یعنی کہ کثرت آبادی کے مقابلہ میں قلت وسائل کی بنیاد پر افراط آبادی پر روک ہو، یہ نظریہ خود ایک مفروضہ پر قائم ہے، انسانی وسائل میں روزافزوں اضافہ ایک اٹل حقیقت ہے، دوسری بات یہ کہ ضبط ولادت کے غیر فطری طریقے اپنانے سے معاشرتی نظام متاثر ہوا، مواسات کا فقدان ہوا، بیماریاں زیادہ ہوئیں، قدریں پائمال ہوئیں، الغرض یورپ کا مسلط کردہ سرمایہ دارنہ نظام سے تو اس کا انطباق ہو سکتا ہے، البتہ ایک اسلامی معاشرہ میں اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی ہے۔

(۹)۔ دھلوی "حجۃ اللہ البالغۃ" ج ۱، ص ۴۴۔ (باب سیاسۃ المدینہ)۔

(۱۰)۔ حوالہ سابق۔

(۱۱)۔ حوالہ سابق۔

(۱۲)۔ حوالہ سابق۔

(۱۳)۔ المنذری "تلخیص سنن ابی داؤد" مطبوعۃ الاثریہ، سانگلہ ہل، ۱۹۶۰ء ج ۴، ص ۲۶۶۔

(۱۴)۔ قرشی یحییٰ بن آدم (م ۲۰۳ھ) کتاب الخراج، مطلب سلفیہ قاہرہ، ۱۳۴۷ھ ص ۹۱۔

(۱۵)۔ ہمارے مسائل اور ان کا حل (اسلامیات لازمی۔U۔O۔I۔A کوڈ نمبر ۴۱۶) ص ۱۷۲۔

(۱۶)۔ دھلوی "حجۃ اللہ البالغہ" ج ۲، ص ۴۶۔

(۱۷)۔ دھلوی،، حجۃ اللہ البالغہ،، ج ۱، ص ۴۵۔

(۱۸)۔ حوالہ سابق۔

(۱۹)۔ دھلوی،، حجۃ اللہ البالغہ،، ج ۲، ص ۱۱۳، (باب احکام البیع)

(۲۰)۔ دھلوی" ازالۃ الخفاء عن خلافت الخلفاء" سہیل اکیڈمی، لاہور، بار روم، ۱۹۷۶ء ص ۳۰۰

(۲۱)۔ دھلوی "البدور البازغہ" ص ۱۰۶۔

(۲۲)۔ دھلوی "ازالۃ الخفاء عن خلافت الخلفاء" ج ۱، ص ۳۶۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۲۳)۔ دھلوی، ،حجۃ اللہ البالغۃ، ،ج ۱، ص ۴۵۔

(۲۴)۔ دھلوی "حجۃ اللہ البالغۃ" ج ۲، ص ۱۰۳

(۲۵)۔ دھلوی "حجۃ اللہ البالغۃ" ج ۱، ص ۴۳۔

(۲۶)۔ دھلوی "حجۃ اللہ البالغۃ" ج ۲، ص ۱۰۵۔

(۲۷)۔ دھلوی "البدور البازغۃ" ص ۶۸۔

(۲۸)۔ حوالہ سابق۔

(۲۹)۔ حوالہ سابق۔

(۳۰)۔ دھلوی "حجۃ اللہ البالغۃ" ج ۲، ص ۱۷۸۔

(۳۱)۔ دھلوی "حجۃ اللہ البالغۃ" ج ۳، ص ۱۱۱۔

(۳۲)۔ دھلوی "حجۃ اللہ البالغۃ" ج ۲، ص ۴۶۔

(۳۳)۔ ابن حزم "محلی" ج ۴، ص ۱۵۶۔

(۳۴)۔ دھلوی "ازالۃ الخفاء عن خلافت الخلفاء" مقصد دوم، ص ۱۰۹۔

(۳۵)۔ دھلوی، ،حجۃ اللہ البالغۃ، ،ج ۲، ص ۱۰۴۔

(۳۶)۔ دھلوی "ازالۃ الخفاء عن خلافت الخلفاء" ص ۱۱۰۔

(۳۷)۔ دھلوی "حجۃ اللہ البالغۃ" ج ۲، ص۔

(۳۸)۔ دھلوی "ازالۃ الخفاء عن خلافت الخلفاء" مقصد دوم، ص ۱۰۴۔

(۳۹)۔ حوالہ سابق۔

(۴۰)۔ دھلوی "البدور البازغۃ" ص ۱۰۰۔

باب ششم

اسلامی معیشت کی بنیادی قدر باہمی تعاون

نیز

(مزارعت کی حیثیت وغیرہ)

toobaa-elibrary.blogspot.com

تعاون باہمی معاشیات کی بیادی قدر

شاہ صاحبؒ انسانی معاشرہ میں تعاون اور اشتراک کی کار فرمائی دیکھنا چاہتے ہیں، آپ غیر فطری مساوات کے بھی قائل نہیں، بلکہ پورے انسانی معاشرہ کو ایک خاندان یا ایک فرد کے جسم کے مختلف اعضاء کی طرح دیکھنا چاہتے ہیں، وہ تحریر کرتے ہیں۔

وذالك أ ن الله أرادفی العالم انتظام امرهم وان یعاون بعضهم بعضا وأن لا یظلم بعضهم وان یتالف بعضهم ببعضٍ ویصیروا، کجسد رجلٍ واحد اذا تألم عضو منه تداعی له سائر الاعضاء بالحمیٰ والسهر.(۱)

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ کو دنیا کا انتظام اس طرح قائم رکھنا منظور ہے، کہ افراد معاشرہ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں، اور ایک دوسرے پر ظلم نہ کریں۔ اور آپس میں محبت والفت قائم رکھیں، اور ایسے ہو جائیں، جیسے کہ بدن کے اعضاء ہوتے ہیں، کہ جب کسی عضو کو تکلیف ہو تو سارا بدن اس کے بخار اور بے چینی کو محسوس کرے۔

اسی طرح ایک اور مقام پر آپ تحریر فرماتے ہیں۔

اعلم انه او جبت الحکمة أن تکون السنة بینهم ان یتعاون أهل الحی فیما بینهم یتنا صروا و یتوا سوا وأن یجعل کل واحد ضرر الآخر ونفعه بمنزلةِ ضرر نفسه.(۲)

(ترجمہ) یاد رہے کہ حکمت خداوندی نے لوگوں کے درمیان اس طریقہ کو لازم کیا، کہ اہل قبیلہ اور اہل محلہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون وہمدردی کریں، حتی کہ ہر ایک ان میں سے ایک دوسرے کے نفع ونقصان کو اپنا فائدہ وضرر خیال کرے۔

آپ نے اس ضمن میں باہمی تعاون واشتراک کے مختلف میدانوں اور تقاضوں کا ذکر فرمایا ہے، اور ان پر مختلف عنوانات کے ساتھ بحث فرمائی ہے جن میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ **حقوق ملکیت** : اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین پر پیدا کر کے اس کی روزی کا سامان بھی یہیں فراہم کر دیا ہے۔ اور سب انسانوں کو مساوی طور پر اس سے انتفاع کا حق دیا ہے۔ مگر انسان کی خود غرضانہ مسابقت اور باہمی تنازع کو روکنے کے لیے یہ قاعدہ مقرر کر دیا، کہ جو شخص کسی قطعہ زمین سے سب پہلے نفع حاصل کرنا شروع کر دے، وہ اسی کی ملکیت ہو گی۔ اب کسی دوسرے کو حق نہیں کہ اس سے انتفاع کر سکے، تاوقتیکہ یہ مالکِ اول برضائے خود دوسرے کو اسے نہ دے یا مبادلہ کے لئے آمادہ نہ ہو جائے'' اسی کا نام '' حق ملکیت، ہے۔ شاہ صاحب ملکیت زمین کے بارے میں رقمطراز ہیں۔

ان الکل مال الله لیس فیه حق لا حد فی الحقیقة لکن الله لمااباح لهم الانتفاع بالارض وما فیها وقعت المشاحة فکان الحکم حینئذٍ ان لا یهیج احد مما سبق الیه من غیر مضارة فالارض المیته التی لیست فی البلاد ولافی فناءها اذا عمرها رجل فقد سبقت یده الیها من غیر مضارة فمن حکمه الا یهیج عنها والارضْ کلها فی الحقیقة بمنزلة مسجداو رباط جعل وقفا علی ابناء السبیل وهم شرکاء فیقدم الأسبق فالأسبق ومعنی الملك فی حقِ الأدمی کونه احق بالانتفاع مِن غیره. (۳)

(ترجمہ) سب مال کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ اس میں کسی کا حق نہیں ہے، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین اور اس کی پیداوار سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دے دی' تو لوگوں نے حرص اور لالچ کا اظہار شروع کر دیا' اس لیے قاعدہ یہ بنایا گیا کہ جو شخص کسی زمین پر پہلے قبضہ کر لے بشرط کہ اس سے کسی کو نقصان اور ضرر نہ پہنچتا ہو' تو اسے فائدہ اٹھانے سے نہ ہٹایا جائے' لہذا غیر کاشت شدہ ایسی زمین کو جو شہر اور اس مضافات میں نہ ہو' جو شخص پہلے کاشت کرے' بشرط کہ اس سے کسی کو نقصان نہ پہنچتا ہو' تو اس کا حکم یہ ہے، کہ اسے نہ ہٹایا جائے، اور ساری زمین حقیقت میں مسجد یا سرائے کی حیثیت رکھتی ہے، یہ آنے جانے والوں کیلئے وقف ہے' اور سب لوگ اس میں برابر کے شریک ہیں' مگر جو پہلے آکر قبضہ کر لے' وہ اس کا مالک بن جاتا ہے' اور زمین پر کسی کے قبضہ کے صرف یہ معنی ہیں کہ وہ دوسرے شخص کی نسبت اس قطعہ زمین سے فائدہ اٹھانے کا حق رکھتا ہے۔

ملکیت کے اس پس منظر کے بعد اس کے مبادلہ کی مختلف شکلیں سامنے آتی ہیں' آپ بتاتے

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہیں، کہ اس کی تقسیم اور مبادلہ کیلئے قانونی و آئینی رو رعائت رکھنا ضروری ہے' تاکہ یہ تصرفات لوگوں کیلئے معاشی ابتری کا باعث نہ بننے پائیں' یوں اسلام کے نظام معیشت میں ایک فرد کا سرمایہ دوسرے فرد کے لئے رحمت ثابت ہو نہ کہ زحمت۔

۲۔ مباح اشیاء پر عدم ممانعت : آپ کے نزدیک تمدن کا ایک طبعی قانون یہ بھی ہے کہ جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے عام فائدے کے لئے پیدا کی ہیں' انہیں حتی الامکان اسی شکل میں رہنا چاہیے کہ ہر شخص ان سے استفادہ کر سکے' وہ تحریر فرماتے ہیں۔

ومنها ان يكون الشئى مباح الاصل كالماء العد فيتغلب ظالم عليه فيبيعه' وبذالكَ تصرف فى مال الله من غير حق واضرار بالناس وبذالك نهى النبى ﷺعن بيع فضل الماء ليباع به الكلاء اقولُ هو ان يتغلب رجل على عين او واد فلا يدع احدليسقى منه ماشيه الاباجر فانه يفضى الى بيع الكلاء المباح يعنى يصير الرعى من ذالك بازاء مال وهذا باطل لان الماء الكلاء مباحان وهوقوله ﷺ. يقول الله تعالى اليوم امنعك فضلى كما منعت فضل مالم تعمل يداك.(٤)

(ترجمہ) منجملہ بیوع محرمہ کے ایک یہ ہے کہ کوئی چیز دراصل مباح ہو' مثلاً چشموں کا پانی، لیکن کوئی ظالم اس پر زبردستی قبضہ کر کے اس کو بیچنا شروع کر دے' یہ اس لئے منع ہے کہ ایسا کرنا اللہ کے مال میں ناحق تصرف کرنا ہے اور اس سے عام لوگوں کو ضرر پہنچتا ہے۔ اسی وجہ سے حضور ﷺ نے فالتو پانی کی فروخت سے منع فرمایا ہے' تاکہ اس کی وجہ سے جنگل کی گھاس کی فروخت شروع نہ ہو جائے۔ میں (ولی اللہ) کہتا ہوں، اس سے مراد یہ ہے، کہ ایک آدمی کسی وادی یا چشمے پر قبضہ کر لے اور کسی چوپائے کو اجرت و معاوضہ کے بغیر پانی پینے نہ دے' تو نوبت یہاں تک پہنچ جائے گی، کہ مباح گھاس بھی بکنے لگے گی اور یہ باطل ہے' کیونکہ پانی اور گھاس دونوں مباح ہیں' اور حضور ﷺ نے یہ فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایسے شخص سے فرمائے گا" کہ میں آج اپنا فضل تجھ سے روکتا ہوں، جیسے کہ تو نے اس فضل (مباح اشیاء) کو روک رکھا تھا"

اس عبارت کا حاصل ہے کہ مباح الاصل اشیاء پر کسی کا قبضہ جائز نہیں۔ شاہ صاحب نے مباح الاصل اشیاء کے بارے میں درج ذیل حدیث نقل کی ہے۔

السلمون شركاء فى ثلاثٍ فى الماء والكلاء و النار.(٥)

(ترجمہ) لوگ تین چیزوں میں ایک دوسرے کے ساجھی اور شریک ہیں' یعنی پانی' گھاس اور آگ میں۔

اس حدیث کی بناء پر پانی' گھاس اور آگ میں "الناس" یعنی عام پبلک شریک سمجھی جاتی ہے' لیکن صرف ان ہی تین چیزوں تک اشتراک کے فلسفہ کو محدود سمجھنا صحیح نہیں ہے، بلکہ اس کے ذیل میں اور بھی ایسی چیزیں ہیں کہ جن کو اگر انفرادی ملک قرار دی جائے، تو معاشی تنگی کا قوی اندیشہ ہو، فقہاء نے اس کی وضاحت یوں کی۔

ليس للامام ان يقطع مالا غنىٰ للمسلمين عنه يعنى اذا كانت اجمة او غيضه او بحر يشربون منه او مملحة لاهل بلدة فليس للامام ان يقطع ذالك لاحد.(٦)

(ترجمہ) ایسی چیزیں جن سے عموماً مسلمان بے نیاز نہیں ہو سکتے، یعنی ان کی عام ضرورت کی چیزیں ہوں' تو حکومت کو حق نہیں ہے، کہ کسی خاص آدمی کی جاگیر میں ان کو دے دے، مثلاً اجمہ (آبی نستان) ہو' یا دریا ہو' جس سے پانی پیتے ہوں' یا نمک بنانے کی جگہ کسی خاص آبادی کی ہو' جائزہ نہ ہو گا، کہ امام کسی کو یہ چیزیں جاگیر میں دے دے۔

شاہ ولی اللہ دہلوی نے اس نقطہ نظر سے تحجیر یعنی وہ زمینیں جو خالی پڑی ہوں، ان کی حد بندی کر کے فوائد کو محدود کر لے کو ظلم قرار دیا ہے، اس فقہی اصول کی روح کو کئی کاروباری امور تک وسعت دی جا سکتی ہے۔

لما كان الحمىٰ تضيقا على الناس وظلما عليهم واضرار نهى عنه.(٧)

(ترجمہ) جب کہ حمٰی کا دستور لوگوں کی ضروریات میں دشواری اور ان کے مفاد عامہ پر ظلم اور نقصان کا باعث ہے' اس

toobaa-elibrary.blogspot.com

لئے اس سے منع کیا گیا ہے۔

حاصل یہ کہ آپ کی نظر میں اسلامی معاشرہ کے افراد ایک جسم کے اعضاء کی طرح ہیں، اس لئے کائنات کی مشترک اشیاء سے خاندان کے افراد کو برابری کی بنیاد پر استفادہ کا حق حاصل ہے، ایسے میں ایک فرد کا طرز عمل ایسا نہ ہو، جو دوسروں کے ئے معاشی تنگی کا موجب بنے۔

۳۔ پیشوں کی آزادی۔

مختلف پیشوں اور مکاسب کے اختیار میں آپ کے نزدیک حکیمانہ طرز عمل یہ ہے کہ ہر فرد کو اس کی ذہنی و جسمانی استعداد اور ضروریات کے مطابق پیشوں کے اختیار کرنے کی آزادی ہونی چاہیے۔ اسی طرح ایسے مواقع پیدا کرنا بھی ضروری ہے، کہ معاشرہ کا کوئی فرد بے کار نہ بیٹھے' بلکہ تمدن کی اصلاح و ترقی کے لئے ضروری کاموں میں حصہ لے۔

لما كان الناس مدنيين بالطبع لا تستقيم معايشتهم الا بتعاون بينهم نزل القضاء بايحاب التعاون بينهم والا يخلو احد منهم مماله دخل فى التمدن الاعند حاجة لا يجد منها بدا.(۸)

(ترجمہ) چونکہ تمام انسان مدنی الطبع ہیں، اس لئے ان کی معیشت ان کے باہمی تعاون کے بغیر درست نہیں ہو سکتی۔ اس لئے حکم ہوا کہ تمام لوگ باہمی تعاون سے کام لیں اور یہ بھی حکم ہوا کہ جس چیز کو تمدن میں دخل ہے' کوئی آدمی کسی شدید حاجت کے بغیر اس سے خالی نہ رہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ معاشی میدان میں مناسب پیشے کا حصول ہر کسی کا حق ہے۔ پیشہ کے اختیار کرنے میں طبائع اور حالات و ظروف کی رو رعایت رکھنا ضروری ہے۔ تاکہ انسان کے ذہنی و جسمانی قوٰی کا مناسب استعمال ہو' اور زیادہ سے زیادہ حصول پیداوار ہو۔ انسانوں کے اس طور پر مل کر پیداوار میں شریک ہونے کے عمل میں ایک روح کار ہوتی ہے' جیسے شاہ صاحب "تعاون باہمی" سے یاد کرتے ہیں۔

۴۔ عدل و مساوات کی روح۔

شاہ صاحب معاشرے میں عدل و مساوات کی روح دیکھنے کے خواہاں ہیں۔ وہ اسے انسانی معاشرے کی اصلاح و ترقی کا سنگ بنیاد قرار دیتے ہیں۔ وہ صفت عدالت کی مختلف شعبہائے زندگی میں جلوہ افروزی کو یوں بیان کرتے ہیں۔

والعدالة اذا اعتبرت باوضاع الانسان فى قيامه ويقظته ومشيه وكلامه وزيه ولباسه وشعره سميت "ادبا" واذا اعتبرت بالاموال وجمعها وصرفها سميت "كفاية" واذا اعتبرت بتدبير المنزل سميت "حرية" واذا اعتبرت بتدبير المدينة سميت "سياسية" (۹)

(ترجمہ) صفت عدالت کا ظہور جب انسانی اوضاع مثلاً نشست و برخاست' خوراک' نیند' چلنے پھرنے' بول چال اور لباس کی وضع قطع کے ساتھ ہو تو اسے "ادب" کہا جاتا ہے' اور جب مال کمانے اور اس کے خرچ کے معاملے میں عدالت کا ظہور ہو' تو اس کو "کفایت یا اقتصاد" کہا جاتا ہے۔ اگر تدبیر منزل میں عدالت کو ملحوظ رکھا جائے' تو اس کو "حریت" کا نام دیا جاتا ہے، اور جب نظام تمدن کو عدل کے ساتھ بروئے کار لانے کی کوشش کی جائے، تو اسے "سیاست" کہتے ہیں۔

اس سے واضح ہے کہ شاہ صاحب کے ہاں عدل ایک ہمہ گیر و جامع قدر ہے۔ جو جملہ شعبہائے زندگی میں مختلف انواع انداز سے اس کا ظہور ہوتا ہے۔

آپ معاشرے میں عدل و مساوات کے ساتھ احسان مواسات جیسے جذبات کار فرما دیکھنا چاہتے ہیں۔

والعمدة فى تحصيلها الرحمة والمودة ورقة القلب' وعدم قسوته مع الانقياد لافكار الكليه والنظر فى عواقب الامور.(۱۰)

(ترجمہ) اس صفت کے حصول کا طریقہ یہ ہے، کہ جذبہ ہمدردی و محبت اور رقت قلب کو عمل میں لایا جائے، اور قساوت قلبی اور سنگ دلی سے اجتناب کیا جائے۔ اس کیساتھ ہی اجتماعی امور (افکار کلیہ) کی رعایت اور دور اندیشی بھی پیش نظر ہو۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

یہی وجہ ہے کہ شاہ صاحبؒ مواسات پر مبنی فضا قائم کرنے کے لئے غیر منصفانہ اور امتیازی سلوک سے نفرت کا اظہار کرتے ہیں، وہ گھر جو اجتماعیت کی پہلی اکائی ہے' عدل کا آغاز کر کے ملکی سطح پر اس کے تحفظ پر زور دیتے ہیں۔ گھر کے اندر، باپ کے لئے اپنی اولاد کے درمیان مساوات پر زور دیتے ہوئے درجہ ذیل حدیث نبوی ﷺ پیش کرتے ہیں۔

وقال عليه السلام فيمن ينحل بعض او لاده مالم ينحل الا خر ايسرك ان يكونوا اليك فى البرسواء قال بلى قال فلا اذاً. (۱۱)

(ترجمہ) ایک صحابیؓ نے اپنے بیٹے کو بخشش دی، جو دوسروں کو نہیں دی۔ آپ علیہ السلام کو اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ وہ سب تمہارے فرمانبردار رہیں؟ عرض کیا کیوں نہیں! آپ ﷺ نے فرمایا پس اس طرح بے انصافی نہ کرو۔

شاہ ولی اللہؒ اس حدیث کی حکمت اور شرح بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

فاشار النبى صلى الله عليه وسلم الى ان تفضيل بعضهم علىٰ بعض سبب ان يضمر المنقوص له علىٰ ضغينة ويطوى علىٰ غل فيقصر فى البر وفى ذالك فساد المنزل (۱۲)

(ترجمہ) حضور ﷺ نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ بعض کو بعض پر فوقیت دینا اس بات کا سبب ہے، کہ جس کو نہ ملے گا وہ اپنے دل میں رنجش رکھے گا، دل میں کینہ و بغض کو چھپائے گا اور بھلائی میں کوتاہی کرے گا، اور اس سے گھر کے نظام میں فساد پیدا ہوگا۔

اس کا حاصل یہ ہے، کہ شاہ صاحبؒ زندگی کے تمام شعبوں میں عدل کی حکمرانی چاہتے ہیں۔ اور اس کے نتیجہ میں مواسات و ہمدردی پر مبنی تمدن وجود میں آتا ہے۔

۵۔ احسان و تبرع

شاہ صاحب معاشرے کے محروم افراد اور طبقات کی اعانت کو انسانی سوسائٹی کی اہم ضرورت قرار دیتے ہیں۔ اور اسے انسانی معاشرے کا ایک ایسا ہمہ گیر اصول قرار دیتے ہیں، جو ہر صالح انسانی

معاشرے میں ہمیشہ سے ایک مسلمہ کلیہ کی حیثیت سے تسلیم کیا جاتا رہا ہے۔ چنانچہ وہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ولما كان انتظام المدينه لا يتم الا بانشاء الفةو محبة بينهم و كانت الالفة كثيرا ما تفضى الى بذل المحتاج اليه بلا بدل او تتوقف عليه انشعبت الهبة والعارية ولا تتم ايضا الا بمواساة الفقرا انشعبت الصدقة. (۱۳)

(ترجمہ) مملکت کا نظام اس صورت میں ممکن ہو سکتا ہے، کہ لوگوں کے درمیان محبت اور الفت پیدا کی جائے، اور عام طور پر الفت پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے، کہ ضرورت کی چیز بلا معاوضہ دوسرے کو دی جائے چنانچہ اس وجہ سے ہبہ، قرض اور لین دین کی صورتیں پیدا ہوئیں، اور اس طرح فقراء کی ہمدردی کے لئے صدقہ و خیرات کی ضرورت پیش آئی۔

احسان و تبرع کی اس روح کو پانے کی خاطر اس کی مختلف شکلیں ہیں۔ شاہ صاحب نے ان کا احصاء درج ذیل انواع میں کیا ہے۔

۱۔ زکوٰۃ و صدقات واجبہ : (زکوٰۃ و صدقات واجبہ وغیرہ) اس سے مراد وہ نفقات ہیں، جن کا مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہو، اور اس کے مصارف وہی ہیں۔ جن کا ذکر قرآن کی اس آیت میں ہے۔

انما الصدقات للفقرآء الخ

۲۔ ہدیہ

ہدیہ بلا عوض اعطاء ہے، جس کا مقصد مہدی لہ کو خوش کرنا ہے۔ اس سے لوگوں کے درمیان رشتہ الفت پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ باہمی ازدیاد محبت کا باعث ہوتا ہے۔ چنانچہ جس شخص کو کوئی ہدیہ دیا جائے اسے چاہیے کہ ہدیہ کے بدلہ میں اس قسم کا ہدیہ دے یا کم از کم ہدیہ دینے والے کا شکریہ ادا کرے۔ ہدیہ دے کر واپس لے لینا بخل اور کنجوسی ہے اور پھر یہ تلون پن انسان کے وقار کے بھی خلاف ہے۔ اس لیے احادیث میں اس کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ (۱۴)

toobaa-elibrary.blogspot.com

۳۔ وصیت

وصیت بھی تبرع اور احسان کی ایک قسم ہے، شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔

ووصية ان كان مُوقِناً بالموت وإنما جرت بها السنة لان الملك فى بنى آدم عارض لمعنى المشاحة فاذا قارب ان يستغنى عنهٗ بالموت استحب ان يتدارك ماقصر فيه ويواسى من وجب حقه عليه فى مثل هذهٖ الساعة.(۱۵)

(ترجمہ) تبرع کی ایک قسم وصیت بھی ہے، جو موت کے وقت کی جاتی ہے۔ اس کا فلسفہ یہ ہے کہ انسان کو اپنے مال سے طبعًا دل بستگی ہوتی ہے' اور اس کو خود سے الگ کرنے میں خلل کرتا ہے' لیکن جب موت کا وقت قریب ہو جائے، تو اس مال سے مستغنی ہونے والا ہوتا ہے' اس لیے مستحب ہے' کہ اس سے اپنی گذشتہ کوتاہیوں کا تدارک کرے اور جن افراد کے حقوق اس کے ذمہ ہوں اس آخری گھڑی میں ان کے ساتھ احسان مندانہ سلوک کرے۔

شاہ صاحب کا کہنا ہے کہ وصیت کرنے میں جلدی کرنی چاہیے، بلکہ ہر وقت اپنے اموال سے متعلق وصیت تیار رکھنی چاہیے۔ اس لئے کہ انسان کو موت معلوم نہیں۔ اس لئے انسانی ہمدردی کے اس فریضہ میں کوتاہی قابل برداشت نہیں۔

۴۔ عمریٰ

شاہ صاحبؒ نے "عمریٰ" کو بھی تبرع واحسان کی اقسام میں شمار کیا ہے۔ عمریٰ سے مراد وہ مسکن ہیں، جو کوئی شخص کسی اور کو احسان کے طور پر بلا معاوضہ رہائش کے لئے دے دے۔ بے گھر افراد کی اس حاجت براری سے نیک جذبات پروان چڑھتے ہیں' اور وحدت و یگانگت وجود آتی ہے۔

۵۔ وقف

آپؒ نے احسان کی اقسام میں سے وقف پر خصوصی طور پر زور دیا ہے۔ وقف کسی چیز کی ملکیت کو ملک میں رکھتے ہوئے' اس کے منافع کو حاجت مندوں کی ضروریات پوری کرنے کیلئے بلا عوض دینا ہے۔ اسلامی حکومت کی آمدن کا ایک ذریعہ وقف بھی ہے، اس کی مزید تفصیل گزشتہ باب پنجم میں دیکھی

جا سکتی ہے۔

۶۔ ظالمانہ معاملات اور ان کی حرمت

شاہ صاحبؒ بتاتے ہیں کہ جب انسان کی حاجتیں بڑھیں اور تمدن نے ترقی کی اور مبادلہ جنس (Barter) سے ضروریات پر قابو پانا مشکل ہو گیا، یعنی ایک موچی نے جوتے کا جوڑا بنایا' اسے توقع تھی کہ نوربافت سے اس کے عوض کپڑا مل جائے گا' لیکن نورباف کو اس وقت جوتے کی ضرورت نہیں تھی' اس لئے موچی اپنی ضروریات اپنی مصنوعات سے پوری نہ کر سکا۔ جب سوسائٹی میں اس قسم کے واقعات رونما ہونے لگے' تو عقل مندوں نے ایسی چیز کی تلاش کی جو خود تو کسی کام کی نہ ہو، مگر معاوضہ بننے کی صلاحیت رکھتی ہو' اور جلدی خراب بھی نہ ہوتی ہو' اس لے لئے سونے چاندی کا استعمال کیا جانے لگا، اور یوں سکے (Coin money) کا رواج شروع ہو گیا۔ (۱۶)

انسانوں میں مبادلہ ایک لازمی امر قرار پایا۔ مبادلہ میں جماعتوں یا افراد کی باہمی رضامندی سے امور طے پاتے ہیں۔ جسے معاملات سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسلامی فقہ میں معاملات کی جائز و ناجائز اور مختلف شکلیں ہیں، مگر معاملات اور تجارت کے لیے بنیادی امر یہ ہے کہ ہر ایسا معاملہ غیر مشروع اور حرام ہے' جس کی بنیاد ظلم اور استحصال پر ہو،

فان كان الا ستنماء فيها بما ليس له دخل فى التعاون كالميسر او بما هو تراض يشبه الا قتضاب كالربا فان المفلس يضطر الى الا لتزام مالا يقدر على ايفائه وليس. رضاه رضاً فى الحقيقه فليس من العقود المرضية ولا الاسباب الصالحة، وانما هو باطل وسحت باصل الحكمة المدنية. (۱۶)

(ترجمہ) آپس میں ایسے معاملات اور استفادہ کی شکلیں جن میں تعاون کو سرے سے دخل نہ ہو، جیسے جوا بازی، یا ایسی باہمی رضامندی ہو، جو جبر اور زبردستی کے مشابہ ہو، جیسے سود لینا، اس لیے کہ مفلس آدمی مجبور ہو کر ایسا معاہدہ کر لیتا ہے، جس کے پورا کرنے پر وہ قادر نہیں ہوتا اور اس کی ظاہری رضامندی حقیقت میں رضامندی نہیں ہوتی، چنانچہ اس قسم کے عقود نہ تو

toobaa-elibrary.blogspot.com

پسندیدہ ہیں، اور نہ ہی یہ تمدن کے صالح اسباب میں سے ہیں، اس لیے یہ بالکل باطل ہیں، اور سیاست مدنیہ کے اعتبار سے قطعاً حرام ہیں۔

امام الہندؒ نے اس ضمن میں ایسے معاملات کا ذکر کیا ہے، جن کا تعلق تجارت سے ہے، اور ان بنیادی اصولوں کی نشان دہی کی ہے، جن سے باہمی ظلم و تعدی کا انسداد ہو سکتا ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے ایک حدیث ذکر کر کے مناسب نتائج اخذ کیے ہیں۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تلقوا الركبان لبيعٍ ولايبع بعضكم على بعض ولا يسم الرجل علىٰ سوم اخيه ولا تناجشوا ولا يبع حاضر للباد. (۱۷)

(ترجمہ) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، سواروں کو شہر سے باہر نکل کر نہ ملو، اور نہ کوئی آدمی دوسرے کی بیع پر بیع کرے۔ نہ کوئی اپنے بھائی کے سودا کے وقت سودا کرے اور نہ ایک دوسرے پر نرخ بڑھاؤ

اور نہ کوئی شہری کسی باہر والے دیہاتی کے لیے بیع کرے۔

چونکہ ان تمام مذکورہ عقود و افعال میں مواسات و ہمدردی کا فقدان ہے، اور اس میں ایک طرح کا ظلم پایا جاتا ہے۔ اس لیے آنحضرت ﷺ نے ان امور و معاملات کو ناپسند فرمایا ہے۔ شاہ صاحبؒ ذخیرہ اندوزی پر تنقید کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

وقال عليه اسلام الجالب مرزوق والمحتكر ملعون (۱۸)

(ترجمہ) آپؐ نے فرمایا، کہ باہر سے بازار میں غلہ لانے والا مرزوق (روزی دیا ہوا) ہے، اور محتکر (ذخیرہ اندوز) ملعون ہے۔

شاہ صاحب ذخیرہ اندوزی کے بارے میں مزید یوں تنقید کرتے ہیں۔

و ذالك لان حبس المتاع مع حاجة اهل البلاد اليه لمجرد طلب الغلاء وزيادة الثمن اضرار بهم بتوقع نفع ما وهو سوء انتظام المدينة. (۱۹)

(ترجمہ) اور یہ ذخیرہ اندوزی اس لیے مذموم ہے، کہ جب اہل شہر کو سامان تجارت کی ضرورت ہو، تو صرف منگائی اور قیمت زیادہ کرنے کی خواہش میں اسے روکنا

اہل شہر کو نقصان پہنچانا ہے، کہ ذرا سے نفع کی توقع میں ایسا کرے اور یہ شہر کی بدنظمی کا باعث بھی ہے۔

حاصل یہ کہ شاہ صاحب کے ہاں مذکورہ انواع کے عقود جن میں کسی بھی لحاظ سے ظلم اور استحصال کا شائبہ پایا جاتا ہے، مذموم ہیں، شاہ صاحب نے عقود کے ضمن میں جو اصولی امور بیان کیے ہیں، ان کا اختصار یہ ہے۔

عقود میں تعاون باہمی کی روح ہو

معاملات کی بنیاد تعاون باہمی پر ہونی چاہیے۔ شاہ صاحب کا یہ قاعدہ قرآن حکیم کی اس آیت سے ماخوذ ہے۔

وتعاونوا علىٰ البر والتقوىٰ ولا تعاونوا علىٰ الاثم والعدوان. (۲۰)

(ترجمہ) بھلائی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور ظلم پر ہرگز کسی کے ساتھ تعاون نہ کرو۔

معاملہ میں جانبین سے حقیقی رضا کا وجود ضروری ہے، اضطراری رضا معتبر نہیں یعنی یہ نہ ہو، کہ ایک شخص برضا و رغبت اس معاملہ کے لیے آمادہ نہیں، مگر اس کی اضطراری کیفیت اس کی رضاء کے قائم مقام بن گئی ہو۔ قرآن حکیم کا اعلان ہے۔

يَآ يُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَاكُلُوٓا اَموَالَكُم بَينَكُم بِالبَاطِلِ اِلَّآ اَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِنكُم. (۲۱)

(ترجمہ) اے ایمان والو، تم آپس میں ایک دوسرے کے مال کو باطل طریقے سے نہ کھاؤ، مگر یہ کہ تجارت کی راہ سے باہمی رضامندی کے ساتھ معاملہ ہو۔

معاملہ میں کسی قسم کا دھوکہ خیانت ضرر نقصان اور معصیت کا دخل نہ ہو، یعنی ان اشیاء کا کاروبار نہ ہو، جن کا استعمال شریعت اسلامی نے حرام قرار دیا ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

افضل الكسب بيع المبرور وعمل الرجل بيده. (۲۲)

(ترجمہ) بہترین کسب "بیع مبرور" ہے، اور دستکاری سے معاش پیدا کرنا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

"بیع مبرور" کی تشریح یوں کی گئی۔

بیع مبرور ایسی بیع وشراء کو کہتے ہیں، کہ جس میں متعاقدین ایک دوسرے سے تعاون اور بھلائی کا معاملہ کریں، نہ اس میں دھوکہ اور خیانت ہو اور نہ ہی خدائی معصیت لازم آتی ہو۔

ان آثار سے ثابت ہے، کہ اسلام میں معاملات وتجارت کا مقصد ضروریات کی تکمیل اور حاجت براری ہے۔ ایسی تجارت کا مبنی درج ذیل حدیث ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا ضرر ولا ضرار. (٢٣)

(ترجمہ) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، نہ نقصان اٹھانا ہے، نہ نقصان پہنچانا ہے۔

یہی وجہ ہے، کہ ایسے معاملات جن میں "تعاون باہمی" کے اصول پامال ہو رہے ہوں، آپؒ کے نزدیک باطل ہیں۔ ان کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

☆ حصول نفع کا ایسا معاملہ جس میں باہمی تعاون قطعاً مفقود ہو، اور ایک جانب کا فائدہ دوسری جانب کے یقینی نقصان پر مبنی ہو، مثلاً جوا، اور اس کی تمام انواع ایسے معاملات میں متعاقدین میں سے ایک کا نفع دوسرے کے سر تا سر نقصان کا سبب بنتا ہے۔ قرآن حکیم نے ان کی ممانعت فرمائی۔ (٢٤)

حصول نفع کا ایسا معاملہ جس میں جانبین میں کسی ایک جانب حقیقی رضا نہ پائی جاتی ہو، بلکہ جبری رضا کو حقیقی رضا کے مقام پر رکھا گیا ہو، مثلاً سودی معاملہ یا کسی اجیر کو اس کی محنت کے مقابلہ میں غیر واجبی اجرت پر رکھنا اس ضمن میں شاہ صاحب ایک حدیث نقل کرتے ہیں۔

نهى رسول الله ﷺ عن بيع المضطر.

(ترجمہ) رسول اللہ ﷺ نے اضطراری و مجبوری کی خرید فروخت (معاملہ) کو منع فرمایا،

شاہ صاحب جبری واضطراری رضا کے غیر معتبر ہونے کو یوں بیان کرتے ہیں۔

فان المفلس يضطر الى الا لتزام مالا يقدر على ايفائه وليس رضاه رضاً فى الحقيقة فليس من العقد المرضية ولا الاسباب الصالحة انما هو باطل و سحت. (٢٥)

(ترجمہ) اس لیے کہ "مفلس" جب مضطر اور مجبور ہوتا ہے، تو جس چیز کے پورا کرنے پر قدرت نہیں رکھتا، اس کو اپنی بیچارگی کی وجہ سے اپنے ذمہ لازم کر لیتا ہے، اور یہ رضا ہرگز حقیقی رضا نہیں ہوتی۔ پس "ربا" جیسا معاملہ ناپسندیدہ معاملات میں سے ہے، نہ کہ کاروبار کے صالح اور درست معاملات میں سے بے شک یہ معاملہ باطل اور ظلم ہے۔

لہذا ایسے معاملات جن میں "تعاون باہمی" کی روح کار فرمانہ ہو، باطل ہیں۔ شاہ صاحب بیع الحصاۃ، بیع الغرر، بیع الملامسة، بیع المنابذة، بیع النجش، کو اس بنیاد پر ناجائز بتاتے ہیں، کہ یہ "ربوی" معاملات سے مشابہ ہیں، اور متعاقدین میں سے کسی ایک کے ضرر و نقصان کا باعث بن کر بد معاملگی اور مناقشہ کا موجب بنتی ہیں۔

تجارتی شراکت کی شکلیں

شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ چونکہ انسانی معاشرہ میں مختلف قوتوں اور استعدادوں کے مالک افراد بیک وقت موجود ہوتے ہیں، اور روزمرہ کی حاجات وضروریات کی تکمیل کے لیے ان سب کو آپس میں تعاون کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ان کے درمیان الفت ومحبت اور باہمی تعاون کے رشتوں کو فروغ ہو' شاہ صاحبؒ امداد باہمی کے مختلف شعبوں کی نشان دہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اما المعاونه فهى انواع منها المضاربة وهى ان يكون المال لانسان والعمل فى التجارة من آلاخر ليكون الربح بينهما على ما يبينانه، والمفاوضه ان يعقد رجلان مالهما سواء الشركة فى جميع مايشتر يانه ويبيعانه والربح بينهما...، والعنان ان يعقدا الشركه فى مال معين كذالك ويكون كل واحدو كيلاً للآخرفيه، وشركة

(ترجمہ) معاونت کی بھی اقسام ہیں۔ (١) ایک مضاربت ہے، اور وہ یہ ہے، کہ مال ایک شخص کا ہو اور تجارت میں عمل دوسرے فریق کی جانب سے ہو اور منافع آپس میں مقرر کردہ شرائط کے مطابق تقسیم ہو (٢) ایک مفاوضہ ہے' اس کا مفہوم یہ ہے کہ دو شخص مشترکہ طور پر تجارت کریں اور سرمایہ جو خرید وفرخت کے لیے استعمال کیا جائے دونوں کا برابر ہو نفع بھی

toobaa-elibrary.blogspot.com

الصنائع کخیاطین او صباغین اشترکاء علی ان یقبل کل واحدویکون الکسب بینهما، والشرکة الوجوه أن یشترکا ولامال بینهما،علی أن یشتریا بوجوهماویبعیاوالربح بینهما...، والمساقات اَن تکون اصول الشجر لرجلِ فیکفی موٴ نتها اَلآخر، علی ان٘والمزارعة ان تکون الارض والبذر لِواحد والعمل والبقر مِن الآخر، والمخابره ان تکون الارض لواحد والبذر والبقر والعمل مِن الآخر، ونوع اخر یکون العمل من احدهما والباقی من الاخر، ولاِ جاره وفیها معنی العباده و المعاونه الخ.(۲٦)

برابر تقسیم ہو۔(۳)ان میں سے ایک شرکت عنان ہے' وہ یہ کہ مال معین میں ہر ایک دوسرے کا وکیل ہو (۴)ایک قسم شرکت صنائع کی ہے ،جیسے دو درزی یا دو رنگ ریز اس بنیاد پر شرکت کریں کہ محنت ایک کرے اور اجرت دونوں میں تقسیم ہو جائے(۵)ایک قسم شرکت الوجوہ ہے کہ دو آدمی شریک ہو جائیں ،اور دونوں کے پاس مال نہ ہو اور ہر ایک اپنی ساکھ اور اثر ورسوخ کی بنیاد پر کاروبار کرے اور نفع ان کے درمیان تقسیم ہو(٦) ایک قسم مساقات کی ہے وہ یہ کہ درخت بنیادی طور پر ایک شخص کی ملکیت ہوں اور دوسرا ان کی حفاظت ونگہداشت کرے اور پھل دونوں کے درمیان تقسیم ہو جائیں،(۷)ایک مزارعت ہے، کہ زمین اور بیج ایک آدمی کا ہو اور محنت اور بیل دوسرے آدمی کے ہوں۔(۸)ایک مخابرہ ہے کہ زمین ایک کی ہو اور بیج ،بیل، اور محنت دوسرے کے ہوں، ایک اور قسم اس کی یہ ہے، کہ محنت تو ایک کی ہو اور باقی سب چیزیں دوسرے کی ہوں، (۹) ایک اجارہ ہے اس میں مبادلہ اور معاونت دونوں کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

شاہ صاحبؒ کی مذکورہ الصدر عبارت سے شرکت کی مختلف انواع پر روشنی پڑتی ہے۔ان میں سے بعض تجارتی ہیں۔ مثلاً مضاربت، مفاوضہ ، عنان، صنائع اور وجوہ وغیرہ اور بعض زراعتی شعبوں سے متعلق ہیں، مثلاً مزارعت اور مساقات' تجارتی شعبوں سے متعلق شرکت کی بڑی اقسام کی مزید تفصیل یہ ہے۔

۱۔ شرکت مضاربت

مضاربت ایسے تجارتی معاملہ کا نام ہے، جس میں ایک جانب راس المال (سرمایہ) ہوتا ہے، اور دوسری جانب فقط محنت ہوتی ہے، اور منافع دونوں شرکاء کے درمیان حسب قرار ملتا ہے۔

بہت سے ارباب دولت وہ ہیں، جن کے پاس سرمایہ کافی ہے' لیکن تجارتی کاروبار سے وہ قطعاً ناآشنا ہیں، اور بہت سے نادار ایسے بھی پائے جاتے ہیں' جو باوجود تجارتی کاروبار میں دسترس رکھنے کے سرمایہ سے محروم ہیں۔ لہٰذا دونوں کو جائز دولت کمانے اور خصوصاً سرمایہ سے محروم کو اپنی محنت کا پھل اٹھانے کے لیے حسن سلوک اور امداد باہمی کا بہترین طریقہ یہ ہے، کہ صاحب مال اپنے مال کو اس دوسرے شخص کو تحفظ سرمایہ کے اطمینان کے ساتھ حوالہ کردے اور اس کو موقع دے کر وہ کاروبار کرے اور یوں دونوں باہمی فائدہ اٹھائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے نبوت سے پہلے بصریٰ (شام) کی منڈی میں خدیجہ الکبریٰؓ کے مال کی تجارت اسی مضاربت کے اصول پر کی تھی، امام الہند تحریر فرماتے ہیں۔

"مضاربت لوگوں کی ضروریات کے لیے جائز رکھی گئی ہے۔ اس لیے کہ بعض مال دار کاروبار سے ناواقف اور نابلد ہوتے ہیں، اور بعض غریب، کاروبار کے ماہر اور مصالح تجارت سے خوب واقف ہوتے ہیں"(۲۷)

لہٰذا مضاربت کی وجہ سے ایک طرف نادار کی محنت رایگاہ ہونے سے بچ جاتی ہے، تو دوسری طرف سرمایہ "کنز واحتکار" سے بچ کر دولة بین الناس کی صورت میں منتقل جاتا ہے۔ اور یوں غریبوں کی ضروریات پر قفل پڑنے سے تحفظ کی شکل نکل اتی ہے۔ لہٰذا شرکت مضاربت تعاون باہمی کی مناسب شکلیں ہیں۔ شرکت میں جانبین کی محنت کا عمل دخل ہوتا ہے، جبکہ مضاربت میں ایک جانب سرمایہ دوسری طرف محنت ہوتی ہے۔

۲۔ شرکت مفاوضہ

"شرکت مفاوضہ" ایسے تجارتی کاروبار کا نام ہے، جس میں کمپنی کے طور پر چند افراد اپنا اپنا راس المال دے کر شریک بن جاتے ہیں، اور نفع نقصان میں بھی شریک اور ایک دوسرے کے وکیل بھی ہوتے ہیں۔(۲۸)

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور اس معاملے کے تمام حالات میں ذمہ دار بھی رہتے ہیں 'شرکت عنان بھی اسی قسم کی ایک خاص شرکت کا نام ہے۔

۳۔ شرکت صنائع

شرکت صنائع بھی کمپنی طرز پر اس قسم کے کاروبار کو کہتے ہیں، جس میں چند ہم پیشہ اور اصحاب صنعت وحرفت اپنے حرفہ کو شرکت کے ساتھ چلاتے اور نفع و نقصان کی بنیاد پر کاروبار کا بنیاد ڈالتے ہیں۔

۴۔ شرکت وجوہ

شرکت وجوہ "اس تجارت کا نام ہے، کہ بغیر مال کے چند افراد کے درمیان مساوی عمل و محنت اور کسب واکتساب پر شرکت ہو جاتی ہے، اور خرید و فروخت اور نفع نقصان میں بھی برابر شرکت رہتی ہے۔

شرکت ہائے مذکورہ کی افادیت

اگر عصر حاضر میں بیان کردہ اقسام شرکت کی جملہ صورتوں کو اقتصادی نظام میں رائج کیا جائے، تو بے روزگاری اور اس کی وجہ سے پیدا شدہ عام افلاس وبدحالی پر کافی حد تک قابو پایا جا سکتا ہے، اور خوش حالی کا دور پلٹ سکتا ہے 'مگر موجودہ سرمایہ دارانہ نظام نے ان جائز طریقوں کو تباہ وبرباد کر دیا اور باہمی تعاون وامداد کے ان سادہ اور آسان طریقوں میں بے اعتمادی کا جال بچھا دیا، بہر حال "امداد باہمی" کی پبلک انجمنوں اور سوسائٹیوں کے علاوہ اگر حکومت مفاد عامہ کی خاطر کوآپریٹو سوسائیٹیاں اور گھریلو صنعتوں کو قائم کرنا چاہتی ہے، تو وہ بھی "سود" کی لعنت سے محفوظ ہونی چاہیئے، سودی کاروبار نے رہی کہی کسر بھی پوری کر دی اور بدحالی کی مسموم فضاء بنا دی۔

ایک الجھن اور اس کا حل

سود کے حوالے سے یہ وضاحت ضروری ہے، کہ اس وقت جبکہ معیشت کا مسئلہ پیچ در پیچ مراحل میں داخل ہو چکا ہے' درآمد وبرآمد اشیاء اور مختلف قسم کے غیر ممالک کے لین دین میں سود کا چلن ایک عام بات ہو کر رہ گئی ہے۔ معیشت کی اس دور جدید میں سامان کی بہتات اور صنعتی مشنری

اور کثرت پیسہ اور مختلف ممالک کے لین دین پر جبکہ بڑا اثر ڈال رہی ہے اور اس قسم کی بڑی بڑی تجارتیں سود اور بینک کے ذریعہ چل رہی ہیں 'تو جس ملک میں اسلام کے اقتصادی نظام کے تحت سود اور بنک کے اس طریقہ کی اجازت نہ ہو گی' وہ ملک کس طرح ان تجارتوں میں حصہ لے سکے گا' اور وہ اپنی اقتصادی حالت کو کیسے بحال رکھ سکے گا۔ سو اس الجھن کا ایک حل یہ ہے، کہ جب تک اسلامی نظام اقتصاد کا عملی تجربہ عالمگیر اور بین الاقوامی سطح پر نہ ہو 'تب تک ایسے ممالک کے ساتھ جو غیر اسلامی اقتدار کے زیر اثر ہوں اور اسلام کی اصطلاح میں دار الحرب کہلاتے ہیں۔ یہ اجازت دی جائے کہ وہ سود پر قائم سرمایہ دارانہ نظام کو قبول نہ کرتے ہوئے تجارتی کاروبار کے موجودہ طریقوں کے ساتھ اس وقت تک شرکت عمل کر سکتے ہیں۔ جب تک عادلانہ نظام کا انقلاب اس ہمہ قسم کے سودی سسٹم کا خاتمہ نہ کر دے۔ تاہم جن معاملات کی حرمت منصوص ہے۔ وہ کسی حالت میں جائز نہیں ہو سکتے۔ اور نہ ان معاملات میں شرکت عمل کی گنجائش نکل سکتی ہے 'غالباً مذہب اسلام کے مشہور جج امام ابو حنیفہ" جو امام اعظم سے ملقب ہے کا یہ فیصلہ

لا ربوٰ بين المسلم والحربي في دار الحرب. (۲۹)	(ترجمہ) مسلمان اور حربی کے درمیان جو ایسے معاملات ہوتے ہیں، کہ اسلامی نقطہ نظر سے وہ سودی لین دین کہلا سکتے ہیں، دار الحرب کے اندر سودی شرعی اصطلاح میں شامل نہیں۔

اور اس فیصلہ کے زیر اثر اس قسم کے تمام غیر شرعی معاملات کے جواز کا پہلو نکل اتا ہے، یہ اس مشکل کا ایک جائز اقتصادی حل ہے 'اور صاحب فتویٰ کی باریک بینی اور پیچیدہ اقتصادی معاملات میں بلند خیالی کا مظہر ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

فصل دوم

مزارعت شاہ صاحب کی نظر میں

ملک عزیز میں مزارعت کی حیثیت معلوم کرتے ہوئے، کچھ تفصیلی بحث کی ضرورت اس لیے پیش آئی، کہ مزارعت کی جواز و عدم جواز کا معیشت کے ساتھ ایک گہرا تعلق ہے، اسلامی نظام معیشت کو متعین شکل میں پیش کرنے کے لیے اس کی حیثیت واضح کرنا ایک لازمی امر ہے۔ مزارعت کی تعریف علماء نے یوں بیان کی۔

فھی عبارة عن عقدالزراعة ببعض الخارج.(۳۰)	(ترجمہ) زمین کی پیداوار کے کچھ حصہ کے بدلہ میں کھیتی کا معاملہ کرنا مزارعت کہلاتا ہے۔

زمانہ خلافت میں اس کی ایک شکل یہ تھی۔

۱: خلافت کاشتکاروں کو زمین دے کر کاشت کرواتی تھی، اور طے شدہ معاملے کے مطابق فصل کا ایک مقررہ حصہ خلافت کو دیا کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے یہی معاملہ اہل خیبر کے ساتھ کیا تھا۔ خیبر فتح کرنے کے بعد وہاں کی زمینیں آپؐ نے انہیں لوگوں کے پاس رہنے دی تھیں، اور وہ پیداوار کا نصف حصہ خلافت کو دیا کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ کے بعد خلفاء نے اس معاملہ کو جوں کا توں باقی رکھا؟ مگر جب اہل خیبر وہاں سے زمین چھوڑ کر چلے گئے۔ تو حضرت عمرؓ نے وہ زمین دوسرے لوگوں میں تقسیم کر دی۔(۳۱)

چونکہ ایسی زمینوں کی پیداوار سے عمومی خوشحالی کا مقصد وابستہ ہوتا ہے، اس لیے خلافت کے لیے مناسب یہی ہوتا ہے کہ وہ ان کی آبادی کاری میں سستی سے کام نہ لے۔ یہی وجہ ہے، کہ حضرت عمرؓ نے یمن کے گورنر یعلی بن امیہ کے نام یوں فرمان جاری کیا۔

فامره ان يعطيهم الارض البيضاء على انه كان البقر والبذر والحديد من عمرؓ فله الثلثان ولهم الثلث وان كان البقر والبذر والحديد منهم فلعمرؓ الشطر ولهم الشطر.(۳۲)	(ترجمہ) یعلی کو حکم دیا کہ یمن کی خالی زمینیں لوگوں کو کاشت کے لیے دے دو۔ اگر آلات زراعت اور تخم خلافت (عمرؓ) کو دینا پڑے تو خلافت کو پیداوار کی دو تہائی ملے گی، اور ان کو ایک تہائی اور اگر یہ سب ان لوگوں کی طرف سے ہو تو پیداوار آدھ آدھ ہو گی۔

قطائع آراضی کی آباد کاری کی ایک شکل

اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے گورنروں کو آراضی کی آباد کاری کے بارے میں یوں فرمان جاری کیا تھا۔

"تمہاری طرف جو زمینیں بے کار اور خالی پڑی ہوئی ہیں، ان سب کو کاشتکاروں میں تقسیم کرو اور پیداوار کے نصف حصہ پر ان سے معاملہ کر لو، اور اگر وہ لوگ اس پر راضی نہ ہوں، تو پیداوار کا جتنا حصہ دینے پر وہ راضی ہو جائیں تو اتنے ہی پر معاملہ کرو، حتی کہ اگر دسواں حصہ خلافت کو دینے پر وہ راضی ہو جائیں، تو اسے بھی تسلیم کر کے انہیں زمین دے دو، اگر اس پر بھی وہ تیار نہ ہوں تو ان میں مفت زمین تقسیم کر دو اور اگر مفت زمین لینے پر وہ آمادہ نہ ہوں، تو سرکاری خزانہ کے اخراجات سے زمین پر کاشت کراؤ، لیکن کسی صورت میں زمین بے کار نہ رہنے دو اور نہ کسی سے زمین زبردستی چھینو"۔(۳۳)

مزارعت کی اس شکل میں اجتماعی اشترک کی ابتدائی جھلک نظر آتی ہے جو خلافت کی نگرانی میں پیدا ہوئی تھی، اسلامی تاریخ کے مطالعہ سے بات واضح ہو جاتی ہے، کہ آراضی کے معاملہ میں حکومتی اختیارات کچھ زیادہ ہی ہیں۔ اس لیے حکومت صوابدیدی اختیارات کو کام میں لاتے ہوئے قطائع دینے کی مجاز ہے۔ مگر ایسا کرنے میں اجتماعی معیشت میں استحکام ہی پیش نظر ہو۔ اس لحاظ سے قطائع، آراضی کی آباد کاری کی ایک بہتر شکل اہل فکر کا لکھنا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

الاقطاع اعطاء الارض لاحیاءِ سواء وجب فیه العشر او الخراج. (۳۴)

(ترجمہ) اقطاع کسی کو آبادکاری کے لیے زمین دینا ہے، خواہ اس میں عشر واجب ہو یا خراج۔

امام السند کا بیان ہے۔

وللسلطان اقطاعه علی الملك وكذا علی عدمه. (۳۵)

(ترجمہ) خلیفہ کو قطائع دینا جائز ہے۔ چاہے تو زمین کا مالک دے چاہے تو نہ بنائے، صرف انتفاع کا موقع دے۔

قاضی ابو بکر بن علی شارح ترمذی کا کہنا ہے۔

''اقطاع'' ہبہ ہے جس میں ایک کا حصہ دوسرے شرکاء سے جدا کر دیا جاتا ہے کیونکہ اصولاً آراضی میں تمام لوگ برابر کے شریک ہیں''۔(۳۶)

ان تصریحات سے واضح ہو جاتا ہے، کہ خلافت الہٰیہ میں قطائع سے قومی مفادات کی غرض وابستہ تھی، اور اسکی آبادکاری ہی مقصود تھی، قطائع کی آراضی کی نوعیت سے بھی یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے، اس طور پر اکثر وہ زمین دی جاتی تھی، جو آبادکاری کی محتاج ہوتی، اور یہ کہ قطیعہ بھی اس قدر دینے کا رواج تھا، جس کی آبادکاری دیئے جانے والے سے ممکن ہوتی، اس بارے میں شاہ صاحب رقمطراز ہیں۔

ولا یقطع الا قدرا یتاتی العمل علیه. (۳۷)

(ترجمہ) یعنی اس مقدار کا قطیعہ دیا جائے جس پر کسی شخص کا کام کرنا آسان ہو۔

شاہ صاحب ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

امام رابابد کہ اقطاع کند بقدر حاجت (۳۸)

(ترجمہ) خلیفہ کو چاہیے کہ بقدر ضرورت قطیعہ دے۔

یہی وجہ ہے کہ جب بھی قطائع میں اجتماعی معاشی ترقی کی روح کا فقدان ہوا، تو اسے واپس لینے کی مثالیں بھی تاریخ میں ملتی ہیں، اس ضمن میں ''کتاب الاموال'' میں ایک واقعہ یوں ثبت ہے۔

''صدیق اکبرؓ نے حضرت طلحہؓ کو قطیعہ دیا، اور اس پر چند لوگوں کو گواہ بنا کر حکم نامہ ان کے حوالہ کر دیا، ان گواہوں میں حضرت عمرؓ کا نام بھی تھا۔ حضرت طلحہؓ حسب دستور حضرت عمرؓ کے پاس حکم نامہ پر دستخط کرانے کے لیے گئے، تو انھوں نے یہ کہہ کر دستخط کرنے سے انکار کیا''۔

آھذا کله لك من دون الناس؟

(ترجمہ) کیا یہ سب آپ ہی کو مل جائے اور دوسرے لوگ محروم رہیں؟

اس کے بعد حضرت طلحہؓ صدیق اکبرؓ کے پاس آئے اور کہا۔

والله مادری آانت خلیفه ام عمر؟

(ترجمہ) اللہ کی قسم میں نہیں سمجھ سکا کہ خلیفہ آپ ہیں یا عمرؓ۔

لھذا زمینوں کی الاٹمنٹ میں بنیادی مقصد زمینوں کی آبادکاری ہی ہے، جیسا کہ مذکورہ واقعات سے یہ بات عیاں ہے۔ خلیفہ رسول ﷺ نے اپنے اسوہ سے بھی یہ سمجھائی ہے، ایک اور واقعہ میں آپؐ نے ایک شخص کو زمین دی تھی، حضرت عمرؓ نے زمین کے آباد شدہ حصہ کو چھوڑ کر بقیہ زمین واپس لے لی۔(۳۹)

ان واقعات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ خلافت الہٰیہ میں زمینوں کی الاٹمنٹ میں ہمیشہ قومی مفاد ہی پیش نظر رہتا تھا۔ اسلامی فلسفہ حیات اس بات کی اجازت نہیں دیتا، کہ انسانی قویٰ یا زمینی صلاحیتوں کو بے کار چھوڑ اجائے، زمینی صلاحیتوں کی بہتر استعمال کی صورت یہی ہے، کہ اسے مناسب اہل کار کے سپرد کیا جائے، اور اگر کہیں کسی بھی انداز سے اس مقصد پر زد آتی ہو، تو حکومت وقت کو اس کی واپسی کا پورا پورا اختیار حاصل ہے۔(۴۰)

چونکہ حکومت الہٰیہ میں زمین اور جائیداد پر کسی کا قبضہ ہونے کا صرف یہ مطلب ہے، کہ قابض کو اس کے استعمال کا حق حاصل ہے، یہ امانت اس کے قبضہ میں یا حق استعمال اس کے پاس اس وقت تک باقی رکھا جاتا ہے، جب تک خلق خدا کے مفاد میں وہ خلافت کا ہاتھ بٹا سکے، اور ایسی فضاء پیدا کرنے میں مددگار رہے، جو مخلوق کی خوشحالی اور ترقی کی ضامن ہو۔ لیکن جب اس میں خلاف ورزی ہونے لگے یا

toobaa-elibrary.blogspot.com

امانت میں خیانت کا اندیشہ پیدا ہو جائے، تو خلافت کو اسے وہیش زمین سے بے دخل کرنے کا اختیار حاصل ہے، خلافت کے اس اقدام میں نہ حقوق ملکیت کا گورکھ دھندا حائل ہوتا ہے، نہ جذباتی چیزیں رکاوٹ بن سکتی ہے۔

عصر حاضر میں زمینوں کی الاٹمنٹ کے حوالہ سے اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ ایک احتسابی کمیشن کی تشکیل ہو، جو آراضی کی الاٹمنٹ میں بے ضابطگیوں کا تعین کرے، اور شرعی بورڈ ہو، جو آراضی پاکستان کی خراجی یا عشری نوع کی تعین کرے، اول الذکر صورت میں موجودہ مزارعت اور نظام زمینداری میں انقلابی تبدیلی آجائے گی، کیونکہ اسلامی حکومت کی آمدنی کی سب سے بڑی مد خراجی زمین قرار پائے گی۔ حتی کہ مزید ٹیکس عائد کرنے کی ضرورت بھی پیش نہیں آیگی، کیونکہ اسلامی قانون میں عام مفتوحہ ممالک جن میں برصغیر پاک وبھارت کی زمینیں شامل ہیں، خراجی کے ذیل میں آتی ہیں۔ تمام اسلامی ادوار میں اس پر عمل ہوتا رہاہے، یہاں تک کہ ۱۷۹۳ء انگریزوں نے بنگال کے بندوبست دوامی کے ذریعہ یہاں کی آراضی کی حیثیت بدل دی، اور غیر حاضر زمینداروں کا ایک طبقہ پیدا کر دیا، ان زمینداروں نے اپنی طرف سے عشر ادا کرنا شروع کیا چونکہ خراجی زمین عشری نہیں بن سکتی، اس لئے تاحال ان آراضی کی حیثیت خراجی ہے۔ فتویٰ دارالعلوم دیوبند میں یہی تفصیل ملتی ہے۔

دوسرا امر یہ کہ دیکھا گیا ہے، کہ نوآبادیاتی دور میں بدیسی حکمرانوں نے اپنے مفادات کے تحفظ کیلئے مخصوص خاندانوں کو خوب نوازا، جس کے نتیجہ میں موجودہ نظام نے تشکیل پایا۔ اس طرح تفاوت اموال اور دیگر مسائل پیدا ہوئے، مذکورہ بورڈ یا کمیشن یہ جائزہ لے کر فیصلہ دے، پھر شرعاً و عقلاً ان کی اس قدر املاک جائز بھی قرار دی جاسکتی ہے یا نہیں، یہ امر تحقیق طلب ہے، اس کے دوررس نتائج سامنے آئینگے۔

آراضی کی آبادکاری کی دوسری شکل

مزارعت کی ایک اور شکل جس میں فریقین میں سے ایک صاحب زمین ہوتا ہے، دوسرا کاشتکار۔ یہ امداد باہمی کی ایک شکل ہے۔ اس میں اگر صاحب زمین کسی معقول وجہ سے کاشتکاری سے قاصر ہے، تو آیا بٹائی (مزارعت) پر معاملہ کیا جاسکتا ہے، یا نہیں؟ اس کی حیثیت متعین کرنا

تحقیق طلب ہے، چونکہ مزارعت میں صاحب زمین اجتماع کی بجائے فرد ہوتا ہے، اس لیے یہ معاملہ کچھ حساس نوعیت کا ہے، اس کی حیثیت متعین کرنے کے لیے دو باتیں قابل توجہ ہیں۔

ا: قرون اولی میں مزارعت کی نوعیت کیا تھی۔

ب: قرون اولی میں مزارعت کی اجازت کن لوگوں کو حاصل تھی۔

ان بالا امور پر بحث کرنے سے پہلے اسلام کی تین بنیادی حقیقتوں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ حکومت الٰہیہ میں زمین، بلکہ ہر چیز کا مالک حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے، اور انسان بحیثیت "امین" اس کے استعمال پر مامور ہے۔ (۴۱)

۲۔ ملکیت زمین دائمی اور لازوال نہیں، بلکہ جب تک اس میں کسی بھی شخص کی سعی وجہد سے آثار کا ظہور رہے، تو ملکیت قائم ہے، ورنہ ملکیت جاتی رہے گی، کیونکہ زمین بے کار پڑی رہنے سے نفع خلق کا پہلو مفقود ہو جاتا ہے۔ (۴۲)

۳۔ زمانہ سلف میں زمین ذاتی وقار اور اقتدار بڑھانے کے لیے کسی کو نہیں دی جاتی تھی، بلکہ پیداوار حاصل کر کے مفاد خلق کے لیے مفید ثابت ہونے والے اشخاص ہی اس کے مستحق سمجھے جاتے تھے۔ اب دیکھنا یہ ہے، کہ زمانہ خلافت میں مزراعین کون لوگ تھے۔

اس سلسلے میں جب تاریخ کا مطالعہ کیا جاتا ہے، تو بالعموم دوسروں سے کاشت کرانے والے وہی ملتے ہیں، جن کو مفاد عامہ کی کوئی خدمت سپرد ہوتی تھی، اور اس حالت میں وہ دوسروں کو کاشت کے لیے زمین دیا کرتے تھے، جبکہ وہ قومی فرائض کی بجاآوری یا کسی اور وجہ سے خود کاشت کرنے سے معذور ہوتے تھے۔ (۴۳)

علاوہ ازیں زمانہ خلافت کی یہ ایک مسلمہ حقیقت تھی، کہ نہ کسی کو بے کار رہنے دیا جاتا تھا، اور نہ کسی کو دوسرے کی محنت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا موقع فراہم کیا جاتا تھا۔ ظاہر بات ہے، کہ جب اس قسم کا نظام قائم کرنا مطلوب ہو تو زمین کو زیر کاشت لانے کی دو ہی صورتیں ممکن تھیں۔ خلافت نے کہیں پہلی حالات و ظروف کی مناسبت سے دوسری شکل کو ترجیح دی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

مزارعت کی اس موخرالذکر نوع کے بارے میں قاضی ابو یوسف کا قول یہ ہے۔

وھو عندی جائز علی ما اشترط علیه وعلی ما جاءت به الاثار.(٤٤)

(ترجمہ) میرے نزدیک مزارعت انہی شرطوں کے ساتھ جائز ہے، جو آثار سے ثابت ہیں۔

مزارعت میں شرائط وحدود کی رعایت سے مراد باہمی تعاون و تشارک کا جذبہ ہے۔ اور یہ بنیادی عنصر ہے کہ اس کے مفقود ہو جانے سے مزارعت کی حقیقت ہی بدل جاتی ہے یہی وجہ ہے، کہ اگر کاشتکار کی مجبوری و بے بسی صاحب زمین کے ازدیاد دولت کا سبب بنے، یا فریقین میں سے کسی بھی ایک طرف سے ظلم و بددیانتی پائی جائے' تو فقہ اسلامی کا یہ فیصلہ ہے۔

فلھذا ینبغی تحذیر الناس من المزارعه التی یترتب علیھا حرمان العامل من کده واستغلال المالك اياه لحاجة.(٤٥)

(ترجمہ) مزارعت کی ان شکلوں سے منع کر دینا مناسب ہے، جو کاشتکاروں کو ان کی محنت سے محروم کر دیں اور صاحب زمین کو کاشتکار کی محنت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا موقع فراہم کریں۔

یہی مفسدات تھے' جنہیں آنحضرت ﷺ کی باریک بین فراست نے بھانپ لیا' اور آپ ؐ نے مزارعت اور اس کی متنوع صورتوں کو ناپسند فرما کر زائد از ضرورت زمین ہبہ کرنے کی ترغیب دی۔ اس ضمن میں جو روایات آپ ؐ سے مروی ہیں' وہ یہ ہیں۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

من کانت له ارض فلیزرعھا او لیزرعھا اخاه ولا یکریھا.(٤٦)

(ترجمہ) جس کے پاس زمین ہو' وہ اس پر خود کاشت کرے' یا پھر اپنے بھائی کو دے دے اور کرایہ نہ لے۔

حضرت جابرؓ سے ایک روایت زائد از ضرورت زمین کے بارے میں یوں مروی ہے۔

فمن کانت له ارض فلیھبھا او لیعرھا.(٤٧)

(ترجمہ) جس کے پاس زمین ہو' وہ اس کو ہبہ کر دے یا عاریۃً دے دے۔

اس طرح کے اقوال رافع بن خدیج سے مروی ہیں، راوی نقل کرتے ہیں۔

کان رسول الله ﷺ ینھی عن کراء الارض.

(ترجمہ) رسول اللہ ﷺ نے زمین کو کرایہ پر دینے سے منع فرمایا۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی اس مفہوم کی روایات ثابت ہیں' وہ فرماتے ہیں۔

قال رسول الله ﷺ من کانت له ارض فلیزرعھا او لیمنحھا اخاه فان ابی فلیمسك ارضه.(٤٨)

(ترجمہ) جس کے پاس زمین ہو' وہ اس میں کھیتی کرے' یا اپنے بھائی کو احساناً دے دے اور اگر وہ نہ لے' تو اپنی زمین پڑی رہنے دے۔

عدم جواز مزارعت کے مضامین پر مشتمل ان روایات کی روشنی میں امام ابو حنیفہؒ نے مزارعت کی ہمہ شکلوں کو ناجائز قرار دیا۔ جبکہ امام ابو یوسف نے اس کی بعض شکلوں کو جائز قرار دیا۔ معاصر محقق مولانا طسین "بھی مروجہ کاشتکاری کی جملہ صورتوں کو ناجائز اور حرام کے معاملات میں سے شمار کرتے ہیں۔ فاضل محقق کے الفاظ اس ضمن میں یہ ہیں۔

"بہر حال غور اور تجزیہ در تجزیہ کر کے دیکھا جائے' تو معاملہ مزارعت اپنی حقیقت وماہیت اور اپنے مضمرات ومقتضیات کے لحاظ سے معاملہ ربوا کے مشابہ ہے' جو کہ قرآن حکیم کی رو سے حرام ہے' لہٰذا معاملہ مزارعت کا حکم اولیٰ اور غیر اولیٰ کی بحث نہیں بلکہ حرمت وحلت کا معاملہ ہے"۔(۴۹)

مزارعت کے بارے میں فاضل محقق کا فیصلہ مبنی بر مصلحت تو قرار دیا جا سکتا ہے، جہاں تک دلائل اور آثار کا تعلق ہے، ان کی روشنی میں اس نوع کے فیصلہ سے اختلاف کیا جا سکتا ہے، اور علماء کی ایک بڑی جماعت مزارعت کے جواز کی قائل رہی ہے، اس وقت ضمن میں شاہ ولی اللہ کے افکار کی روشنی میں اس کی وضاحت کچھ یوں ہیں۔

شاہ صاحب اور مزارعت کا حکم۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

مزارعت کے بارے میں شاہ صاحب کا ایک فتوی یوں منقول ہے، آیا مخابرہ (یعنی پیداوار کے بعض حصہ کی شرط پر زمین پر کام کرنا اس انداز سے کہ زمین ایک کی ہو' اور بیج اور محنت دوسرے کی نیز مزارعت یعنی پیداوار کے بعض حصہ کی شرط پر زمین پر کام کرنا اس انداز سے کہ زمین اور بیج ایک کی اور عمل دوسرے کا ہو' جائز ہے' یا ناجائز)؟

اس سوال کا جواب شاہ صاحب ان الفاظ میں دیتے ہیں۔

''میل ایں فقیر دریں مسئلہ بمذہب امام احمدؒ از جواز مہر دواست''۔(۵۰)

ایک مقام پر شاہ صاحب مزارعت کو نہ صرف جائز بلکہ متمدن معاشرہ کی ضرورت قرار دیتے ہیں' وہ مزارعت کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں۔

''لوگوں میں خلقی طور پر مساوات نہیں ہے' ان کی طبیعتوں میں اختلاف ہے صلاحیتوں اور استعدادوں میں فرق ہے، اس لیے صالح سوسائٹی کے قیام کے لیے افراد میں باہمی تعاون اور غم خواری کا پیدا ہونا ضروری ہے، کیونکہ ہر شخص اپنی ضرورتوں کے رفع کرنے کے لیے دوسرے کا محتاج ہوتا ہے۔ بسا اوقات ایک شئی کسی کے پاس موجود ہوتی ہے، لیکن اسے کار آمد بنانے کے لیے دوسرے شخص کی ضرورت پڑتی ہے، مثلاً زمین کسی کے پاس ہوتی ہے۔ لیکن جوتنے اور بونے کا سامان اس کے پاس نہیں ہوتا۔''(۵۱)

لہٰذا شاہ صاحب واضح طور پر مزارعت کے جواز کے قائل ہیں، ایک اور جگہ بھی شاہ صاحب اس ضرورت پر یوں روشنی ڈالتے ہیں۔

ذهب عامة اهل العلم الى جواز كراء الارض بالدراهم والدنانيز وغيرها من صنوف الاموال.(۵۲)	(ترجمہ) اہل علم کی ایک بڑی جماعت زمین کو درہم و دینار اور دوسرے اموال کے بدلہ میں کرائے پر دینے کو جائز قرار دیتی ہے۔

ان ارشادات کی روشنی میں یہ واضح ہے کہ شاہ صاحب کے ہاں مزارعت نہ صرف مشروع ہے' بلکہ تعاون باہمی کی ایک بہتر شکل ہے، یہاں مزارعت کی بحث میں یہ بیان کرنا خالی از فائدہ نہیں کہ عدم جواز مزارعت والی آحادیث کا چرچا کب اور کیوں ہوا؟

عدم جواز مزارعت والی احادیث کا چرچا کب اور کیوں ہوا؟

مزارعت کے بارے میں یہ پہلو قابل لحاظ ہے کہ عہد نبوی ﷺ تا عہد صدیقیؓ زمینوں کی بٹائی اور کرایہ دونوں طریقوں پر عمل ہوتا رہا' مگر امیر معاویہؓ کے دور میں عدم جواز مزارعت کا مسئلہ بڑی شدومد کے ساتھ پیش کیا گیا' اور جلیل القدر صحابہؓ رافع بن خدیج جابر بنؓ عبد اللہؓ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کی حدیثیں' فضاء میں گردش کرنے لگیں۔ غور کے بعد یہی معلوم ہوتا ہے کہ عدم جواز مزارعت کی حدیثیں امیر معاویہؓ کے دور سے پہلے بھی گاہے بگاہے ضرور بیان ہوتی ہوں گی' مگر ان کے چرچا کی ضرورت اس لیے پیش نہیں آئی کہ ان ادوار میں مسلمانوں میں ایثار کا جذبہ موجود تھا۔

لوگ اکثر فاضلہ زمین بٹائی یا کرایہ پر دیتے تھے، تو ایسے لوگ بھی موجود تھے، جو اپنے بھائی کو مفت زمین دیتے تھے۔ چونکہ مسلمانوں میں افراط زر کا مسئلہ دور عثمانی میں پیدا ہوا، اس دور میں جب مسلمانوں میں وافر دولت آگئی۔ تو فاضلہ دولت سے مسلمانوںؓ نے زمین کو خریدنا شروع کیا۔ اس صورتحال سے جہاں ایک طرف جاگیرداری نظام وجود میں آیا وہاں دوسری طرف مسلمانوں نے جواز مزارعت کا سہارا لے کر محتاج و مفلس کاشت کاروں کو بھی اپنی زمین مفت میں دینا یکسر بند کر دی۔ اس دوہرے عمل نے جب طبقاتی تقسیم کو بھی جلا بخشی اور نتیجۃً زمین کی قیمت کے ساتھ غلہ کی قیمت میں بھی اضافہ ہوا' تو ایسے حالات میں عدم جوار مزارعت کی آحادیث پوری قوت سے نشر کی گئیں۔ مگر ان آحادیث میں مزارعت کو یکسر حرام نہیں کیا گیا۔(۵۳)

المختصر شاہ ولی اللہؒ کے سامنے قرآن وحدیث کی تعلیمات بھی تھیں' مسلم علماء کے افکار بھی اور مسلمانوں کے ماضی اور خاص طور پر ہندوستان کے مسلمانوں حالت بھی!! ایسے حالات میں آپ نے کاشتکاروں کے ان معاہدوں کو ''معاونت اور تعاون باہمی'' کی شکلیں قرار دے کر اس کی تصویب فرمائی اور بتایا، کہ جب تک دونوں شرکاء معاشرتی انصاف کی اساس پر کاربند رہیں گے، تو کاشتکار اور مالک زمین دونوں کی روزی بہتر طور پر چلے گی' اور جب کسی طرف سے بھی اس میں خرابی واقع ہو گی' تو معاشرتی زندگی میں اس کے آثار دیکھنے میں آئیں گے۔ اس لیے زمین سے متعلق متنوع معاہدوں مزارعت' مخابرہ اور اجارہ وغیرہ کی صورتیں جائز ہیں، البتہ زمینداری اور جاگیرداری کا وہ نظام جس میں کاشتکار پر ظلم ہوتا

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہو وہ شاہ صاحب کے نزدیک باطل اور قابل نفرت ہے۔ اس کو شاہ صاحب بار بار قیصر و کسروی نظام سے یاد کرتے ہیں اور شاہ صاحب اس نظام پر یوں تنقید کرتے ہیں۔

"زمیندار جب عیش و آرام میں رہنے لگتا ہے تو اس عیش کے لیے اپنے مزارعین پر رواج اور رسوم اور دیگر ناموں سے بھاری ٹیکس لگا دیتا ہے تاکہ مزارعہ کے پاس دولت کم رہے اور وہ خود پیداوار کا اکثر حصہ اپنے گھر لے جاتا ہے"۔

ان ٹیکسوں کی وصولی میں وہ سختی سے پیش آتا ہے۔ اگر وہ پھر بھی ادا نہ کریں تو ان سے لڑائی جھگڑا کرتا ہے اور طرح طرح کی تکلیفیں دیتا ہے۔ ان کو حیوانوں کی طرح سمجھنے لگتا ہے اور اپنی فصلوں کو پانی دینے، فصل اگانے اور کاٹنے کے ولیے استعمال کرتا ہے۔ انہیں صرف اس قدر دیتا ہے کہ وہ زندہ رہ سکیں اور آرام بھی اتنا دیتا ہے؛ کہ وہ پھر کام کے لیے تازہ دم ہو جائیں۔

لہٰذا مزارعت میں اگر تعاون باہمی کا عنصر ہو تو متمدن زندگی کا حصہ ہے اور اگر اس میں انسانی محنت کا استحصال ہو، ظلم کا پہلو غالب ہو اور روحِ عدل سے عاری ہو' تو یہ ظلم اور غیر مشروع معاملہ ہو گا۔

اس بارے میں حتمی فیصلے کے لئے اسلامی ریاست کے اصحاب حل و عقد کی عدالت کا اعتبار ہو گا، اس لئے کہ وہ ملکی حالات کے تناظر میں اسکی حیثیت متعین کرنے کے مجاز ہیں، اور اس کے اطلاق سے متعلق بھی وہی قوت نافذہ ہیں۔ واللہ اعلم باالصواب۔

حواشی

(۱)۔ دھلوی "حجۃ اللہ البالغہ" ج۲، ص۶۹۔

(۲)۔ دھلوی "حجۃ اللہ البالغہ" ج۲، ص ۱۱۷۔

(۳)۔ دھلوی "حجۃ اللہ البالغہ" ج۲، ص ۱۰۳۔

(۴)۔ دھلوی "حجۃ اللہ البالغہ" ج۲، ص ۱۱۱۔

(۵)۔ حوالہ سابق۔

(۶)۔ حوالہ سابق۔

(۷)۔ دھلوی "حجۃ اللہ البالغہ" ج۲، ص ۱۰۴۔

(۸)۔ حوالہ سابق۔

(۹)۔ حوالہ سابق۔

(۱۰)۔ حوالہ سابق۔

(۱۱)۔ حوالہ سابق۔

(۱۲)۔ دھلوی "حجۃ اللہ البالغہ" ج۲، ص۱۱۵۔

(۱۳)۔ دھلوی "حجۃ اللہ البالغہ" ج۲، ص ۴۳۔

(۱۴)۔ دھلوی "حجۃ اللہ البالغہ" ج۲، ص۱۱۵۔

(۱۵)۔ حوالہ سابق۔

(۱۶)۔ دھلوی "حجۃ اللہ البالغہ" ج۲، ص۱۱۶۔

(۱۷)۔ دھلوی "حجۃ اللہ البالغہ" ج۲، ص۱۱۰۔

(۱۸)۔ حوالہ سابق۔

(۱۹)۔ حوالہ سابق۔

(۲۰)۔ سورۃ المائدہ آیت ۲۔

(۲۱)۔ سورۃ النساء آیت ۲۱۔

(۲۲)۔ علامہ جزیری ،، کتاب الفقہ علیٰ المذاهب الاربعة ،، مطبع دار الدعوۃ، استانبول، ترکیہ، ج۲، ص۳۰، ت،ن (باب فن المعاملات)

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۲۳)۔ حوالہ سابق۔

(۲۴)۔ سورۃ المائدہ آیت : ۹

(۲۵)۔ دھلوی "حجۃ اللہ البالغہ" ج ۲، ص ۱۰۳۔

(۲۶)۔ دھلوی "حجۃ اللہ البالغہ" ج ۲، ص ۱۱۷۔

(۲۷)۔ حوالہ سابق۔

(۲۸)۔ دھلوی "البدور البازغۃ" ص ۷۰۔

(۲۹)۔ الشامی ابن عابدین محمد امین "ردالمحتار" ایچ ایم سعید کراچی، ۱۹۸۰ء، ج ۵، ص ۱۸۶۔

(۳۰)۔ الفتاویٰ الھندیہ "مطبوعہ داراحیاء التراث العربی، بیروت" الطبعۃ الرابعۃ، ج ۵، ص ۲۳۵۔

(۳۱)۔ السھیلی عبدالرحمن بن عبداللہ،، الروض الانف وھامشہ السیرت النبویؐ لابن ھشام، مصطفےٰ البابی، مصر، ج ۲، ص ۲۴۶۔

(۳۲)۔ یحیٰ "کتاب الخراج" ج ۲، ص ۳۰۔

(۳۳)۔ حوالہ سابق۔

اس فیصلہ کے نتیجہ میں اس قسم کے تمام عقود فاسدہ کا ایک اقتصادی حل نکل آتا ہے۔ یہ فتویٰ بذات خود صاحب فتویٰ کی باریک بینی اور پیچیدہ اقتصادی معاملات میں بلندیٔ خیالی کا مظہر ہے۔

(۳۴)۔ کشمیری محمد انور شاہ "فیض الباری" خضر راہ بک ڈپو، دیوبند، ج ۳، ص ۳۰۸۔

(۳۵)۔ دھلوی "مسوی، شرح موطاء، الجمعیۃ بک ڈپو، رحیمیہ کتب خانہ، دیوبند ۱۹۴۰ء، ج ۱، ص ۴۰۵۔

(۳۶)۔ حوالہ العینی محمود ابن احمد "عمدۃ القاری" ادارہ الطبعۃ المنیریہ، بیروت، ج ۶، ص ۳۶۔

(۳۷)۔ دھلوی مسوی "شرح موطاء" ص ۰۵۔

(۳۸)۔ دھلوی "مصفےٰ" "شرح موطاء (فارسی)،، ص ۴۰۵۔

(۳۹)۔ ابو عبید کتاب الاموال، ص ۲۸۳۔

(۴۰)۔ قریشی یحیٰ بن آدم،، کتاب الخراج۔

(۴۱)۔ سورۃ البقرہ،، آیت، ۲۹۔

(۴۲)۔ محمد طٰسین،، مروجہ نظام زمینداری اور اسلام، مجلس علمی کراچی، بار اول ۱۹۹۰ء ص ۷۲۔

(۴۳)۔ حوالہ سابق

(۴۴)۔ ابو یوسف "کتاب الخراج" ص ۹۱۔

(۴۵)۔ علامہ جزیری "کتاب الفقہ علی المذاھب الاربعۃ" مطبعہ دارالدعوۃ، استانبول، ترکیہ،

(۴۶)۔ ابوالحسین مسلم بن، حجاج "الصحیح المسلم" "کتاب المزارعۃ،، دارالفکر، ج ۴۔

(۴۷)۔ حوالہ سابق۔

(۴۸)۔ البخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل "الصحیح البخاری" ایم ایچ سعید کراچی، ۱۹۷۵ء ج ۱ ص ۳۱۵۔

(۴۹)۔ محمد طٰسین "مروجہ نظام زمینداری اور اسلام" مجلس علمی کراچی، (مقدمہ)۔

(۵۰)۔ دھلوی "مصفےٰ" "شرح موطاء، ص ۴۰۵۔

(۵۱)۔ دھلوی "البدور البازغہ" ص ۷۰۔

(۵۲)۔ دھلوی "مسوی، شرح موطاء" ص ۴۰۷۔

(۵۳)۔ ملخص از کیلانی عبدالرحمن "اسلام میں فاضلہ دولت کا مقام" مکتبہ اسلام، لاہور، صفحات ۴۹۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب ہفتم

معاشی انحطاط

اور

اس سے بچاؤ کی تدابیر

toobaa-elibrary.blogspot.com

معاشی انحطاط اور اس سے بچاؤ کی تدابیر

شاہ ولی اللہؒ نے جس طرح انسانی معاشرہ کی مختلف منازل کی تشکیل اور ترقی کے اسباب پر گفتگو کی ہے، اسی طرح آپ نے ان معاشرتی اور معاشی امراض کی نشان دہی بھی کی ہے، جو اجتماع انسانی کو اندر ہی اندر دیمک کی طرح چاٹ جاتے ہیں۔

شاہ صاحب بتاتے ہیں، کہ معاشرہ کے حالات ہمیشہ یکساں نہیں رہتے، بلکہ اس میں ارتقاء و تنوع کا سلسلہ جاری رہتا ہے جو قانون فطرت کے عین مطابق ہے۔ معاشرہ میں موجود افراد ارتقاء سے حظ کرتے ہیں، اور روزمرہ حاجات کی تسکین میں اچھی سے اچھی اور نفیس ترین اشیاء کا انتخاب کرتے ہیں۔

اشیاء میں نفاست کی دوڑ غیر منتہی ہے، لہذا شاہ صاحب انسان کی بنیادی ضروریات لباس مکان، خوراک اور دوسری روزمرہ حاجات کے بارے میں حد اعتدال کی تعیین اور مناسب حد بندی کرتے ہیں۔ لباس کے بارے میں شاہ صاحب کی تعلیمات یہ ہیں۔

ایسے جملہ امور جو معاشرہ میں مسرفانہ زندگی اور معاشی عدم توازن کا سامان بن رہے ہوں، شاہ صاحب ان کی روک تھام پر زور دیتے ہیں، وہ رقمطراز ہیں۔

إعلم أن النبی صلے اللہ علیه وسلم نظر إلی عادات العجم وتعمقاتهم فی الإطمنان بلذات الدنیا فحرم رؤسها واصولها وکره مادون ذلك.

(ترجمہ) یاد رہے کہ نبی کریم حضور ﷺ نے عجم کی عادات اور دنیاوی لذتوں میں اطمینان کے حصول کے لئے ان کے تعمقات پر نظر کی، تو ان کی اصل اور جڑ کو بالکل حرام قرار دیا، اور اس کے علاوہ (دوسرے درجہ کے امور) کو ناپسند اور مکروہ قرار دیا۔

ا۔ لباس

لباس سے مقصود بدن ڈھانپنا اور زینت حاصل کرنا ہے۔ فخر کے لئے اسے استعمال نہ کریں۔

فمن تلك الرؤس اللباس الفاخره فإن ذالك أكبر هممهم واعظم فخرهم.... قال علیه السلام لاینظر اللہ یوم القیامة إلی من جرازاره بطرا...وقال علیه السلام فی حق المرء من لبس الجنس المستغرب الناعم من الثیاب ومن لبس الحریر فی الدنیا لم یلبسه یوم القیامة وایضا نهی النبی ﷺ عن لبس الحریر والدیباج وعن لبس القسی والمیاثر والأرجوان ورخص فی موضع الإصبعین أوثلاث (۱)

(ترجمہ) ان پر تکلیف اشیاء میں سے ایک لباس فاخرہ ہے، لباس سے مقصود بدن ڈھانپنا اور زینت حاصل کرنا ہے۔ جبکہ اکثر لوگوں کا مقصود یہ نہیں ہوتا، بلکہ لوگ سب سے زیادہ فخر اسی پر کرتے ہیں، اور اس سے مقصود اپنی مالداری کی نمائش کرنا رہ جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، قیامت کے روز اللہ تعالی اس شخص کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا، جو تکبر کے باعث تہبند کو گھسیٹتا چلے، لباس میں بے جا تکلف کی ایک صورت یہ بھی ہے، کہ کپڑے کی نرم، عمدہ اور نادر ریشم کی قسم استعمال میں لائی جائے، چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا، جس نے دنیا میں ریشم کا لباس پہنا، قیامت کے دن اسے یہ نہیں پہنایا جائے گا۔ یہ بھی آنحضرت ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے حریر، دیباج، قسیی، میاثر اور ارغوان جیسے قیمتی کپڑوں کے استعمال سے منع فرمایا ہے البتہ دو یا تین انگلیوں کے برابر ایسا کپڑا استعمال کرنے میں رخصت ہے۔

واضح ہو، کہ نہایت تیز زعفرانی لباس جس میں فخر و نمود کا پہلو غالب ہو، ممنوع ہے، اس طرح روزمرہ استعمال کے برتن میں بھی اعتدال مناسب ہے۔ سونا چاندی کے برتن استعمال کرنا حرام ہے۔ لباس سادہ ہو، پھر یہ سادگی صرف لباس تک ہی محدود نہیں بلکہ دوسرے ملبوسات سونا چاندی کے استعمال میں بھی اعتدال کی تعلیم دی گئی ہے۔ عورت کے حق میں دونوں اجناس زیورات سونا چاندی اور مرد کے حق میں انگوٹھی کے برابر، چاندی کا استعمال جائز ہے۔ لباس میں بے اعتدالی سے کئی مسائل جنم پاتے ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۲۔ گھر اور تعمیرات کی نوعیت۔

ایسا گھر جو سردی، گرمی (موسمی اثرات) سے محفوظ رکھے، اور اس کی فضا حسب ضرورت ہو، یہ تو بنیادی ضرورت ہے۔ البتہ اس میں زمانہ جاہلیت کی طرح بے جا تکلفانہ یا مسرفانہ زیبائش سے شاہ صاحب سختی سے منع کرتے ہیں اور اسے معاشی نقصان خیال کرتے ہیں وہ اس ضمن میں رقمطراز ہیں۔

ومنها التطاول في البنيان وتزوين البيوت وزخرفتها فكانوا يتكلفون في ذالك غاية التكلف ويبذلون أموالا خطيرة فعالجه النبي ﷺ بالتغليظ الشديد وقال عليه السلام ان كل بناء وبال على صاحبه إلا مالا (يعني مالا بد منه) وقال عليه السلام إن الله لم يامرنا ان نكسوا الحجارة والطين (۲)

(ترجمہ) ان (اہل عجم) کی ایک بڑی خرابی بلند وبالا عمارات کی تعمیر تھی، اور مکانات کو نقش ونگار اور رنگوں سے مزین کرنا تھی، وہ اس سلسلہ میں بہت تکلف سے کام لیتے تھے، اور گھر کی زینت پر کثیر اموال خرچ کرتے تھے، چنانچہ حضور ﷺ نے شدید زجر وتوبیخ کے ساتھ اس کی ممانعت کی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہر عمارت، عمارت بنانے والے کے لئے وبال ہے، سوائے اس کے جس سے چارہ کار نہ ہو۔ اسی طرح آپ علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہمیں مٹی یا پتھر کو (کپڑے یا پردوں) پہنانے کا حکم نہیں دیا۔

اس طرح شاہ صاحب نے دیواروں کی آراستگی وتصویر کشی کے بارے میں تفصیل سے بتایا اور اسے عجمی عادات اور ناپسندیدہ حرکات میں سے شمار کیا۔

۳۔ خوراک سے متعلق ہدایات۔

خوراک کے معاملے میں صفائی اور صحت کے اصولوں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے، سادہ کھانا سادہ طریقے سے تناول کرنے کے متعلق شاہ صاحب درج ذیل حدیث نقل کرتے ہیں۔

إعلم أن النبي ﷺ بعث في العرب عاداتهم أوسط العادات ولم يكونوا يتكلفون تكلف العجم والأخذ بها أحسن وأدنى أن لا يتعمقوا في الدنيا ولا يعرضوا عن ذكر الله۔ (۳)

(ترجمہ) یاد رکھو! آنحضرت ﷺ کو عرب میں مبعوث کیا گیا، جن کی عادات خورد ونوش میں توسط اور میانہ روی تھی، وہ لوگ عجمی متمدن اقوام کی عادات کے خوگر نہ تھے، ان کا طریقہ زندگی سادگی کی وجہ سے بہت عمدہ تھا۔ کیونکہ تکلفات کی وجہ سے انسان عیش پرستی میں مبتلاء ہو کر یاد الٰہی سے غافل ہو جاتا ہے۔

۴۔ معیار زندگی اور اس میں جادہ عدل۔

بالا تفصیل سے واضح ہوا کہ شاہ صاحب تمدن کی انتہائی حدوں کی نشاندہی کر کے ان دونوں کے درمیان حد متوسط جو اکثر سماج کے لئے قابل عمل ہے، کو اختیار کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ دراصل لوازمات زندگی سے متعلق شاہ صاحب ایک اصولی بات "البدور البازغۃ" میں بیان کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ رفاہیت یعنی معاشی آسودگی کی تین ممکنہ صورتیں اولاً رفاہیت بالغہ، ثانیاً رفاہیت ناقصہ اور ثالثاً رفاہیت متوسطہ ہیں۔ جب افراد انسانی عیش وعشرت طلبی اور تن آسانی کی زندگی بسر کرنا شروع کر دیتے ہیں، اور خوراک، لباس، مکان اور دیگر ضروریات کو پورا کرنے کے لئے زر کثیر خرچ کرتے ہیں، اور بے جا و ناروا تصرفات سے ملک وقوم کی دولت برباد کرتے ہیں، عصر حاضر کی زبان میں وہ **VIP** کلچر کا شاخسانہ بنتے ہیں، تو یہ "رفاہیت بالغہ یا ترفہ" کا نمونہ ہوتا ہے۔ اور جب لوگ ارتفاقات (لوازمات زندگی) میں اس قدر پست ہوں کہ ان کا معیار زیست اور طریق حیات حیوانوں کی مانند ہو، تو وہ لوگ "رفاہیت ناقصہ" کی حالت میں ہوتے ہیں اور جو لوگ افراط کی طغیانیوں اور تفریط کی تنگیوں سے اپنے دامن کو بچا کر اعتدال وتوازن کی زندگی بسر کرتے ہیں تو وہ "رفاہیت متوسط" ہے۔ شاہ صاحب تمام افراد انسانی کو رفاہیت متوسطہ میں دیکھنے کے آرزومند ہیں اور بقیہ دونوں مدارج کو خلاف انسانیت بتاتے ہیں، اور معاشی انحطاط قرار دیتے ہیں۔ (۴)

toobaa-elibrary.blogspot.com

۵۔ ضرورت سے زائد اشیاء جمع کرنے کا مرض۔

ضرورت سے زائد سامان دنیا اور مال جمع کرنے اور نمائش کرنے کا شوق بھی معاشی اونچ نیچ اور عدم توازن کا سبب بنتا ہے۔ شاہ صاحب اس مرض کا علاج "سماحت" تجویز کرتے ہیں، (۵) زائد از ضرورت اشیاء جمع کرنے کی مذمت کرتے ہیں۔

ومنها إقتناء عدد كثير من الدواب والفرش لايقصد بذلك كفاية الحاجة بل مرائة الناس والفخر عليهم فقال النبي ﷺ فراش للرجل وفراش لامرأته والثالث للضيف والرابع للشيطان وقال النبي ﷺ يكون ابل للشيطن وبيوت للشيطن (٦)

(ترجمہ) انہی (امور تعیش میں سے) یہ بھی ہے کہ آدمی کثرت کے ساتھ مویشی اور فرنیچر وغیرہ حاصل کرنے کی کوشش کرے، جس کا مقصد ضروریات کی تکمیل نہیں بلکہ لوگوں کے سامنے نمائش اور ان پر فخر کرنا ہوتا ہے، جناب رسول اللہ نے فرمایا ایک بستر مرد کے لئے، دوسرا اس کی بیوی کے لئے، تیسرا مہمان کیلئے اور چوتھا شیطان کیلئے ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کچھ اونٹ (سواریاں) شیاطین کے لئے اور کچھ گھر شیاطین کے لئے ہیں، (یعنی زائد از ضرورت)۔

اس کا حاصل یہ ہے، کہ املاک میں تا حد امکان کمی ایک مستحسن اقدام ہے، اس سے جلب املاک کا جذبہ فرو ہو جاتا ہے اور ناداروں کے ساتھ مواسات کے جذبات پروان چڑھتے ہیں۔

۶۔ عیش و عشرت اور اس کے معاشی مفاسد۔

شاہ صاحب نے معاشرے پر عیاشانہ زندگی کے تباہ کن اثرات کو پرزور الفاظ میں واضح کیا۔ اور بتایا ہے کہ اس کے اثرات ایک متعدی مرض کی طرح معاشرے کے پورے جسم کو کھوکھلا کر دیتے ہیں۔ شاہ صاحب مسرفانہ اور عیاشانہ طرز زندگی کو قوم کی ہلاکت بتاتے ہیں، درج ذیل پر شوکت تحریر میں ایسی زندگی پر کڑی تنقید کرتے ہیں۔

وكذلك من مفاسد المدن أن ترغب عظماء هم في دقائق الحلى واللباس والبناء والمطاعم وغير ذالك زيادة على ما يعطيه الإرتفاقات الضرورية التى لا بد للناس منها اجمع عليها عرب الناس وعجمهم . فيكسب الناس بالتصرف في الأمور الطبعية لتأتى منها شهواتهم فينتصب قوم الى تعليم الجوارى للغناء والرقص والحركات المتناسبة اللذيذة وآخرون إلى الألوان المطربة فى الثياب وتصوير صور الحيوانات والأشجار العجيبة والتخاطيط الغريبة فيها وآخرون الى الصناعات البديعة فى الذهب والجواهر الرفيعة وآخرون الى الأبنية الشامخة وتخطيطها وتصويرها (٧)

(ترجمہ) تمدن کی ایک بڑی خرابی یہ ہے، کہ کسی ملک کے اہل ثروت ارتفاقات ضروریہ سے تجاوز کر کے عیاشی کے لوازم کو فروغ دیں، مثلاً قسم قسم کے کھانوں کی تیاری، زرق برق لباس، انواع واقسام کے زیورات، سامان آرائش اور شاندار عمارات کو ترقی دینے کے لئے اپنی توجہات مرکوز کر دیں۔ چنانچہ لوگ امور طبعیہ میں تصرف کر کے ایسے کاروبار اختیار کرنے لگتے ہیں جن سے امراء وعظماء کی خواہشات پوری ہوں، لہذا کچھ لوگ لڑکیوں کو موسیقی، رقص اور متناسب ولذیذ جسمانی حرکات کی تعلیم دینے لگ جاتے ہیں کچھ کپڑوں میں بھڑکیلے رنگ اور نقش ونگار اجاگر کرنے میں مشغول ہو جاتے ہیں کچھ لوگ مصوری اور اشجار وحیوانات کی رنگا رنگ تصاویر بنانے میں مگن ہوتے ہیں اور کچھ سونے، چاندی اور جواہرات کے نئے ڈیزائن متعارف کرانے میں مصروف ہوتے ہیں جبکہ بہت سے لوگ بلند وبالا عمارات کی تعمیر وتزئین اور نقش ونگار میں اپنا کمال دکھاتے ہیں۔

شاہ صاحب بتاتے ہیں، کہ جب قوم کی اکثریت ان جیسے مہمل کاموں میں اپنی محنت ضائع کرنے لگتی ہے اور کاشتکاری، صنعت وحرفت اور تجارت جو معاش کو ترقی دینے والے شعبے ہیں، کی طرف سے توجہ ہٹ جاتی ہے، تو پورے معاشرے کو اس کے برے نتائج بھگتنے پڑتے ہیں۔ لہذا وہ ان

toobaa-elibrary.blogspot.com

جیسے ذرائع کسب کے اختیار کرنے والوں پر قدغن لگاتے ہیں، اور یہ پیشے تمدن وشہریت کے لیے تباہ کن گردانتے ہیں، آپ تحریر فرماتے ہیں۔

فإذا أقبل جم غفير منهم إلى هذه الأكساب أهملوا مثلها من الزراعات والتجارات وإذا أنفق عظماء المدينة فيها الأموال اهملوا مثلهامن مصالح المدينة وجر ذالك إلى التضييق على القائمين بالا كساب الضرورية ؟ وذالك ضرر بهذه المدينة يتعدى من عضوإلى عضو منها حتى يعم الكل ويتجارى فيها كما يتجارى الكلب في بدن المكلوب. (۸)

(ترجمہ) پس جب اکثر لوگ ان (فنون لطیفہ اور عیاشانہ) پیشوں میں مگن ہو جائیں، تو اسی مناسبت سے ضروری پیشے مثلاً زراعت وتجارت میں کمی آجائے گی اور اس قدر ملکی مصلحتوں میں کوتاہی ہو گی۔ یہ امور ملک کے لئے ایک موذی مرض ہیں جو اس کے ایک حصہ سے منتقل ہو کر دوسرے سرے تک پہنچ جائے گا اور آخر کار پورے ملک پر چھا جائے گا، جیسے دیوانے کتے کا زہر انسان کے پورے بدن میں سرائت کر جاتا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ شاہ صاحب پر تعیش زندگی، سماج کے لئے مہلک قرار دیتے ہیں، وہ ملکی ذرائع پیداوار مثلاً زراعت، صنعت وحرفت، تجارت جو ملکی خوشحالی کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں، کے شعبوں کو عیاشی کی بھینٹ ہرگز نہیں چڑھانا چاہتے۔ اس طرح غیر پیداواری ذرائعوں کی وہ پرزور انداز میں مذمت کرتے ہیں۔

۷۔ گراں بار ٹیکس۔

شاہ صاحب بتاتے ہیں، کہ عیاشانہ طرز زندگی کے اثرات صرف معاشرے کے ایک طبقے تک ہی محدود نہیں رہتے، بلکہ معاشرے کے تمام جوانب کو بری طرح متاثر کرتے ہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اعلی طبقہ کے لوگوں کے اخراجات جو رفاہیت بالغہ (**LUXURY**) کے دلدادہ ہوتے ہیں بڑھ جاتے ہیں، اور ان کے درمیان نمود ونمائش کی دوڑ تیز تر ہو جاتی ہے، تو وہ اسراف کی انتہاء کر جاتے ہیں اور یہ حصول زر میں ظالمانہ طریقوں پر پہنچاتی ہے۔ لہذا وہ کاشت کاروں، صنعت کاروں اور تجارت

کرنے والے لوگوں پر گراں بار ٹیکس عائد کرتے ہیں، اس سے معاشرے کا عامل اور مفید عنصر متاثر ہو جاتا ہے آپ فرماتے ہیں۔

وغالب سبب خراب البلدان في هذه الزمان شيئان احدهما تضييقهم على بيت المال بان الخ. وثاني ضرب الضرآئب الثقيلة على الزراع والتجار والمتحرفة والتشديد عليهم حتى يفضي إلى أجحاف المطاوعين واستئصالهم. (۹)

(ترجمہ) ہمارے زمانے میں شہروں کی تباہی اور شہری زندگی کی خرابی کے دو بڑے سبب ہیں، ایک بیت المال پر (مفت خوروں کا) بوجھ بننا الخ۔ دوسرا سبب کاشت کاروں بیوپاریوں، اور پیشہ وروں پر بھاری محصول لگانا، اور ان پر اس بارے میں سختی کرنا ہے، یہاں تک کہ جو بیچارے حکومت اور اس کے حکم کو مانتے ہیں وہ تباہ ہو رہے ہیں اور جو سرکش اور نادہندہ ہیں (وہ جری بنتے جا رہے ہیں)۔

شاہ صاحب ایک اور مقام پر عامل پیداوار (کاشتکار) کی محنت اور عمل کو پیش نظر رکھ کر یہ ضروری قرار دیتے ہیں کہ لگان اور مال گزاری میں رفق ونرمی بالفاظ دیگر تخفیف کا لحاظ رکھا جائے، ٹیکسوں کی گرانی ان کے ہاں مسرفانہ تعیش اور مذموم سرمایہ دارانہ ذہنیت کا نتیجہ ہوتا ہے، پھر ہوتا یہ ہے کہ حکومت کی جانب سے معیشت کے بنیادی وسائل پر بھاری ٹیکس لگائے جاتے ہیں اور گراں بار مال گزاری اور لگان عائد کئے جاتے ہیں، تاکہ اس طرح جلب زر کا پہلو نکل آئے، بقول شاہ صاحب اس طرح تمدن کو برباد کیا جاتا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

وجر ذلك إلى التضييق على القايمين بالأكساب الضرورية كالزراع والتجار والصناع وتضاعف الضرائب عليهم .(۱۰)

(ترجمہ) اور بے جا تعیش ان پیشہ وروں کی مصیبت کا باعث بن جاتا ہے، جو ضروری معاشی اعمال میں مصروف ہیں یعنی زراعت پیشہ، تجارت پیشہ اور صنعت پیشہ اور ان پر بھاری ٹیکس اور گراں بار لگان و مال گزاری کا سبب بنتا ہے۔

لہذا شاہ صاحب ٹیکس کی زیادتی کو خصوصاً پیداواری ذرائع پر مذموم خیال کرتے ہیں، وہ یقیناً ٹیکس کے وجود کے قائل ہیں مگر رعایت حدود کے ساتھ۔ اس لئے کہ اجتماعی اداروں کے قیام اور ترقی کے لئے سرمایہ اس طور پر حاصل کیا جاتا ہے۔

۸۔ پیشوں کی غلط تقسیم اور مخرب اخلاق پیشوں کا ظہور۔

اس ضمن میں شاہ صاحب ایسے مخرب اخلاق پیشوں پر کڑی نظر رکھنے کی ضرورت پر زور دیتے ہیں جو بے جا معاشرتی خرابیوں اور معاشی عدم توازن کا موجب بنتے ہیں۔

تمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ جب پیشوں کی تعداد اور شاخیں بڑھ جاتی ہیں، تو اس وقت ان پر کنٹرول نہایت ضروری ہو جاتا ہے۔ اس ضمن میں شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اگر اکثریت ایک پیشہ یا کسب اختیار کرے مثلاً اکثر لوگ صنعت و حرفت اور ٹیکنیکل کاموں یا سرکاری ملازمتوں کے پیچھے پڑ جائیں، تو مویشیوں کی پرورش زراعت و کاشتکاری جیسے بنیادی شعبے متاثر ہو جائیں گے۔ پیشوں کے اس عدم توازن کا سوسائٹی پر برا اثر پڑے گا۔

اس طرح بعض لوگ ایسے پیشے اختیار کر لیتے ہیں یا ایسی اشیاء کی صنعت سے وابستہ ہو جاتے ہیں جو معاشرے کی بربادی کا باعث بنتے ہیں۔ اس لئے کہ جب ایسی اشیاء جن پر زندگی کا مدار نہ ہو، معرض وجود میں آتے ہیں تو ان کی کھپت کی بھی ضرورت پڑ جاتی ہے اور لوگوں کو اس طرف متوجہ کرنے کے لئے مہم بازی کی جاتی ہے، عوام کے لئے ذرائع آمدنی کی فطری راہیں مسدود ہو جاتی ہیں۔

یہ نکتہ آج کل کے زمانہ میں توجہ کا مستحق ہے اس لئے کہ بہت سی اشیاء کو صرف پروپیگنڈا اور

تشہیر کے ذریعے انسان کی بنیادی ضروریات میں داخل کیا جا رہا ہے اور اس طرح ایک مصنوعی پیاس پیدا کی جا رہی ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

وان تكسبوا بعصارة الخمر وصناعة الأصنام كان ترغيبا للناس فى استعمالها على الوجه الذى شاع بينهم فكان سببا لهلاكهم فى الدين فإن وزعت المكاسب واصحابها على الوجه المعروف الذى تعطيه الحكمة وقبض على ايدى المكتسبين بالأكساب القبيحة صلح حالهم .(۱۱)

(ترجمہ) اگر لوگ شراب نچوڑنے اور مجسمہ سازی وغیرہ سے روزی کمانے لگیں گے، تو عام لوگوں میں ان اشیاء کے رواج کے مطابق ان کے استعمال کی ترغیب پیدا ہو گی اور یہ دین کے معاملے میں ان کی ہلاکت کا سبب بنے گی، اور اگر حکمت کے معروف طریقوں کے مطابق پیشوں اور پیشہ وروں کی تقسیم کا انتظام کیا جائے اور برے پیشوں پر پابندی لگائی جائے، تو ان کی حالت درست ہو جائے گی۔

حاصل اس اقتباس کا یہ ہے کہ لوگوں کو حاجات انسانی سے متعلق پیداواری پیشے اختیار کرنے کی ترغیب دی جائے اور غیر صرفی پیداواری پیشے اختیار کرنے والوں کی حوصلہ شکنی کی جائے، تاکہ انسانی صلاحیتیں مخرب اخلاق اشیاء کی پیداوار میں صرف ہونے کی بجائے صرف حاجات انسانی کی تکمیل میں صرف ہوں اور یوں معاشی انحطاط سے بچاؤ کا سامان ہو۔

☆ سود۔

سود کو شاہ صاحب معاشرہ کے لئے سم قاتل خیال کرتے ہیں اس ضمن میں آپ فرماتے ہیں۔

"واضح رہے کہ سود حرام ہے، یہ بھی قمار (جوا) کی طرح لوگوں کے مالوں کو زبردستی اچک لینا ہے، اس کی تہہ میں جہل، امید باطل اور حرص و دھوکہ کارفرما رہتا ہے اور اس میں امداد باہمی اور تعاون کا ادنیٰ سا بھی دخل نہیں ہوتا۔ سود (جو ایسے قرض پر روپیہ دینے کا نام ہے، جس پر نفع کے نام سے زیادتی وصول کی جاتی ہے) باطل اور حرام ہے، اس کا مدار ظلم پر ہے، اس لئے

toobaa-elibrary.blogspot.com

کہ اس قسم کے قرض لینے والے عام طور پر مفلس اور مضطر ہوتے ہیں، وہ بیشتر مدت معین پر رقم ادا کرنے سے کوتاہ رہتے ہیں اور یہ "سود در سود" کے نام سے بڑھتا رہتا ہے جس قوم یا ملک میں یہ بے محنت روپیہ حاصل کرنے کا رسم ورواج جڑ پکڑ جاتا ہے، وہاں عوام کے لئے ذرائع آمدن کی فطری راہیں بند ہو جاتی ہیں، معاملات میں اس سے زیادہ باریک اور پیچیدہ دوسرا کوئی مسئلہ نہیں ہے جس میں ظاہری نفع کی صورت میں حقیقی تباہی وبربادی مضمر ہے"۔ (۱۲)

شاہ صاحب نے حرمت سود کے جو مضمرات بیان کئے ہیں، وہ محتاج بیان نہیں، البتہ وضاحت کے طور پر ان امور کو یوں سلسلہ وار طریقہ پر بیان کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ سود دراصل وہ قرض ہے، جس میں مقروض اس بات کا پابند ہوتا ہے کہ وہ قرض خواہ (سود خور) کو اصل زر سے زیادہ اور بہتر مقدار واپس کرے، یہ حرام اور باطل ہے۔

۲۔ قرض عام طور پر وہ لوگ لیتے ہیں جو مفلس ہوں اور اپنی حاجت کسی اور ذریعے سے پوری نہ کر سکتے ہوں، لہٰذا مجبور ہو کر وہ سود پر رقم لے لیتے ہیں۔

۳۔ اکثر مقروض، وقت مقررہ پر سود کی اصل رقم کی ادائیگی نہیں کر سکتے اور اس طرح ان کا قرض بڑھتا جاتا ہے، جس سے ساری عمر خلاصی ممکن نہیں ہوتی۔

۴۔ سود لینے اور دینے والوں کے درمیان سخت عداوت اور نفرت کا تعلق ہوتا ہے، جو باہمی مناقشات پر منتج ہوتا ہے۔

۵۔ سودی کاروبار کا انسانی اخلاق پر برا اثر پڑتا ہے، سودی کاروبار کرنے والے افراد میں مروت کی روح بالکل مر جاتی ہے۔

۶۔ سود ارتکاز دولت کا بنیادی عامل ہے، جس سے ملکی پیداواری ذرائع پر براہ راست اثر پڑتا ہے۔ معیشت کی بربادی کا بڑا محرک ثابت ہوتا ہے۔

سود کے استحصالی نتائج۔

سود کے ضمن میں یہ بیان کرنا حسب حال ہے کہ یہ ارتکاز دولت کا بڑا سبب ہے، قوم کے اکثر افراد کے مجتمع سرمایہ سے جو نفع حاصل ہوتا ہے وہ اس سودی نظام کی وجہ سے سارے کا سارا سرمایہ چند

افراد کی ملک میں چلا جاتا ہے، وہ لوگ بینک سے قرضے لے کر بڑی بڑی تجارتیں کرتے ہیں، اس طرح ایک طرف تو سرمایہ دار نفع کی بڑی مقدار حاصل کر کے غریب عوام کا استحصال کرتے ہیں، اور دوسری طرف وہ بازار کے حکمران بن جاتے ہیں اور مصنوعی قحط اور گرانی پیدا کرتے ہیں، یوں ملکی سطح پر ایک ہی طبقہ سرمایہ کا مالک بن جاتا ہے، اور معاشی توازن بگڑ کر رہ جاتا ہے۔

بعینہ اسی طرح غریب اور ترقی پذیر ممالک کو بھی ترقی یافتہ ممالک کی طرف سے امدادی قرضے جاری کر کے اپنا دست نگر بنا لیا جاتا ہے۔ پھر بھاری سودی رقوم کی وجہ سے غریب ممالک کے لئے قرضوں کی ادائیگی مشکل ہو جاتی ہے۔ جو قوم ان قرضوں کی زد میں آجاتی ہے، تو اس کا کثیر زر مبادلہ قرضوں اور سود کی ادائیگی کی نذر ہو جاتا ہے۔

ہمارے ملک عزیز کا بھی یہی حال ہے، اس وقت یہ ملک ۱۲۵ ارب روپے کا مقروض ہے، اس پر ہمیں نو ارب سالانہ سود دینا پڑتا ہے، اور بر آمدات سے حاصل ہونے والے زر مبادلہ کا ۳۳ فیصد ان ادائیگیوں (بیرونی قرضے) میں صرف ہو جاتا ہے، لہٰذا ہمیں داخلی اور خارجی سطح پر سود ترک کر دینا چاہئے۔ اب رہا یہ سوال کہ سود کی متبادل اساس کیا ہو؟ اس مسئلہ پر مدت دراز سے عالم اسلام کے مختلف حصوں میں سوچا جا رہا ہے اور اس پر بہت سا علمی اور تحقیقی کام ہو چکا ہے۔ سب سے جامع، مفصل اور تحقیقی رپورٹ وہ ہے جو اسلامی نظریاتی کونسل نے علماء کرام اور ماہرین معاشیات (وبنکاری) کی مدد سے مرتب کی ہے، اس نوع کی تمام کاوشوں کو سامنے رکھنے کے بعد یہ بات تقریباً عام تجاویز میں مشترک نظر آتی ہے کہ سود کے اصل متبادل طریقے دو ہیں (۱) شرکت ومضاربت (۲) قرض حسنہ۔ تفصیلات کے لئے متعلقہ کتب کی طرف مراجعت کی جا سکتی ہے۔

☆جوا بازی۔

جوا در حقیقت تعاون باہمی کی بجائے دوسرے کے مال کو چھین کر لینے کی خواہش کا نام ہے، اس میں بھی حرمت کے وہی اسباب پائے جاتے ہیں جو سود میں موجود ہیں۔ بلا محنت اور گھنٹوں میں کروڑ پتی بننے کی خواہش بے عملی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ شاہ صاحب میسر یعنی جوا بازی کی حرمت کے فلسفہ کو یوں بیان کرتے ہیں، وہ تحریر فرماتے ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

إعلم أن الميسر سحت باطل لأنه اختطاف لأموال الناس عنهم معتمد على إتباع الجهل وحرص وأمنية باطلة وركوب غدر تبعثه هذه على الشرط وليس له دخل في التمدن والتعاون. (۱۳)

(ترجمہ) یادرہے کہ جوا حرام اور باطل ہے، اس لئے کہ یہ لوگوں سے ان کے اموال چھین لینے کا دوسرا نام ہے، اس کا دار ومدار جہالت، حرص اور باطل خواہشات اور دھوکہ وفریب پر ہے جو انسان کو اس پر آمادہ کرتے ہیں حالانکہ اسے نظام تمدن کی اصلاح اور باہمی تعاون میں کچھ دخل نہیں ہوتا۔

بقول شاہ صاحب چونکہ صالح تمدن کی بنیاد اور روح تعاونِ باہمی پر ہے، لہذا ترقی اموال کے وہ تمام ذرائع جو اس روح سے خالی ہوں، ناجائز اور تمدن کی ترقی کے منافی ہیں، اس کی مثال قمار بازی (**Gambling**) اور سٹہ بازی (**Speculation**) ہے ان میں اگرچہ مبادلہ ہوتا ہے، لیکن وہ کسی منفعت بخش چیز کے پورے معاوضے کے بدلے میں نہیں ہوتا بلکہ قمار باز اپنی جہالت اور لالچ کے باعث اس جھوٹی امید پر کہ ایک داؤ میں مجھے بہت سی دولت ہاتھ آجائے گی، ایک کثیر رقم کی شرط باندھ لیتا ہے، ظاہر ہے کہ اس ذریعہ اکتساب میں تعاون کو کوئی دخل نہیں۔ اب اگر وہ شرط ہار گیا، تو اسے قہر درویش بر جان درویش کے مطابق خاموش ہو جانا پڑے گا، اور اگر جیت گیا تو اس کی کمائی کسی خدمت ومحنت کے بغیر ہوگی۔ معاشرہ میں ایسے پیشے اصول عدل کے خلاف ہیں، اور یہ قوموں کی بربادی کا موجب بنتے ہیں۔

عصر حاضر میں پرائز بانڈز، لاٹری کی مختلف شکلیں، ریس پر اور کھیلوں پر جانبین کی طرف سے ہار جیت پر انعامات مقرر کرنا جوابازی کی شکلیں ہیں، لہذا یہ پیشے بھی تباہی کے موجب ہیں۔ اور ایسے کاروبار سے کلیتہً احتراز برتا جائے، اور حکومت ایسے کاروبار پر پابندی لگائے۔

☆ رشوت۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ حکومت کے اہل کاروں کی ضروریات کی تکمیل اور پھر ان کے آمد وخرچ پر کڑی نگرانی بہت ضروری ہے، اس لئے کہ اس طرح نہ کرنا رشوت کے رواج کا باعث بنتا ہے

اور رشوت کے رواج سے مفاسد کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

☆ دھوکہ دہی اور غیر صحت مندانہ مسابقت۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ معاشرے کو تنزل سے بچانے کے لئے ضروری ہے کہ افراد کے باہمی معاملات کو عدل اور توازن کی بنیاد پر قائم رکھنے کی کوشش کی جائے اور ایسے امور کو قانوناً ممنوع قرار دیا جائے، جو معاشرتی اور معاشی مفاسد کا باعث بنتے ہوں، اس سلسلہ میں شاہ صاحب نے درج ذیل امور کا ذکر فرمایا ہے۔

۱۔ اس قسم کے تمام معاملات کو ممنوع قرار دیا جائے، جن میں جوئے اور قمار کی روح کسی نہ کسی شکل میں موجود ہو، شاہ صاحب نے اس ضمن میں جاہلیت کی بعض بیوع جنہیں اسلام نے ناجائز قرار دیا ہے، مثلاً بیع مزابنہ، محاقلہ، بیع الصبرہ، بیع الحصاۃ اور بیع العربان کا ذکر فرمایا۔

۲۔ ایسے معاملات جو (تنازعات) کا موجب ہوں۔ مثلاً مال، پیمانہ اور قیمت کا متعین نہ ہونا یا ایسی مشروط بیع جو بعد میں جھگڑے کا باعث بنے۔ (شاہ صاحب کے بیان کردہ بیوع معہ تعریف حاشیہ میں ملاحظہ ہوں۔) (۱۴)

۳۔ نظام مدنیت میں خلل انداز ہونے والے عقود ومعاملات، مثلاً کسی کی بیع میں دخل دینا، بولی دینا، محض نرخ بڑھانے کی غرض سے بولی دینا، ناواقف افراد کے درمیان ایسی دلالی کرنا جو فریقین کے نقصان اور قیمتوں میں اضافے کا باعث بنے۔

۴۔ ایسی اشیاء کی خرید وفروخت اور ان پر قبضہ جمانا جو اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کے مشترکہ فائدے کے لئے مباح قرار دی ہیں جیسے شکار، پانی (سمندر، دریا) کھلی چراگاہ کی گھاس وغیرہ۔

☆ مفت خوری۔

شاہ صاحب نے مملکت کی بربادی کے دو بڑے اسباب میں سے ایک یہ بھی بتایا ہے، کہ بہت سے لوگ کوئی مفید خدمت انجام دیئے بغیر علمی رتبہ، زہد وعبادت یا شعر وسخن سے وابستگی کے زور پر قومی دولت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ معاشرے پر بوجھ اور معاشی تنزل کا ایک بڑا سبب ہوتے ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

خلاصہ۔

یہ کہ مذکورہ خرابیاں وہ ہیں جو معاشرہ کو بے جان کر دیتی ہیں، اس لئے ان پر کڑی نظر رکھنا ضروری ہے، ان سے بچاؤ حاصل کرنے کی تدابیر آئندہ فصل میں ملاحظہ ہوں۔

فصل دوم

معاشی انحطاط سے بچاؤ کی تدابیر

ایسے جملہ امور جو معاشرہ میں مسرفانہ زندگی اور معاشی عدم توازن کا سامان بن رہے ہوں، شاہ صاحب ان کی روک تھام پر زور دیتے ہیں، وہ رقمطراز ہیں۔

إعلم أن النبی صلے اللہ علیہ وسلم نظر إلی عادات العجم وتعمقاتھم فی الاطمنان بلذات الدنیا فحرم رؤسھا واصولھا وکرہ مادون ذلك. (۱۵)

(ترجمہ) یاد رہے کہ نبی کریم حضور ﷺ نے عجم کی عادات اور دنیاوی لذتوں میں اطمنان کے حصول کے لئے ان کے تعمقات پر نظر کی، تو ان کی اصل اور جڑ کو بالکل حرام قرار دیا، اور اس کے علاوہ (دوسرے درجہ کے امور) کو ناپسند اور مکروہ قرار دیا۔

بالاوقیع عبارت سے احکام شرعیہ کی حلت و حرمت کی حکمت پر روشنی پڑتی ہے، اس کی مزید وضاحت آئندہ صفحات میں آئے گی۔ معاشی انحطاط سے بچاؤ کے حوالہ سے درج ذیل نکات قابل لحاظ ہیں۔

۱۔ مسلسل احتساب۔

اس ضمن میں شاہ صاحب ایک قابل عمل اور موثر اصول پیش کرتے ہیں، جو بگڑی ہوئی معیشت کو درست کرنے کے لئے ایک "مستقل احتسابی" عامل کی حیثیت سے بروئے کار لایا جاسکتا ہے۔ اور وہ یہ کہ جو اشیاء بذات خود تو حرام نہ ہوں تاہم حرام اور ظالمانہ امور کے وجود میں لانے کا باعث

بن رہی ہوں، ان کو بھی کنٹرول کرنا لازمی ہے، شاہ صاحب رقمطراز ہیں۔

ومنھا أنه إذا أمر بشئی حتما إقتضی ذلك أن یرغب فی مقدماته ودواعیه وإذا نھی عن شئی حتما إقتضی ذلك أن یسد ذرائعه ویخمل دواعیه ...ولما کان شرب الخمر إثماً وجب أن یقبض علی أیدی العصارین وینھی عن الحضور علی المائدة التی فیھا الخمر ولما کان القتال فی الفتنة إثما وجب أن ینھی عن بیع السلاح فی الفتنة. (۱۶)

(ترجمہ) (استنباط کے اصول میں سے ایک) یہ ہے کہ جب کسی چیز کے کرنے کا حکم فرض مؤکد کے طور پر دیا جائے، تو یہ ضروری ہے، کہ اس کے دواعی اور مقدمات کی بھی ترغیب و تحریض دلائی جائے، اسی طرح جب کسی فعل کو ممنوع قرار دیا جائے، تو اس کے اسباب وذرائع کا انسداد بھی ضروری ہے۔ مثال کے طور پر شراب کا پینا گناہ کبیرہ تھا، اس لئے ضروری ہوا کہ کشید شراب کا پیشہ حرام قرار دیا جائے

اور یہ کہ جس ضیافت میں شراب پی جارہی ہو، اس میں شرکت ممنوع ہو۔ اس طرح جب کہ فتنہ وفساد کے وقت قتل عام ہو جائے تو اس دوران اسلحہ کا بیچنا حرام ہو۔

اس کا حاصل یہ ہے، کہ خلافت ظاہرہ حرام افعال اور ان کی دواعی پر کڑی نظر رکھے، اور احتسابی عمل کو مسلسل جاری رکھے، تاکہ معاشرے میں نہ صرف ظالمانہ افعال کی بندش ہو، بلکہ اس کے محرکات ودواعی کا قلع قمع ہو۔

۲۔ ظلم کا مٹانا۔

امام الہند ظالمانہ نظام کو مٹانے اور سنت راشدہ کو قائم کرنے کے لئے بعض اوقات مناسب اقدام وزواجر کے نفاذ پر زور دیتے ہیں، اس لئے کہ غلط رسومات کے داعی اور ان کے ذریعے مفادات حاصل کرنے والے اشخاص صرف زبانی نصیحت سے راہ راست پر نہیں آتے بلکہ انہیں راہ راست پر لانے کے لئے سخت اقدامات کرنے پڑتے ہیں، ایسے میں نیک لوگوں کی خاموشی و صلح پسندی ان کے

toobaa-elibrary.blogspot.com

مذموم عزائم کو مزید تحریک دیتی ہے۔ چنانچہ شاہ صاحب ایسے غلط کار لوگوں کے خلاف ہتھیار اٹھانے کو نیکی اور وقت کی ضرورت قرار دیتے ہیں۔ وہ رقمطراز ہیں۔

فیحیٔ فجرۃالقوم فیقتدون بھم وینصرونھم ویبذلون السعی فی اشاعۃِذالک ویجی قومٌ لم یخلق فی قلوبھم میل قوی الی الاعمال الصالحۃ ولاإلی اضدادھا فیحملھم مایرون من الرؤساءِ علی التمسک بذالک وربماأعیت بھم المذاھب الصالحۃ ویبقی قوم فطرتھم سویۃ فی اخریات القوم لا یخالطونھم ویسکتون علی غیظ فتنعقد سنۃ سیئۃوتتأکد ویجب بذل الجھدِ علی أھل الاراء الکلیۃ فی اشاعۃ الحق وتمشیتہ وأخمال الباطل . وصدہ فربما لم یمکن ذلک إلا بمخاصمات أو مقاتلات فیعد کل ذالک من أفضل أعمال البر.(۱۷)

(ترجمہ)(کچھ ظالم اور بدمعاش لوگ ہوتے ہیں) پھر ایک فاجر قوم آجاتی ہے، وہ ان ظالموں کی اقتدا کرتے ہیں اور ان سے تعاون کرتے ہیں۔ اور ان غلط طریقوں کو رائج کرنے میں پوری کوشش دکھاتے ہیں جو ظلم پر مبنی ہوتے ہیں، پھر ایک ایسی نسل آتی ہے، جو پیدائش کے لحاظ سے خالی الذہن ہوتے ہیں، نہ وہ اچھے اعمال کی طرف مائل اور نہ برے اعمال کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ تاہم بدکردار سرداروں کو دیکھ دیکھ کر ان میں ان کی پیروی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اور بسا اوقات ان کی اصلاح کے راستے مسدود ہو جاتے ہیں ان میں کچھ ایسے لوگ رہ جاتے ہیں، جن کی فطرت سلیم ہوتی ہے، وہ ان لوگوں سے میل جول نہیں رکھتے، البتہ خاموش ہو کر رہنے لگتے ہیں۔ ایسے وقت میں جو لوگ آراء کلیہ (عمومی مفادات) کے لمران ہوتے ہیں، ان پر لازم ہے، کہ حق کی اشاعت وترویج کرنے اور باطل کو مٹانے اور روک دینے کی ر پور کوشش کریں۔ بعض اوقات یہ کام سخت مقابلوں اور جنگوں سے ممکن ہوتا ہے، جو اس وقت یا بھر کے اعمال سے افضل ترین شمار ہوگا۔

اس کا مطلب یہ ہے، کہ ظلم کے خلاف جہاد کرنا اس وقت اجر عظیم کا باعث بنتا ہے، جب کہ ظلم کی انتہاء ہو رہی ہو۔ اس کی وضاحت آئندہ آئے گی۔

۳۔ معاشرے کے ناسور کو کاٹ پھینکنا۔

انسانی معاشرہ کے بعض گوشے بعض اوقات مجسم ظلم اور جبر کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ جن کا علاج واصلاح عام حالات میں ممکن نہیں ہوتی، ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ ایسے سرطان زدہ حصوں کو معاشرہ کے جسم سے الگ کر دیا جائے۔

وایضا فالرحمۃ التامۃ الکاملہ بالنسبۃ إلی البشر أن یھدیھم اللہ إلی الاحسان وان یکبح ظالمھم عن الظلم وان یصلح ارتفاقاتھم و تدبیر منزلھم وسیاسۃ مدینتھم فالمدن الفاسدۃ التی یغلب علیھا نفوس سبعیہ ویکون لھم تمنع شدید انما ھو بمنزلۃالأکلۃ فی بدن الانسان لایصحُ الانسان اِلا بقطِعہ والذی یتوجہ اِلی اصلاح مزاجِہ واقامۃِ طبیعیۃ لابدلہ من القطع.

(۱۸)

(ترجمہ) نیز بشر کے ساتھ رحمت تامہ کاملہ یہ ہے، کہ اللہ ان کو احسان وبھلائی کی طرف ہدایت دے، اور ان میں ظالم کو ظلم سے باز رکھے، اور ان کے ارتفاقات، تدبیر منزل اور ملکی سیاست کی اصلاح کرے، پس ایسے فساد زدہ علاقے جن پر درندگی کا غلبہ ہو جائے اور ان کو زبردست قوت بھی حاصل ہو، تو یہ انسانی بدن پر ناسور کی طرح ہے، جس کو کاٹے بغیر انسان صحت مند نہیں ہو سکتا۔ انسان کی اصلاح مزاج اور اس کی طبیعت کو قائم اور درست رکھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اسے کاٹ پھینکا جائے۔

شاہ صاحب کے نظریہ "فک کل نظام" کا لب لباب بھی یہی ہے، کہ ہر اس کہنہ وفرسودہ نظام کو توڑا جائے جو استحصالی ہو کر معاشرے میں ناسور کی شکل اختیار کر گیا ہو۔ معاشرے میں ناسور کی ایک شکل تو کھلی درندگی اور جارحیت کی شکل میں ہوتی ہے، اور ایک شکل استحصالی طبقہ کی شکل میں، جو معاشرے کو دیمک کی طرح چاٹ کر کھوکھلا کر دیتی ہے۔ ان خرابیوں کا حل نظام عدل کے قیام سے

toobaa-elibrary.blogspot.com

ممکن ہوتا ہے، اور یوں معاشی انحطاط سے بچا جا سکتا ہے۔

۴۔ عیاشانہ تمدن سے اجتناب۔

شاہ صاحب عیاشانہ تمدن و تکلفانہ زندگی کو قومی معیشت کے لئے خطرہ خیال کرتے ہیں، اور سادہ و متوسط درجہ کی زندگی کو اپنانے کی ترغیب دیتے ہیں۔ آپ نے بادشاہوں اور وزراء کے نام جو دس نکات پر مشتمل ایک نصحت نامہ جاری کیا، اس میں انحطاط معیشت سے بچاؤ کے حوالہ سے ایک حکم یہ ہے

آنکہ بادشاہ اسلام و امرا کبار بہ عیش حرام مشغول نشوند، توبہ از گزشتہ توبہ النصوح بجا آرند (۱۹)

۵۔ ترقیاتی منزل کا تعین ضروری ہے۔

یہ ایک امر واقعہ ہے کہ معاشرے میں ترقی و تنزل کا ابدی سلسلہ جاری رہتا ہے، ارتقاء اور انحطاط کا ایک دوسرے سے گہرا ربط ہے، اس لئے جب کسی معاشرے کی اصلاح پیش نظر ہو، تو دیکھنا چاہئے کہ وہ معاشرہ تہذیب کی کس معیار و منزل پر ہے، پھر اس درجہ کو مضبوطی سے پکڑ کر اس سے اگلے درجے کے حصول کی کوشش کرنی چاہئے۔ اسی طرح اگر کوئی اجتماع انسانی ارتفاقات کے کسی بلند درجہ سے گر کر نیچے آ چکا ہو، تو پوری بصیرت سے اس کا تعین کر کے بچاؤ کرنے کی کوشش کی جانی چاہئے شاہ صاحب رقمطراز ہیں۔

فإذا بطل نظام الإرتفاق الرابع مثلاً فصلاح الناس أن يتشبثوا بالإرتفاق الثالث بآدابه المتضمنة لكنه الإرتفاق الرابع وأصله من غير تمثال وإنقسار وإنعقاد صورة له كالإصلاح على سنة عادلة بينهم لو عصوها لثارت الفتنة واقتتلوا وكان الباس عليهم أشد مما توقعوا لأنفسهم

(ترجمہ) (مثال کے طور پر) اگر کسی اجتماع انسانی کا بین الاقوامی نظام (ارتفاق چہارم) ٹوٹ جائے تو لوگوں کی بھلائی اس میں ہوتی ہے، کہ ارتفاق چہارم کی روح کو قائم رکھتے ہوئے اور اس ارتفاق کی عادلانہ باتوں پر قائم رہتے ہوتے ارتفاق سوم کو مضبوطی سے تھام لیں۔ اگر انہوں نے ارتفاق چہارم کے اصولوں کو ترک کر دیا تو ان قوموں کے مابین

وكذلك إذا بطل الإرتفاق الثالث وجب التمسك بالإرتفاق الثاني. (۲۰)

ایسے فتنے اور جنگیں پیدا ہونگی کہ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوں گی، ایسے ہی اگر ارتفاق سوم برباد ہو جائے، تو اس ارتفاق کی روح کی بقاء کے ساتھ ارتفاق دوم کو مضبوطی سے پکڑے رکھنا لازمی ہے۔

چونکہ تمدنی منازل تغیر پذیر ہیں اس لئے سماج کو ایک ہی ارتفاق پر قانع اور اصرار کی بجائے موافقِ حال تمدن اختیار کرنا چاہئے، تمدن میں ارتقاء و انحطاط کو ملحوظ رکھ کر عمل اختیار کرنا چاہئے، محدود وسائل و اسباب کی عدم رو رعایت سے کئی مادی و روحانی مسائل جنم پاتے ہیں۔ اس طور پر جب آج کے معاشرے کو پیش کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ہر شخص کی نظریں سہولیات اور حسن و نزاکت پر لگی ہوئی ہیں حالانکہ یہ مروجہ تہذیب اور سہل انگاری پر مبنی بدوباش مغرب کا پیدا کردہ ہے اور اسلامی نظریہ حیات سے قطعاً اس کی مطابقت نہیں، تاوقتیکہ سب کو یہ سہولیات مہیانہ ہوں۔

۶۔ ترقیاتی منصوبہ بندی، درجہ بدرجہ حسب وسائل ہونی چاہئے۔

آپ لکھتے ہیں کہ بعض اوقات حالات ساتھ نہیں دیتے مگر سماج ایک اعلی درجہ کی ارتفاق کے حصول میں اپنی قوت ضائع کرتے ہیں، جس کا خاطر خواہ نتیجہ سامنے نہیں آتا۔ شاہ صاحب بتاتے ہیں کہ ترقی کے لئے منصوبہ بندی بنیادی عنصر ہے اور حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ حسب حال جو کچھ وسائل مہیا ہوں وہ حاصل کرتے ہوئے تمدن میں ترقی کے لئے اگلے درجات کے لئے ٹھوس منصوبہ بندی کو پیش نظر رکھیں،

وكذلك الرجل الإمام بالطبع قد تبطل عنه الإمامة اما بجور جائر أو بإرتفاقات أخر... فإن كان فقيهاً في كسبه إنحدر إلى الإرتفاق الثاني وعاش إلى أن يأتيه الأمر وإن لم يكن

(ترجمہ) کبھی کبھی ایک ایسا شخص جو فطری طور پر قیادت کے جوہر سے آراستہ ہوتا ہے اور اس کی قیادت اور حکومت ظالم کے ظلم یا دیگر اسباب کی بنیاد پر رخصت ہو جاتی ہے، پس اگر وہ سمجھ دار ہو تو دوسرے درجہ پر

toobaa-elibrary.blogspot.com

فقيها لم يزل يطمع فى الإمامة وهى تهرب عنه حتى يهلك جوعاً وأسىً و كذلك الرجل الذى كسبه الجهاد ربما يجد ألات الجهاد ولم ينعقد الإرتفاق عليه فإن كان فقيهاً انحدر إلى ما يناسب الإرتفاق الثانى وإلالم يزل يطمع فيه ويهرب هوعنه إلى أن يهلك أسىً وجوعاً ومن ضالة الحكيم البيت المشهور :

إذا لم تستطع امراً فدعه
وجاوزه إلى ما تستطيع.(۲۱)

آجاتا ہے اور مناسب وقت کا انتظار کرتا ہے تاہم اگر وہ مدبر اور سمجھ دار نہ ہو تو وہ قیادت کے پیچھے دوڑتا ہے، اور وہ اس سے بھاگتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ تشنگی اور حسرت کی حالت میں ہلاک ہو جاتا ہے اسی طرح ایک مجاہد اور پیشہ ور جنگ آزما اپنے پاس مناسب اسلحہ پاتا ہے لیکن اس کے مناسب حالات موجود نہیں ہوتے ، پس اگر وہ سمجھدار ہو تو وہ ارتفاق ثانی کے درجہ پر آجاتا ہے اور اگر ایسا نہ ہو اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے بھاگتا رہے تو بے فائدہ ہلاک ہو جائے گا اور اس ضمن میں ایک حکیم کا مشہور شعر ہے کہ اگر تم میں کسی کام کو انجام دینے کی قوت نہیں تو اسے چھوڑ کر ایسا کام اختیار کر لو، جو تمہاری بس میں ہو۔

اس درج بالا اقتباس کا حاصل یہ ہے کہ ایک صاحبِ فہم شخص کو معاشرہ کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کے لئے حالات کی رو رعایت رکھنی چاہئے ،اگر وہ حالات کو جانچے اور پرکھے بغیر اقدام کرے گا، تو معاشرت و معیشت بجائے ترقی کے انحطاط پذیر ہوگی۔

ارتفاقات جو تمدنی زندگی کے مراحل اور موافق حالات سے عبارت ہیں، میں نظم اور تدریج کی تعلیم دی گئی ہے۔

حرف آخر۔

ابوابِ ماسبق میں ارتفاق معاشی یعنی ضروریات مادی کی فراہمی کے حوالہ سے بحث کی گئی ہے۔ ان معاشی اصولوں کے اطلاق سے معاشرے میں مواسات و ہمدردی کی فضاء وجود میں آئے گی، تقسیم سرمایہ میں موجود غیر فطری تفاوت پر قابو پایا جا سکے گا، گویا یہ وہ اصول ہیں جن کی بنیاد پر معاشرے میں

"عدل عمرانی" کو پروان چڑھا کر جنت نظیر معاشرہ تشکیل دیا جا سکتا ہے۔ جہاں بے جا مسابقت اور ہوس مال کا جذبہ فرو ہو جاتا ہے اور انسان کی تگ و دو میں انقلاب آجاتا ہے۔ شاہ صاحب کے فلسفہ میں معاشیات کو اس قدر اہمیت اس لئے حاصل ہے، کہ اس پر اخلاق و ماوراء الطبعیات کی زندگی کا مدار ہے شاہ صاحب ایک جگہ رقمطراز ہیں۔

انما الاخلاق بالا حوال لابالعلوم . (ترجمہ) انسانی اخلاق معلومات سے پیدا نہیں ہوتے بلکہ ان حالات سے پیدا ہوتے ہیں جن میں انسان گھر کی زندگی بسر کرتا ہے۔

شاہ صاحب کی فکر کا یہ بھی ایک اساسی نکتہ ہے ،وہ کہتے ہیں، کہ انسان کی اعلیٰ اخلاقی قدریں اس وقت پامال ہو جاتی ہیں ،جب معاشی جبر میں اسے مبتلا کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شاہ صاحب پیغمبروں کی بعثت سے ایک غرض معاش کی اصلاح کرنا بھی بتاتے ہیں۔ پھر یہ کہ آپ کی نظر میں معاش و معاد کا باہمی ربط ہے ان کے ہاں انسانی حیات وحدانی چیز ہے مطلب یہ کہ جب دنیاوی زندگی شروع ہو جاتی ہے، یہی ترقی کر کر کے اخروی زندگی کی خاص کیفیات کو متشکل کر دیتی ہے، انبیاء علیہم السلام کی بعثت سے مقصود اصلاح معاش و معاد ہے۔

"اگرچہ انبیاء علیہم السلام کی اصلی غرض و غایت یہی ہوتی ہے، کہ خدا کے ساتھ انسان کے تعلقات عبودیت مختلف طریقوں اور شکلوں سے قائم کریں، لیکن اس کے ساتھ رسوم فاسدہ کی بربادی اور ارتفاق صالح کے قیام کی ترغیب بھی ان کے مشن کا جز ہوتی ہے،۔

رسومات باطلہ اور اخلاق بد کو مٹائے بغیر قیام عدل ایک ناممکن عمل ہے۔لہٰذا دوسرے امور کے ساتھ ملہمین کا ایک فرض منصبی لوگوں کی معاشی اصلاح بھی ہے، یہ ہستیاں دین و دنیا کی تفریق سکھانے نہیں آتیں بلکہ قیام ارتفاق کی مناسب تعلیم دینے بھی آتی ہیں، دور جدید میں جہاں اور بے اعتدالیاں پائی جاتی ہیں وہاں عمرانیات و معاشیات کے حوالہ سے یہ بھی ایک بے اعتدالی سامنے آئی ہے کہ معاش کے میدان میں ایک مذہب کا تعلق تو صرف حسیات (sensatism) اور جنسیات تک محدود ہو کر رہ گیا، اور دوسرے مذہب کا مدار محض ماوراء الطبعیات تک محدود ہو کر رہ گیا ہے اور اس نے نجات کا راز ترک

toobaa-elibrary.blogspot.com

دنیا ہی میں قرار دیا ہے۔ بظاہر یہ دونوں متخاصم اور جدلی افکار ہیں۔ شاہ صاحب وہ حکیم ہیں، جو ان مذاہب کی انضمامی صورت متعارف کراتے ہیں۔ اور بتاتے ہیں کہ محض ارتفاقات معاشیہ پر اکتفاء سے جبکہ ارتفاقاتِ الٰہیہ سے اغماض ہو، مقصدِ انسانیت کی تکمیل نہیں ہو پاتی بلکہ معاشرے میں عدل کی بنیاد پر معاشی لوازمات کی فراہمی بھی مطلوب ہیں یہ اس لیے تاکہ انسان کے اندر موجود ایک نقطہ ''حجر بحت'' بیدار ہو اور یہی انسان کی انسانیت کا مقام ہے۔

یہ نقطہ خداوند تعالیٰ کی تجلی کو قبول کرتا ہے۔ لہٰذا صحیح معاشی نظام میں انسان کے اس جوہر، یا ''حجر بحت'' کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنا ناگزیر ہے۔ اور اس کی صورت یہ ہے۔ کہ انسان کے معاشی نظام کو عقل کے تابع رکھا جائے۔

اگر ارتفاقات معاشیہ کو عقل اور خدا ترسی کے تحت چلانے کی بجائے محض حیوانی دواعی کے تحت رکھ کر چلایا جائے گا، تو لامحالہ زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر مطلق العنانی اور استبداد پیدا ہوگا، اور انسان کے خلیفہ فی الارض کی حیثیت مخدوش ہو جائیگی، اور خدا کے سامنے اعمال کے اس نقطہ نگاہ سے محاسبہ کہ اس سے انسانیت عامہ کو کتنا فائدہ پہنچا، مشکل ہو جائیگا۔

بجا طور پر کہا جا سکتا ہے، کہ شاہ صاحب نے جس انداز سے معاشیات کے ڈانڈے مابعد الطبعیات سے ملائے ہیں، وہ آپ ہی کا حصہ ہے ارتفاقات کے دو شعبے یعنی ارتفاقات معاشیہ و ارتفاقاتِ الٰہیہ بالترتیب انسان دوستی اور خدا پرستی کے مظاہر ہیں۔ اسلامی نظریہ حیات ان دو اصولوں کی کار فرمائی سے عبارت ہے۔ شاہ صاحب ایک جگہ بتاتے ہیں کہ اگر معاشرہ میں اِن مذکورہ اصولوں میں بے اعتدالی انتہاء پر پہنچ جائے، تو ایک صالح انقلاب، معاشرے کا مقدر بن جاتی ہے۔

> جب سوسائٹی میں غیر معمولی خلل واقع ہو، تو انقلاب ناگزیر ہو جاتا ہے۔ وہ معاشرہ جو اپنے افراد کی بنیادی ضرورتوں کا کفیل نہ ہو، اسے برباد ہو جانا ہی بہتر ہے، وہ سوسائٹی اور وہ قوم جس میں درندہ صفت انسانوں کی اکثریت ہو، اس کی مثال ہمیشہ اس جسم کی سی ہے، جس میں ایک زہریلہ پھوڑا موجود ہو، کہ اگر اسے بروقت فصد نہ لگائی جائے، تو ممکن بلکہ اغلب ہے، کہ وہ نظام جسم کو بالکلیہ درہم برہم کر کے اس کی ہلاکت کا سبب بنے، وہ لوگ جو مصلحت کلی سے واقف ہیں، یہ ان کی ذمہ داری ہے، کہ وہ ایسی نازک صورت حال میں سوسائٹی کی بقاء کے لئے عمومی انقلاب برپا کریں۔

سابقہ ابواب میں ولی اللّٰھی فلسفہ پر جس بسط کے ساتھ کلام کیا گیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دین اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے، اور اسلام محض مذہبی معتقدات، ثقافتی رسومات، مخصوص تقریبات اور مجموعہ عبادات کا نام نہیں، بلکہ اسلام ایک جامع نظری عملی نظام کا نام ہے، جس سے روشنی اور راہنمائی حاصل کر کے ایسے کارگر و سود مند دستور ہائے حیات کے اصول وضع کئے جا سکتے ہیں۔ جن کو نافذ کر کے عصری تقاضوں کی مناسب اور بروقت پذیرائی بھی ممکن ہے، اور جس سے ہر دور، ہر ملک، اور ہر قوم کے ہر نوع کے مسائل کے حل بھی تلاش کئے جا سکتے ہیں، زندگی کی ہر جہت میں تعمیر و ترقی بھی حاصل کی جا سکتی ہے اور کائنات کے رازہائے سربستہ سے پردے بھی اٹھائے جا سکتے ہیں۔

غرض یہ کہ اسلام کے بتائے ہوئے راستہ پر چل کر مادی عظمتوں کو بھی پایا جا سکتا ہے، اور روحانی رفعتوں کو بھی حاصل کیا جا سکتا ہے، اور یوں تخلیق انسان کے عظیم مقصد کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔

پیش نظر تحریر ایک گونہ انسانی دستور حیات کے مادی خدوخال کے بیان پر مشتمل ایک طالب علمانہ کوشش ہے۔ انسانی زندگی کے دو اہم شعبے ارتفاقاتِ معاشیہ اور ارتفاقاتِ الٰہیہ، بذات خود اہم ترین موضوعات ہیں۔ ان دونوں کی باہمی اتصال و تعلق کسی ذی عقل انسان سے مخفی نہیں، دین اسلام کو دوسرے دستور ہائے حیات کے مقابلے میں اس طور پر برتری و تفوق حاصل ہے، کہ اس میں دولت و مادہ مقصد نہیں، بلکہ عظیم مقصد یعنی فلاح اخروی کا یہ ذریعہ ہے۔ تمت بالخیر.

toobaa-elibrary.blogspot.com

حواشی

(۱)۔ دھلوی،،حجۃ اللہ البالغہ،، ج ۲، ص ۱۹۰۔

(۲)۔ حوالہ سابق۔

(۳)۔ دھلوی "حجۃ اللہ البالغہ" ج ۲، ص ۸۶۔

(۴)۔ دھلوی "البدور البازغۃ" ص ۵۵ فصل فی مباحثِ الحکمۃ المتعلقہ بالارتفاق الثانی۔

(۵)۔ امام الہند انسان کے لئے جو بنیادی خلق ضروری قرار دیتے ہیں، ان ایک خلق سماحت بھی ہے، جس کا مطلب یہ ہے، کہ انسان دنیاوی چیزیں استعمال کرے، توان میں انہماک پیدا نہ کرے، کیونکہ انہماک اس کے مرنے کے بعد کی زندگی کے لئے باعث مضرت ہے۔

(۶)۔ دھلوی "حجۃ اللہ البالغہ" ج ۲، ص ۱۹۳۔

(۷)۔ دھلوی "حجۃ اللہ البالغہ" ج ۲، ص ۱۰۶، (باب ابتغاء الرزق)

(۸)۔ حوالہ سابق۔

(۹)۔ دھلوی "حجۃ اللہ البالغہ" ج ۱، ص ۴۵۔

(۱۰)۔ دھلوی "حجۃ اللہ البالغہ" ج ۲، ص ۱۰۶۔

(۱۱)۔ حوالہ سابق۔

(۱۲)۔ حوالہ سابق۔

عربی میں سود کو "ربا" کہتے ہیں، لغت کے اعتبار سے اس کے کئی معنی مثلاً زیادتی، بڑھوتری، بلندی کے آتے ہیں۔ اصطلاح شرع میں ایسی زیادتی کو ،،ربا،، کہتے ہیں، جو بغیر کسی معاوضے کے حاصل کی جائے۔ مشرکین عرب تجارت اور سود میں فرق نہیں کرتے تھے۔ اور کہتے تھے، انما البیع مثل الربوا: سورۃ البقرہ: ۲۷۵، اس کا جواب قرآن حکیم نے یہ دیا، اَحل اللہُ البیع و حرَم الربوا: یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام معاملات بیع و شرا کو تو حلال کیا، مگر سود کو حرام ٹھرایا۔ بیع و سود میں درج ذیل وجوہ سے فرق ہے۔

(ا) بیع میں جانبین کی رضامندی ہوتی ہے۔ (ب) بیع تعاون باہمی واشتراک کی ایک شکل ہے۔

(ج) بیع میں دونوں کے لئے منفعت ہوتی ہے، جبکہ سود میں ایک جانب رضا اور دوسری طرف جبر واکراہ ہوتا ہے، اس میں تعاون باہمی و مواسات کا فقدان ہوتا ہے۔ سود میں ایک کے یقینی ضرر

و نقصان پر دوسرے کے نفع کا مدار ہے۔ سود سے متعلق یہ بیان قابل کرنا حسب حال ہے، کہ پاکستان میں سود سے پاک معیشت کے حوالہ سے معتدنہ علمی کام سامنے آیا ہے، موقر مجلہ،، فکر و نظر،، کی روشنی میں اس کی تفصیلی فہرست باب اول کے حواشی میں دیکھی جا سکتی ہے۔

(۱۳)۔ دھلوی "حجۃ اللہ البالغہ" ج ۲، ص ۱۰۶۔

(۱۴)۔ امام الہند نے "حجۃ اللہ البالغہ" ج ۲ میں،، البیوع المنھی عنھا،، کے باب میں ناجائز بیوع کی تفصیل پیش کی ہے، ان میں سے چند بیوع۔ ہیں۔

(۱) بیع صرف: سکہ کی فروخت سکہ کے معاوضہ میں (۲) بیع سلم: جس میں قیمت پیشگی دی جائے اور مال بعد میں کسی وقت حوالہ کیا جائے (۳) بیع خیار: جس میں بیع کے توڑ دینے کا اختیار باقی ہو (۴) بیع قطعی: جس میں یہ اختیار نہ ہو (۵) بیع مراحبہ: جو مقررہ نفع پر ہو۔ (۶) بیع بالقاء الحجر: مبیع شی پر پتھر پھینک دینے سے بیع ہو جائے۔ (۷) بیع ملامسہ: چھو دینے سے بیع ہو جائے (۸) بیع منابذہ: دکاندار کوئی شئی مشتری کی طرف پھینک کر تو بیع ہو جاتی ہے۔ (۹) بیع مزابنہ: درخت پر لگی ہوئی کھجور کی بیع، توڑی ہوئی کھجوروں کے عوض۔ (۱۰) بیع محاقلہ: گندیوں کی بیع بالی یا بچہ کی بیع رحم مادر میں۔ (۱۱) بیع بالوفا: قرضہ واجب الاداء کے معاوضہ میں بیع اس طرح کہ جب قرضہ کی ادیگی ہو تو یہ بیع بھی فسخ ہو جائی گی۔

(۱۵)۔ دھلوی "حجۃ اللہ البالغہ" ج ۱، ص ۱۸۹۔

(۱۶)۔ حوالہ سابق۔

(۱۷)۔ دھلوی "حجۃ اللہ البالغہ" ج ۱، ص ۵۰۔

(۱۸)۔ دھلوی "حجۃ اللہ البالغہ" ج ۲، ص ۱۷۰ (مبحث الجھاد)

(۱۹)۔ نظامی خلیق احمد "شاہ ولی اللہ دھلوی کے سیاسی مکتوبات" ص ۴۳۔

(۲۰)۔ دھلوی "البدور البازغۃ" ص ۹۰۔

(۲۱)۔ حوالہ سابق۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ضمیمہ

اسلامی معیشت اور اس کے اطلاق سے متعلق ایک فکر انگیز تحریر

موضوعِ کتاب کی مناسبت سے حضرت العلّام مولانا محمد طاسین رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فکر انگیز مضمون افادہ عام کے لئے پیش کیا جاتا ہے، یہ مضمون پہلی بار رمضان المبارک ۱۴۱۳ھ میں اسلامی معاشی نظام، رکاوٹیں عملی تجاویز کے عنوان سے شائع ہوا، مضمون کی واقعیت اور تعمق کو علمی طبقہ نے تسلیم کیا، چونکہ مضمون میں استحصالی نظام سے نجات اور اسلام کے عادلانہ نظام کے اطلاق سے متعلق علماء اسلام کو خصوصاً بھاری ذمہ داری کا احساس دلایا گیا ہے، ان کے لئے وسیع میدان میں کام کرنے کے مواقعوں کی نشان دہی کر دی گئی ہے، لہذا اس کی تلخیص دوبارہ پیش کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی روح کو سایۂ عاطفیت میں رکھے، آمین۔
بشکریہ "فکر و نظر" و ماہنامہ "القاسم" نوشہرہ۔

اسلامی معاشی نظام

نفاذ و اطلاق رکاوٹیں، تجاویز

ایک نہایت ہی اہم لیکن ساتھ ہی مشکل ترین مسئلہ جو آج پاکستان جیسے مسلم ممالک کو ہر جگہ درپیش ہے اور اپنے حل کا شدید تقاضا کر رہا ہے وہ یہ کہ ان کے ہاں فی الوقت معاشی ظلم و استحصال پر مبنی جو سرمایہ دارانہ اور جاگیر دارانہ معاشی نظام 'قائم اور رائج ہے اس کو کس طرح ختم کیا جائے اور اس کی جگہ اسلام کا عادلانہ معاشی نظام کس طریقہ سے عمل میں لایا جائے؟

یہ مسئلہ ایسے مسلمان زعماء و مصلحین کے لئے سخت بے چینی اور شدید پریشانی کا باعث بنا ہوا ہے جو اپنے نام نہاد اسلامی معاشروں کو حقیقی اور صحیح معنوں میں اسلامی معاشرے بنانے کی اپنے اندر سچی تمنا و تڑپ رکھتے اور بالیقین یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک مسئلہ مذکور حل نہیں ہو جاتا کوئی معاشرہ حقیقی طور پر اسلامی معاشرہ نہیں بن سکتا لہٰذا وہ پوری توجہ کے ساتھ اس مسئلہ کا اطمینان بخش حل تجویز اور تلاش کرنے میں سرگرداں اور مصروف ہیں' میری یہ تحریر بھی اسی مقصد اور اسی مسئلہ سے متعلق ہے۔

معاشی مسئلہ کی اہمیت و ضرورت : جن وجوہ کی بنا پر مسئلہ مذکور نہایت اہم ہے ان میں سے ایک خاص اور نمایاں وجہ یہ کہ بدنصیبی سے آج ہمارے نام نہاد مسلم معاشروں میں بڑی کثرت کے ساتھ جو گوناگوں انفرادی اور اجتماعی برائیاں اور طرح طرح کی جو سماجی' معاشرتی' معاشی' سیاسی اور ثقافتی خرابیاں اور بدعنوانیاں ہیں، غور سے دیکھا جائے تو ان کے اسباب میں سب بڑا سبب وہ سرمایہ دارانہ اور جاگیر دارانہ معاشی نظام ہے جو ان معاشروں میں موجود اور بروئے کار ہے کیونکہ اس نظام کی یہ فطرت اور ذاتی خاصیت ہے کہ وہ افراد معاشرہ کو معاشی طور پر اعلیٰ اور ادنیٰ دو بالکل مختلف طبقوں میں منقسم کرتا اور بھیانک قسم کے غیر فطری معاشی عدم توازن کا باعث بنتا ہے۔

ظالمانہ و استحصالی نظام معیشت کے نتائج : ایک طرف بہت تھوڑی تعداد میں گویا پانچ

toobaa-elibrary.blogspot.com

فیصد سے بھی کم ایسے افراد ہوتے ہیں جن کے قبضہ میں قومی دولت اور وسائل دولت کا بہت بڑا حصہ ہوتا، بڑے بڑے قطعات اراضی، علیشان عمارات، کارخانوں، فیکٹریوں، تجارتی مراکز اور کاروباری اداروں کے مالک کہلاتے اور نہایت شان و شوکت، عیش و عشرت اور امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ سے اعلیٰ معیار کی زندگی گزارتے اور اپنی مالداری و دولتمندی کا فاخرانہ انداز سے اظہار کر کے دوسروں پر اپنی برتری جتلاتے اور رعب جماتے ہیں، اور دوسری طرف پچانوے فیصد سے بھی زائد افراد کی معاشی حالت ایسی ہوتی ہے کہ ان کو یا تو سادہ سے سادہ شکل اور معمولی سے معمولی معیار میں باقاعدگی کے ساتھ بنیادی معاشی ضروریات تک میسر نہیں ہوتیں نہ پیٹ بھر کر دو وقت معمولی کھانا ملتا، نہ تن ڈھانپنے کے لئے مناسب لباس، نہ رہنے سہنے کے لئے سادہ سا گھر میسر ہوتا اور نہ علاج و تعلیم کی کوئی سہولت نصیب ہوتی ہے لہٰذا یہ معاشی لحاظ سے ہمیشہ بدحال و پریشان رہتے ہیں اور یا پھر اگر ان میں سے کچھ افراد کو بنیادی معاشی ضروریات کسی نہ کسی شکل میں ہمیشہ میسر ہوتی ہیں یعنی ان کی اتنی آمدنی ہوتی ہے جس سے روزمرہ کی ضروریات تو کسی طرح پوری ہو جاتی ہیں لیکن کل کے لئے کچھ بچتا بچاتا نہیں گویا ضرورت سے زیادہ رزق و مال کمانے کے راستے ان پر مسدود ہوتے ہیں وہ خواہ کتنی ہی کوشش اور جدوجہد کریں، ضرورت سے زیادہ کچھ حاصل نہیں کر سکتے۔ لہٰذا ہنگامی اور ناگہانی ضروریات کے وقت ان کو معاشی پریشانی کا ضرور سامنا کرنا پڑتا ہے، دراصل یہی وہ لوگ ہیں جو کھیتوں، کارخانوں، منڈیوں، بازاروں، دکانوں اور دفتروں میں محنت کرتے اور قومی معیشت کی گاڑی چلاتے ہیں لیکن ان کو ان کی سعی و محنت کا پھل بہت کم ملتا ہے۔ اس کا بڑا حصہ زمیندار، کارخانہ دار، ساہوکار، کمپنیوں کے ڈائریکٹر اور سربراہ ہتھیا لیتے ہیں جو ذرائع پیداوار اور سرمائے کے مالک ہوتے ہیں۔ بہر حال یہ حقیقت واقعہ اور عام مشاہدہ ہے کہ سرمایہ دارانہ معاشی نظام کے اندر قومی دولت و ثروت چند ہاتھوں میں سمٹتی اور افراد کے درمیان غیر فطری قسم کا معاشی نشیب و فراز ظہور میں آتا ہے ایک طرف انتہائی امیر و خوشحال اور دوسری طرف انتہائی غریب و خستہ حال لوگ وجود میں آتے ہیں اور اس غیر فطری معاشی عدم توازن سے معاشرے میں مختلف قسم کی انفرادی اور اجتماعی برائیوں کا ظہور میں آنا ایک قدرتی امر ہے جن سے اسلام اپنے مجوزہ صالح معاشرے کو پاک صاف رکھنا چاہتا ہے کیونکہ ان کے ذریعے عام بدامنی و بے چینی پیدا ہوتی اور اجتماعی

فلاح و بہبود پر منفی اثر پڑتا ہے۔ غرضیکہ کسی معاشرے کے صحیح معنوں میں اسلامی معاشرے بننے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے اندر ظلم و استحصال پر مبنی جو سرمایہ دارانہ معاشی نظام رائج و موجود ہے وہ ختم اور اس کی جگہ اسلام کا عادلانہ معاشی نظام قائم و رائج ہو، لہٰذا اس سے اس اہمیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو مذکور مسئلہ کو حاصل ہے۔

معاشی مسئلہ کی اہمیت کی دوسری وجہ: ایک دوسری وجہ جس سے مسئلہ مذکور کی غیر معمولی اہمیت پر روشنی پڑتی ہے وہ یہ کہ عہد حاضر کو معاشیات کا عہد بھی کہا جاتا ہے مطلب یہ کہ عہد حاضر میں زندگی کے معاشی مسئلے کی اہمیت اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ گویا یہ مرکزی اور بنیادی مسئلہ ہے باقی سب مسائل اس کے مقابلہ میں ثانوی حیثیت رکھتے ہیں آج کا انسان سب سے پہلے اپنے معاشی مسئلے کا اطمینان بخش حل چاہتا ہے جتنی دلچسپی اس کو معاشی مسئلے سے ہے اتنی دوسرے کسی مسئلہ سے نہیں، معاشی مسئلے کی اہمیت اس کے نزدیک اس قدر بڑھ چکی ہے کہ آج کسی نظام حیات کے اچھے برے اور قابل قبول اور قابل رد ہونے کا معیار یہ بن کر رہ گیا ہے کہ معاشی مسئلے کا حل وہ کیا پیش کرتا ہے اگر اس کا پیش کردہ حل بہتر اور اطمینان بخش ہے تو وہ نظام حیات قابل قبول ہے خواہ دوسرے پہلوؤں سے اس کے اندر کتنی ہی خامیاں اور برائیاں کیوں نہ پائی جاتی ہوں، اس کے برعکس جس نظام حیات کا پیش کردہ معاشی لائحہ عمل اچھا اور اطمینان بخش نہیں وہ اچھا اور قابل قبول نہیں بلکہ قابل رد ہے اگرچہ دوسرے پہلوؤں سے اس کے اندر کتنی خوبیاں اور اچھائیاں کیوں نہ موجود ہوں، اور یہ کہ معاشی مسئلے کا سب سے بہتر اور مثالی حل وہ ہو سکتا ہے جس سے معاشرے کے سو فیصد افراد کو معاشی خوشحالی بھی حاصل ہوتی اور معاشی ترقی کا بھی موقع ملتا ہو۔

اور چونکہ اسلام کے معاشی نظام کے اندر یہ خوبی اور صلاحیت پوری طرح موجود ہے کہ جو معاشرہ اس پر عمل کرے اس کے ہر ہر فرد کو معاشی خوشحالی بھی نصیب ہو سکتی اور معاشی ترقی کا بھی مناسب موقع مل سکتا ہے، لہٰذا عہد حاضر میں اس کو کسی مسلم معاشرے کے اندر عملی طور پر پیش کرنا اور بروئے کار لانا، دنیا میں اسلامی نظام حیات کی مقبولیت اور حقانیت کا بہترین ذریعہ اور موثر وسیلہ ثابت ہو سکتا ہے، اور چونکہ مسئلہ مذکور کا اس سے گہرا تعلق ہے لہٰذا اس سے بھی اس کی اہمیت پر روشنی پڑتی اور اس

toobaa-elibrary.blogspot.com

کا اہم ہونا ثابت اور واضح ہوتا ہے، مسئلہ مذکور کے اہم ہونے کی کچھ اور وجوہ بھی ہیں لیکن میں بغرض اختصار صرف مذکورہ دو وجوہ کے بیان پر اکتفا کرتا ہوں جن سے اس کی غیر معمولی اہمیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اسلامی نظام معیشت اور اس کے اطلاق سے متعلق پہلی مشکل: مسئلہ مذکور کے مشکل ترین مسئلہ ہونے کی کئی وجوہات ہیں ان میں سے پہلی وجہ یہ ہے کہ فی الوقت مثلاً ہمارے ملک پاکستان میں جو سرمایہ دارانہ اور جاگیر دارانہ معاشی نظام قائم ورائج ہے چونکہ طویل عرصہ سے ہے لہٰذا اس کی جڑیں خاصی گہری اور مضبوط ہیں عام لوگوں کے لئے جانا پہچانا اور مانوس نظام ہے نیز اس کے ساتھ معاشرے کے جس طبقہ کے معاشرتی، معاشی اور سیاسی مفادات وابستہ ہیں وہ طبقہ اثر ورسوخ اور قوت واقتدار کے لحاظ سے معاشرے میں اعلیٰ اور ممتاز حیثیت ومرتبہ رکھتا ہے حکومت اور اس کے مختلف اداروں میں اس طبقہ کی موثر نمائندگی اور اس کی پوزیشن نہایت مستحکم ہے اجتماعی امور ومعاملات صرف اس طبقہ کی مرضی سے طے پاتے اور چلتے ہیں معاشرے کے باقی افراد اس طبقہ کے طے کردہ فیصلوں کو ماننے اور ان کی پابندی پر مجبور ہوتے ہیں خواہ دل سے کتنے ہی ناراض وناخوش کیوں نہ ہوں۔ چونکہ اس طبقہ کی معاشرے میں ہر لحاظ سے جو بالاتر اور ممتاز حیثیت ومرتبت ہے وہ مروجہ معاشی نظام کی وجہ سے ہے لہٰذا وہ اپنے مختلف مفادات اور اپنی ممتاز اور بالاتر حیثیت کے تحفظ کی خاطر ضروری سمجھتا ہے کہ موجودہ معاشی نظام اپنی حالت پر قائم و برقرار رہے اور اس میں کوئی ایسی تبدیلی نہ آنے پائے جس سے اس کے مفادات کو نقصان پہنچتا اور اس کی حیثیت متاثر ومجروح ہوتی یا ہوسکتی ہو خواہ وہ تبدیلی دین اسلام کے عین مطابق ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ اس طبقہ کے اکثر لوگ دین اسلام سے صرف اس حد تک دلچسپی رکھتے اور اس کو مانتے ہیں جس حد تک ان کے مفادات کو نقصان نہ پہنچتا ہو، بہر حال سرمایہ داروں اور جاگیر داروں کا یہ طبقہ موجود معاشی نظام کو ہر صورت میں قائم رکھنا چاہتا اور ہر طریقہ سے اس کا تحفظ کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے، جو لوگ اس نظام کو بدلنے کی بات کرتے ہیں ان کو یہ طبقہ اپنا بدترین دشمن قرار دیتا اور ان کے خلاف تمام ایسے حربے استعمال کرانا ضروری گردانتا ہے جن سے ان کی زبان بند اور ان کی عملی کوشش اور جدوجہد ختم ہوسکتی ہو، اس سلسلہ میں وہ نرمی وسختی اور ترغیب وترہیب دونوں سے کام لیتا

اور تبدیلی چاہنے والوں کو ان کی راہ سے ہٹاتا ہے، معاشی نظام میں تبدیلی چاہنے والے بلحاظ تعداد عظیم اکثریت میں ہونے کے باوجود مالی وسائل کی کمی اور باہمی تنظیم کی غیر موجودگی کی وجہ سے کچھ نہیں کر سکتے اس لئے بھی کہ حکومت وقت مخالف طبقہ کے افراد پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ان کے خلاف ہوتی ہے اگر وہ جوش جذبے میں کوئی قدم اٹھاتے ہیں تو انتظامیہ تشدد کے ذریعے ان کو روکتی اور کچل دیتی ہے، اس سلسلہ میں ان کی طرف سے جو پر امن مطالبات کئے جاتے ہیں مختلف طریقوں سے ٹال دیئے جاتے اور بلحاظ نتیجہ فضول ثابت ہوتے ہیں یعنی کوئی مثبت نتیجہ بر آمد نہیں ہوتا جس سے حالات میں کوئی خوشگوار تبدیلی نظر آئے۔

غور فرمایئے کسی معاشرے میں موجود جس معاشی نظام کو داخلی اور اندرونی طور پر معاشرے کے بااثر اور طاقتور افراد کی پرزور حمایت وتائید حاصل ہو وہ اس کو ہر طریقہ سے بحال وبرقرار رکھنا چاہتے ہوں اس معاشی نظام کو بدلنا کتنا مشکل اور دشوار مسئلہ ہوسکتا ہے اور پھر جبکہ اس نظام کو بیرونی اور خارجی طور پر زبردست حمایت وتائید حاصل ہو یعنی جن غیر مسلم ملکوں اور معاشروں سے اس مسلم معاشرے کے سیاسی اور معاشی روابط وتعلقات ہوں اور وہ سیاسی طور پر ان کے تابع وزیر اثر اور معاشی طور پر ان کا محتاج اور دست نگر بلکہ مقروض ہو وہ بھی یہی چاہتے ہوں کہ جس طرح ان کے ہاں سرمایہ دارانہ معاشی نظام ہے اسی طرح اس مسلم ملک ومعاشرے میں بھی سرمایہ دارانہ معاشی نظام قائم وبرقرار رہے اور اس میں کوئی ایسی تبدیلی نہ ہونے پائے جس سے ان کے مفادات کو گزند اور نقصان پہنچتا ہو تو ایسی صورت میں اس معاشی نظام کو تبدیل کرنا بہت ہی زیادہ مشکل اور انتہائی صعب ودشوار ہو جاتا ہے اور چونکہ ہمارے پاکستانی معاشرے کی حالت تقریباً ایسی ہی ہے اس میں رائج اور موجود سرمایہ دارانہ وجاگیر دارانہ معاشی نظام کو بحال وبرقرار رکھنے کے لئے اندرونی وبیرونی قوتیں متفق ہیں، پاکستان کے جن مغربی ممالک سے معاشی اور اسلامی تعلقات ہیں ان کی پوری خواہش اور کوشش ہے کہ پاکستان میں جو معاشی نظام فی الوقت موجود ہے وہ برقرار رہے لہٰذا اس کو بدلنے اور ختم کرنے کا مسئلہ اگرچہ محال وناممکن نہیں لیکن بے حد مشکل ضرور ہے کوئی حقیقت پسند اس کا انکار نہیں کر سکتا۔

تبدیلی نظام کے لئے دو طریقے تدریج یا انقلاب: یہاں یہ عرض کر دینا ضروری

toobaa-elibrary.blogspot.com

سمجھتا ہوں کہ کسی ملک و معاشرے میں رائج جمے جمائے مستحکم نظام کو تبدیل اور ختم کرنے کے اصولی طور پر دو ہی طریقے ہو سکتے ہیں ایک تدریجی (EVOLUTIONarY) اصلاح کا طریقہ اور دوسرا فوری انقلاب (REVOLUTIONARY) کا طریقہ، تدریجی اصلاح کے طریقہ کا مطلب ہے کہ کسی فاسد نظام کو پُرامن طور پر رفتہ رفتہ بدلنے اور درجہ بدرجہ درست کرنے کی علمی و عملی کوشش کرنا۔ بالفاظ دیگر تصادم و ٹکراؤ سے بچتے ہوئے بتدریج ایسی تبدیلیاں عمل میں لانا جن سے فاسد نظام کا فساد دور ہو کر مطلوبہ اصلاح وجود میں آجائے۔ تدریجی اصلاح کے اس طریقہ میں ضروری ہوتا ہے کہ کوئی تبدیلی عمل میں لانے سے پہلے اس کے لئے موافق اور سازگار، ذہنی اور خارجی ماحول تیار کیا جائے، موافق اور سازگار ذہنی ماحول تیار کرنے کا مطلب یہ کہ کوئی تبدیلی عمل میں لانے سے پہلے واضح دلائل کے ساتھ یہ بتلایا اور سمجھایا جائے کہ یہ تبدیلی کیوں ضروری ہے اور اس کے کیا فوائد و ثمرات ہونگے، بالفاظ دیگر ذرائع نشر و اشاعت سے دلائل کے ساتھ یہ بتلایا اور واضح کیا جائے کہ جس چیز کو بدلنا مقصود ہے اس میں کیا برائیاں اور خرابیاں ہیں اور اس کی جگہ جس متبادل چیز کو لایا جارہا ہے اس میں کیا اچھائیاں اور خوبیاں ہیں اور یہ کہ اس سے کیا فائدے حاصل ہونگے دینی و روحانی لحاظ سے اور دنیوی اور مادی لحاظ سے، تاکہ خاص طور پر ان لوگوں کے ذہن اس تبدیلی کو قبول کرنے کے لئے تیار اور ہموار ہو جائیں جن کو اس تبدیلی سے فوری طور پر نقصان پہنچتا ہو اور ان کی طرف سے مخالف رد عمل کا اندیشہ نہ رہے، اور سازگار خارجی ماحول تیار کرنے کا مطلب یہ کہ اس تبدیلی کی راہ میں رکاوٹ بننے والے مادی موانع کو دور کرنا، چونکہ ذہنی اور خارجی ماحول ہونے والی تبدیلی کے موافق و سازگار بنانے کا کام طویل وقت کے ساتھ خاصی دماغی و جسمانی محنت بھی چاہتا ہے لہٰذا تدریجی اصلاح کے طریقہ میں کافی دیر لگتی اور خاصی محنت کرنی پڑتی ہے، بہر حال اس طریقہ سے جو اصلاح وجود میں آتی ہے وہ مستقل اور پائیدار ہوتی نیز یہ طریقہ تصادم اور خون خرابے سے محفوظ ہوتا ہے۔

فوری انقلاب کے طریقہ سے مراد ہے طاقت و قوت کے ذریعے تشدد و سختی کے ساتھ رائج نظام کے ظاہری ڈھانچے کو الٹ پلٹ اور تہہ وبالا کر دینا اور اس کی جگہ اپنی مرضی کا نظام و ڈھانچہ بزور نافذ کر دینا، فوری انقلاب کے اس طریقہ میں اگرچہ وقت کم لگتا اور جلد مقصد حاصل ہو جاتا ہے لیکن اس

میں تصادم اور خون خرابہ ضرور ہوتا اور کافی جانی و مالی نقصان بھی ضرور اٹھانا پڑتا ہے، نیز اس طریقہ سے جو تبدیلی اور اصلاح وجود میں آتی ہے عموماً عارضی و ناپائیدار ہوتی ہے، جب تک اس کی پشت پر طاقت و قوت رہتی ہے وہ قائم رہتی ہے اور جب وہ ڈھیلی اور کمزور پڑتی ہے تو شدید رد عمل ظاہر ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں سارے کئے کرائے پر پانی پھر جاتا اور ناکامی و مایوسی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے مطلب یہ کہ حاصل شدہ کامیابی، ناکامی سے بدل جاتی ہے، اسی طرح اس طریقہ میں بعض دفعہ یہ بھی ہوتا ہے کہ جب انقلابی جماعت ضروری طاقت حاصل کرنے سے پہلے میدان میں کود پڑتی ہے تو مقابلہ میں شکست کھاتی اور ذلیل و خوار ہو کر ختم ہو جاتی ہے اور حصول مقصد کی منزل تک پہنچ ہی نہیں پاتی، تاریخ میں اس کی بہت سے مثالیں ملتی ہیں۔

پیغمبر اسلام کے انقلاب کی نوعیت :

اس ضمن میں یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ اسلام چونکہ امن و سلامتی کا دین ہے اور پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ انسانیت کے لئے سراپا رحمت ہیں لہٰذا ان کے نزدیک معاشرہ انسانی سے ظلم و فساد کو دور کر کے اس کی جگہ عدل و قسط کو قائم کرنے کا صحیح طریقہ تدریجی اصلاح کا طریقہ ہے جو اپنے مزاج کے لحاظ سے امن و سلامتی کا طریقہ ہے اور جس کے ذریعے حاصل شدہ صلاح و درستی، مستقل و پائیدار ہوا کرتی ہے، حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کے مطالعے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپؐ نے انتہائی بگڑے ہوئے عرب معاشرہ کی جس طریقہ سے اصلاح فرمائی وہ یہی تدریجی اصلاح کا یہ طریقہ تھا۔ حدیث اور سیرت کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے ہر اصلاحی اقدام سے پہلے اس کے لئے سازگار ذہنی و خارجی فضا تیار فرمائی اور اصلاح کا یہ عظیم کام بتدریج تقریباً ۲۳ سال کے طویل عرصہ میں مکمل ہوا۔ گویا آپ نے اس مقدس کام میں ہمیشہ اس چیز کو ملحوظ و مدنظر رکھا کہ وقت زیادہ لگتا ہے تو لگے، رفتار دھیمی و سست رہتی ہے تو رہے لیکن جو اصلاح عمل میں آئے پائیداری کے ساتھ قائم رہے اور جو قدم آگے بڑھا ہے کسی طرح پیچھے نہ ہٹے، نیز اس میں اپنی طرف سے ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ کسی سے تصادم اور جنگ کی نوبت نہ آئے۔

واضح رہے کہ بعض مواقع پر کفار و مشرکین سے جو تصادم ہوا اور قتال کی نوبت آئی وہ دفاعی اور جوابی کارروائی کے طور پر تھا اور جس کا مقصد صرف یہ تھا کہ اسلام اور مسلمانوں کی راہ میں رکاوٹ بننے والوں کو

toobaa-elibrary.blogspot.com

راہ سے ہٹایا اور جنگ و قتال کی روش سے ان کو باز رکھا جائے چنانچہ جو لوگ ہتھیار ڈال کر شکست تسلیم کرلیتے اور مزاحمت ختم کردیتے ان کو چھوڑ دیا جاتا پھر اگر ذمیوں کی حیثیت سے مسلمانوں کے اندر رہتے تو ان کی جان و مال اور آبرو کا تحفظ کیا جاتا ہے جبر و اکراہ کے ذریعے ان کو زبردستی مسلمان نہیں بنایا جاتا' یہ ضمنی بات قدرے طویل ہوگئی۔ اصل بات یہ عرض کر رہا تھا کہ اسلام کے نزدیک اصلاح معاشرے کا صحیح طریقہ تدریجی اصلاح کا طریقہ ہے فوری اور انقلاب کا طریقہ نہیں۔ بہر کیف اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ پاکستان جیسے ملک و معاشرے میں معاشی نظام کو بدلنے کا مسئلہ بے حد مشکل مسئلہ ہے۔

(۲) دوسری مشکل: مسئلہ مذکور کے مشکل ترین ہونے کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اسلام کے معاشی نظام کے متعلق علماء اسلام کے درمیان شدید اختلاف پایا جاتا ہے اور یہ اختلاف محض فروعی قسم کا نہیں بلکہ اصولی نوعیت کا ہے 'اسی طرح یہ اختلاف اولیٰ اور غیر اولیٰ کی قسم کا نہیں بلکہ حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی نوعیت کا ہے ایک ہی اہم معاشی معاملہ بعض علماء کے نزدیک حلال و جائز اور دوسرے بعض کے نزدیک حرام و ناجائز ہے۔ مثلاً

☆ زمین کی شخصی ملکیت کی تحدید جائز اور دوسرے بعض علماء کے نزدیک ناجائز۔

☆ مزارعت و بٹائی کے معاملہ کو بنیادی طور پر جائز جبکہ بعض دوسرے علماء ناجائز خیال کرتے ہیں۔

☆ قرض پر مشروط ہر زیادتی سود اور قطعی حرام ہے، خواہ وہ قرض نجی ضروریات سے تعلق رکھتا ہو یا تجارتی و پیداواری مقاصد سے متعلق ہو، جبکہ بعض کے نزدیک دونوں قرضوں میں فرق ہے، تجارتی قرضوں میں گنجائش ہے۔

☆ تجارتی نوعیت کے بیمہ و انشورنس کی ہر قسم حرام جبکہ بعض علماء کے نزدیک بیمہ و انشورنس کی ہر شکل حلال و جائز ہے۔

☆ جوائنٹ اسٹاک کمپنیوں کا کاروبار جائز، بعض علماء کے نزدیک ناجائز و حرام ہے۔

☆ ادھار چیز اس ثمن سے زائد پر بیچنا خریدنا جائز ہے، جو بازار میں بصورت نقد اس چیز کی ہو

جبکہ دوسرے بعض علماء کے نزدیک یہ ربوا کا معاملہ ہے۔

☆ مضاربت کی ایسی شکل جس میں رب المال کی اصل مال کو قرض کے مال کی طرح تحفظ حاصل ہو اور اس پر کچھ اضافہ کی ضمانت ہو جائز و حلال ہے، جبکہ دوسرے علماء کے نزدیک مضاربت کی یہ شکل ناجائز اور ربوا کے حکم میں ہے۔

☆ حکومتی ٹیکسوں کا موجودہ نظام غیر اسلامی و ناجائز ہے، جبکہ دوسرے علماء کے نزدیک یہ نظام عین اسلامی ہے۔

☆ زکوۃ کی مقدار میں ٹیکس کی طرح زیادتی و کمی شرعا جائز ہے، بعض علماء کے نزدیک اس کی شرح میں کمی و بیشی جائز نہیں۔

☆ مل، کارخانے، کرایہ پر چلائی جانے والی بلڈنگوں و عمارات کا تعلق مالِ نامی سے ہے، ان کی ذوات پر ڈھائی فیصد کی شرح سے زکوۃ واجب ہے، بعض علماء کے نزدیک ان کے حاصل پر زکوۃ ہے، ان کی ذوات پر نہیں۔

☆ حکومت کو قیمتیں مقرر کرنے کا اختیار ہے، یا نہیں، بعض حق اور بعض ناحق میں ہیں۔

☆ مکانات وغیرہ کا کرایہ جائز ہے، یا نہیں، دونوں طرف علماء ہیں۔

☆ مذکورہ مسائل میں علماء کا اختلاف ایک لمحہ فکریہ ہے، معاشیات کے بعض اصولی تصورات اور بنیادی نظریات کے بارے میں بھی علماء کے درمیان اختلاف ہے۔

مذکور امورِ معاملات کے علاوہ معاشیات کے بعض اصولی تصورات اور بنیادی نظریات کے بارے میں بھی علماء کے درمیان اختلاف ہے مثلاً یہ کہ محنت کی طرح سرمایہ بھی عامل پیدائش دولت ہے یا نہیں؟ بعض علماء محنت کی طرح سرمایے کو بھی پیدائش دولت کا حقیقی سبب مانتے اور دوسرے بعض اس کا انکار کرتے ہیں' بالفاظ دیگر بعض علماء، اسلام کی رو سے اس تصور اور نظریے کو صحیح مانتے ہیں کہ دولت صرف انسان کی دماغی جسمانی محنت و مشقت سے پیدا ہوتی ہے کسی سرمائے سے پیدا نہیں ہوتی جبکہ دوسرے بعض علماء از روئے اسلام کہتے ہیں کہ محنت کی طرح سرمایہ بھی دولت کو پیدا کرتا ہے۔ ایک اور اصولی تصور اور نظریہ سرپلس ویلیو اور قدر زائد کا تصور و نظریہ ہے بعض علماء کے نزدیک اسلام کے

toobaa-elibrary.blogspot.com

حوالے سے یہ تصور و نظریہ صحیح و درست ہے اور دوسرے بعض کے نزدیک غلط و باطل ہے قدر زائد جس کو عربی میں فائض القیمہ کہا جاتا ہے معاشیات کی ایک اصطلاح ہے جس کا خاص مفہوم و مطلب ہے۔ بہر حال یہاں عرض کرنا یہ مقصود ہے کہ کتنے ہی بنیادی نوعیت کے معاشی نظریات اور اقتصادی امور و معاملات ہیں جن کے متعلق اسلام کے حوالے سے علماء کرام کے مابین شدید اختلاف ہے اور پھر ہر عالم پورے زور و شور کے ساتھ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کی رائے صحیح اور اسلامی اور دوسرے کی غلط و غیر اسلامی ہے ایسی صورت حال میں بتلایئے کہ کوئی کیا سمجھے کہ اسلام کا معاشی نظام کیا اور وہ دنیا کے دوسرے معاشی نظاموں سے کیسے مختلف اور کیسے بہتر ہے؟

بنابریں صاف ظاہر ہے کہ جب تک علماء کرام کے اتفاق سے قرآن و حدیث کے ساتھ مطابق اسلام کا معاشی نظام متعین نہ ہو جائے اس وقت تک مسئلہ مذکور حل نہیں ہو سکتا' اسی طرح یہ بھی ظاہر ہے کہ علماء کرام کے مابین اسلام کے معاشی نظام کے متعلق جو اختلاف آراء ہے اس کا دور کرنا گرچہ ناممکن اور محال نہیں لیکن بے حد مشکل و دشوار ضرور ہے۔

بہر حال اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ معاشی نظام کے متعلق علماء اسلام کے مذکورہ اختلافات کی موجودگی میں ان نیک دل حضرات کی یہ تمنا و آرزو کبھی پوری نہیں ہو سکتی کہ ہمارے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے اندر موجودہ استحصالی سرمایہ دارانہ اور جاگیر دارانہ نظام کی جگہ اسلام کا عادلانہ معاشی نظام عمل میں آئے اور اس کی برکات کا ظہور ہو۔

(۳) تیسری مشکل: مسئلہ مذکور کے مشکل ہونے کی تیسری وجہ یہ بھی ہے کہ اسلام کے معاشی نظام کے نافذ ہونے اور عمل میں آنے کے لئے جس طرح کا ذہنی اور خارجی ماحول موجود ہونا ضروری اور شرط مقدم ہے بد قسمتی سے موجودہ نام نہاد مسلم معاشروں میں موجود نہیں پاکستان میں تو بالیقین موجود نہیں' اس اجمال کی کچھ تفصیل یہ ہے کہ اسلام کے جو معاشی اصول و احکامات ہیں ان کا اسلام کے ایمانی عقائد اور عبادات سے نہایت گہرا تعلق ہے وہ اس طرح کہ ان اصول و احکامات پر عمل کرنے کے لئے افراد معاشرہ کے ذہنوں میں عدل و احسان کے جن وسیع و ہمہ گیر اخلاقی احساسات کا موجود ہونا ضروری ہے وہ ایمانی عقائد کے ذریعے وجود میں آتے اور اسلامی عبادات کے ذریعے زندہ

و بیدار رہتے ہیں۔ یہاں یہ واضح رہے کہ یوں تو ہر انسان کے اندر پیدائشی طور پر عدل و احسان کا جذبہ و احساس موجود ہوتا ہے لیکن یہ مطلق اور مجرد ہوتا ہے بعد میں اس کے دائرہ کے اندر جو تنگی و کشادگی ہوتی ہے وہ اس شعور کے مطابق ہوتی ہے جو تعلیم و تربیت وغیرہ سے انسانی ذہن میں ابھرتا ہے شعور پست و محدود ہوتا ہے تو جذبہ عدل و احسان بھی پست و محدود ہوتا اور شعور بلند اور وسیع ہوتا ہے تو جذبہ عدل و احسان بھی بلند اور وسیع ہوتا ہے چنانچہ بعض افراد کا جذبہ عدل و احسان صرف اپنے خاندان و کنبے کے افراد کے حد تک محدود ہوتا ہے لہٰذا ان کے ساتھ تو ان کا برتاؤ عدل و احسان کا ہوتا ہے لیکن ان علاوہ دوسرے لوگوں کے ساتھ ان کا سلوک عدل و احسان کا نہیں ہوتا ہے' اسی طرح بعض افراد کے شعور اور جذبہ عدل و احسان کا دائرہ اپنے قبیلے اور اپنی قوم و ملت کے افراد تک وسیع ہوتا لہٰذا وہ عملی طور پر ان لوگوں سے تو عدل و احسان کا برتاؤ کرتے ہیں جو اس کے قبیلے اور اس کی قوم و ملت سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ان کے سوا باقی لوگوں سے اس کا برتاؤ عدل و احسان کے مطابق نہیں ہوتا بلکہ بعض دفعہ اس کے خلاف ہوتا ہے' بہر حال یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے جس کا ہم ہر سطح پر برابر مشاہدہ کرتے اور اس کے ان نتائج و عواقب کو بھی دیکھتے اور جانتے ہیں جو عدل و احسان کے محدود جذبے اور برتاؤ کی وجہ سے انسانوں کے مابین باہمی عداوت و نفرت اور نزاع و تصادم کی شکل میں سامنے آتے ہیں۔

دین اسلام کا انسان دوستی تک وسعت: اسلام چونکہ پوری انسانیت کا دین ہے وہ ایک ایسے عالمگیر انسانی معاشرے کا قیام چاہتا ہے جو عدل و قسط پر قائم ہو اور جس کا ہر فرد بلا کسی تخصیص و امتیاز دوسرے ہر فرد کے ساتھ عدل و قسط کا برتاؤ کرتا یعنی جس میں ہر انسان بلا تخصیص رنگ و نسل' بلا امتیاز قوم و وطن' بلا تفریق قبیلہ و خاندان و بلا استثناء دین و مذہب ہر دوسرے انسان کا ہر حق ٹھیک اور پورا پورا ادا کرتا ہو بلکہ بعض حالات میں اپنے حق کا دوسروں کے لئے ایثار بھی کرتا ہو لہٰذا ضروری تھا کہ ایسے معاشرے کے افراد کے اندر عدل و احسان کا جو اخلاقی جذبہ ہو اس کا دائرہ پوری انسانیت تک وسیع اور عالمگیر ہو' اور پھر چونکہ عدل و احسان کا ایسا وسیع اور ہمہ گیر جذبہ صرف اس ایک اللہ تعالیٰ کے اعتقاد و یقین اور اس پر ایمان سے ہی انسان کے اندر پیدا ہو سکتا تھا جس کی صفات میں سے ایک صفت رب العالمین' رب الناس ہے یعنی اقوام عالم اور تمام انسانوں کو پالنے' پوسنے' نشو و نما دینے اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

درجۂ کمال تک پہنچانے والا' سب کی پرورش اور دیکھ بھال کرنے والا اور دوسری صفت رحمان ور حیم ہے جس کا مطلب ہے عالمگیر اور دائمی رحمت والا اور جس کی رحمت و مہربانی ہر شے پر چھائی ہوئی ہے اور کوئی چیز اس سے محروم نہیں' یعنی اپنی رحمت سے سب کو نوازنے والا' لہٰذا اسلام نے انسان کو سب سے پہلے جو تعلیم دی وہ اللہ رب العالمین' رحمان ور حیم اور مالک یوم الدین پر ایمان لانے اور اعتقاد و یقین رکھنے کی تعلیم ہے۔ قرآن حکیم کی پہلی سورت جس کا نام سورۃ الفاتحہ ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی مذکورہ صفات کا ذکر ہے اور پھر سورۃ الفاتحہ کے پڑھنے کو نماز کی ہر رکعت لازم وواجب قرار دے کر اس کا اہتمام کیا گیا ہے کہ بندہ مومن کے ذہن اور دماغ میں اللہ تعالیٰ کی مذکورہ صفات کی یاد ہمیشہ زندہ اور بیدار رہے کیونکہ اللہ کی ان صفات کا اعتقاد و شعور بندۂ مومن کے جذبۂ واحسان کو عالمگیر وسعت دیتا ہے اور اس کو اس پر آمادہ کرتا ہے کہ تمام خلق خدا کے ساتھ حسن سلوک کرے اور سب انسانوں کے ساتھ عدل واحسان سے پیش آئے اور پھر چونکہ اللہ کی عبادت ہی وہ واحد ذریعہ ہے جس سے بندہ مومن کے دل و دماغ میں اللہ تعالیٰ کی صفات اور ان صفات سے حاصل شدہ اخلاقی احساسات وجذبات زندہ' بیدار اور تازہ رہتے ہیں۔ لہٰذا اسلام قبول کرنے والوں کو ایمانی عقائد کے بعد جو دوسری تعلیم دی گئی وہ صلوٰۃ و زکوٰۃ کی عبادت کی تعلیم تھی بعد میں صوم اور حج وغیرہ کی بھی تعلیم دی گئی۔ اس کے بعد تدریج کے ساتھ زندگی کے مختلف شعبوں یعنی معاشرتی' معاشی اور سیاسی پہلوؤں سے متعلق ایجابی و امتناعی احکام اوامر و نواہی کی شکل میں دیئے گئے اور جن قرآنی آیات میں دیئے گئے ان کے شروع میں یا ایھا الذین امنوا سے خطاب کیا گیا' جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ عملی احکام ان لوگوں سے متعلق ہیں جو مشرف بہ ایمان ہو چکے ہیں ان سے متعلق نہیں جن کے دل نور ایمان سے خالی اور محروم ہیں کیونکہ ایسے لوگ اسلام کے عملی احکامات پر دلجمعی کے ساتھ عمل کر نہیں سکتے اور اگر کر لیں تو ان پر وہ اثرات و فوائد مرتب نہیں ہوتے جو ایک بندۂ مومن کے عمل پر مرتب ہوتے ہیں جو خالصۃً اللہ کی رضا کی خاطر اور اس کی اطاعت کے جذبہ سے کرتا ہے۔

غرضیکہ عدل واحسان پر مبنی اسلام کی معاشی تعلیمات صرف ایک ایسے معاشرے میں صحیح طور پر بروئے کار آسکتی اور پائیداری کے ساتھ قائم رہ سکتی ہیں جس کی بڑی اکثریت کے ذہن

میں ایمانی عقائد یعنی اللہ کی ذات و صفات کا عقیدہ' آخرت کی زندگی اور جزاء و سزا کا عقیدہ' اللہ کے فرشتوں' کتابوں اور رسولوں کا عقیدہ یعنی وحی و رسالت کا عقیدہ بالخصوص قرآن مجید کے کتاب اللہ اور حضرت محمد ﷺ کے رسول اللہ ہونے کا عقیدہ موجود اور راسخ ہو۔ لفظی طور پر نہیں بلکہ معنوی اور حقیقی طور پر موجود ہو اور عملی زندگی اس کی شہادت فراہم کرتی ہو' نیز اس معاشرے کی عظیم اکثریت فرض عبادات کی عملاً پابند و خوگر ہو کیونکہ دراصل ایسے ہی لوگوں کے اندر عدل واحسان کے وہ وسیع اور ہمہ گیر جذبات واحساسات ہو سکتے ہیں جن کی تحریک سے انسان عدل واحسان والی اسلامی معاشی تعلیمات پر بلا کسی تخصیص وامتیاز عمل کر سکتا ہے۔

اس پہلو سے جب ہم حقیقت پسندی کے ساتھ اپنے موجودہ نام نہادی اسلامی معاشروں وملکوں کا بے لاگ جائزہ لیتے ہیں بشمول پاکستان کے تو بڑی مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ زبانی اور لفظی طور پر تو ایمان ہمارے ہاں بہت زیادہ موجود ہے لیکن قلبی' حقیقی اور معنوی طور پر ایمان آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں۔ چنانچہ اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ اسلام کا پرچار کرنے اور اس کے نفاذ کا مطالبہ کرنے والے عملی طور پر تضاد کا شکار ہیں۔ دوسروں کا تو ذکر ہی کیا وہ تو ٹھرے ہی اسلام اور قرآن وحدیث سے جاہل اور دنیادار!!

<u>اسلامی معاشرہ اور ضروریات زندگی کی فراہمی:</u> اسلامی معاشی نظام کے صحیح اور کامل طور پر عمل آنے کے لئے مذکورہ ذہنی ماحول کے ساتھ جس خارجی ماحول کا معاشرے میں موجود ہونا ضروری ہے اس میں اہم اور بنیادی چیز معاشرے کا بنیادی معاشی ضروریات کے لحاظ سے خود کفیل ہونا ہے کیونکہ جو معاشرہ بنیادی ضروریات کے لحاظ سے خود کفیل اور اپنے قدموں پر کھڑا نہ ہو وہ مجبور ہوتا ہے کہ بنیادی معاشی ضروریات مثلاً غلہ کپڑا وغیرہ دوسروں سے ان کی مرضی اور ان کے معاشی اصولوں کے مطابق حاصل کرے اور زندگی گزارے۔ جہاں تک آسائشات اور تعیشات کی چیزوں کا تعلق ہے ان میں خود کفیل ہونا ضروری نہیں کیونکہ زندگی ان کے بغیر بھی گزر سکتی ہے۔ بہر کیف ایک مسلم معاشرے کے لئے یہ لازمی وضروری ہے کہ وہ بنیادی معاشی ضروریات سے تعلق رکھنے والی چیزوں کی پیداوار اس حد تک بڑھائے کہ اس کی ضروریات کے لئے کافی ہوں اور اس کے لئے دوسری قوموں

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے تجربات اور نئے سے نئے ذرائع پیداوار سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ اسلام اس پر کوئی پابندی نہیں لگاتا بلکہ اس کی ترغیب دیتا ہے۔

اوپر تیسری مشکل کے متعلق جو عرض کیا گیا اس سے بجا طور پر یہ مطلب نکلتا ہے کہ جس نام نہاد اسلامی معاشرے میں مذکورہ ذہنی اور خارجی ماحول اور فضا موجود نہ ہو ایسے معاشرے میں اسلامی نظام کے فوری نفاذ کی کوشش کبھی کامیاب نہیں ہو سکتیں نہ کوئی حکومت اس کے فوری نفاذ میں کامیاب ہو سکتی ہے اور نہ کوئی اسلامی سیاسی جماعت جو بھی اس قسم کی بات کرتا ہے اس کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے کہ بے سوچے سمجھے یا دوسروں کو دھوکا دینے کے لئے اور اپنا الو سیدھا کرنے کی خاطر ایسی بات کرتا ہے۔

اسلامی نظام معیشت سے متعلق ایک غلط فہمی :

یہاں ایک یہ بات عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ جو لوگ یہ سمجھتے اور کہتے ہیں کہ پاکستان میں فی الوقت جو سرمایہ دارانہ اور جاگیر دارانہ معاشی نظام موجود ہے اگر اس میں ایک چیز کی کمی کر دی اور دوسری چیز کا اضافہ کر دیا جائے تو پھر یہی نظام اسلامی نظام بن جائے گا۔ ایک چیز کی کمی سے ان کی مراد بینکوں کا سود' اور دوسری چیز کے اضافہ سے ان کی مراد زکوٰۃ و عشر کا اضافہ ہے گویا موجودہ نظام میں بینکوں کا سود ختم ہو جائے اور لوگ خود سے یا حکومت کے توسط سے زکوٰۃ و عشر ادا کرنے لگیں تو موجودہ معاشی نظام اسلامی معاشی نظام بن گیا اب مزید کچھ کرنے کی ضرورت نہیں گویا ان حضرات کے نزدیک مزارعت وبٹائی پر مبنی موجودہ زمینداری زرعی نظام بھی عین اسلامی ہے۔ سرپلس ویلیو اور قدر زائد کے وجود پر مبنی موجودہ کارخانہ داری صنعتی نظام بھی قطعاً اسلامی ہے' مکانات وغیرہ کی کرایہ داری کا کاروبار بھی بغیر کسی تحدید و تقیید کے اسلام کے مطابق اور عین اسلامی ہے۔ درآمدی برآمدی تجارت کا رائج نظام بھی جس میں غیر حاضر اور غیر موجود اشیاء کی خرید و فروخت ہوتی اور بینکوں اور انشورنس کمپنیوں کے توسط سے چلتا ہے بالکل اسلامی ہے۔ اسٹاک ایکس چینج میں کمپنیوں کے کاغذی شیئرز و حصص کی جو خرید و فروخت ہوتی اور سٹہ بازی کے ذریعے قیمتوں کو جو بڑھایا گھٹایا جاتا ہے ان حضرات کے نزدیک یہ بھی صحیح اسلامی ہے۔ جوائنٹ اسٹاک کمپنیوں کا مروجہ کاروبار بھی بالکل اسلامی ہے۔ حکومت کی طرف سے جاری

کردہ مختلف سرٹیفکیٹ اور بانڈز جن میں ادا کی گئی رقم پر مدت کے لحاظ سے متعین اضافہ مقرر ہوتا ہے کا لینا دینا بھی اسلام کے عین مطابق ہے وغیرہ وغیرہ۔

اسلام کے معاشی نظام کے متعلق جن اہل علم حضرات کا مذکورہ خیال ہے ان کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ ان کو اسلام کے دوسرے پہلوؤں سے متعلق یقیناً بہت کچھ پڑھنے اور سوچنے سمجھنے کا موقع ملا ہوگا لیکن معاشی پہلو سے متعلق قرآن و حدیث کی روشنی میں ان کو بہت ہی کم کچھ پڑھنے اور سوچنے سمجھنے کا موقع ملا اور نہ وہ کبھی اسلام کے معاشی نظام کے متعلق ایسی بات نہ کہتے جو اوپر نقل کی گئی۔ ان حضرات نے قرآن و حدیث میں یہ تو ضرور پڑھا کہ ربو النسیہ یعنی قرضوں والا سود جس کا موجودہ بینکوں میں لین دین ہوتا ہے قطعاً حرام و ممنوع ہے۔ لیکن اس پر غور نہ فرمایا کہ اس کے حرام و ممنوع کی اصل اور حقیقی وجہ کیا ہے اس میں وہ کونسی برائی ہے جس کی وجہ سے شارع نے اس کو حرام و ممنوع ٹھرایا ہے۔ اگر وہ اس پر غور فرماتے اور اس میں وہ حضرات مفسرین کرام کی ان عبارات و تصریحات کو بھی دیکھتے اور ان سے فائدہ اٹھاتے جو انہوں نے اپنی تفاسیر کے اندر ربو کی حقیقت اور اس کے حرام ہونے کی علت سے متعلق تحریر فرمائی ہیں اور پھر اس کی روشنی میں موجودہ معاشی نظام کے ان پہلوؤں کا گہرا اور تحقیقی جائزہ لیتے جو اوپر ذکر کیے گئے تو وہ یقیناً اس نتیجہ تک پہنچتے کہ ان پہلوؤں میں بھی وہ برائی پوری طرح موجود ہے جس کی وجہ سے بینکوں والا سود حرام و ممنوع ہے۔ لہٰذا وہ کبھی یہ نہ کہتے معاشی نظام کے یہ پہلو اسلام کے مطابق ہیں ان میں کسی بنیادی تبدیلی کی ضرورت نہیں۔

سرمایہ داری بحیثیت ایک کل کے قائم رکھتے ہوئے جز (سود) سے نجات :

یہاں ایک یہ بات بھی عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ جس ملک و معاشرے کا معاشی نظام سرمایہ دارانہ ہو جو اپنے بعض بنیادی اصولوں کی بنا پر سود کو قانوناً جائز قرار دیتا ہے اس میں کبھی یہ بحث نہیں کی جاتی کہ نفس سود جائز ہے یا ناجائز یا یہ کہ اس کی کونسی قسم جائز ہے اور کونسی قسم ناجائز' اس میں سود کے متعلق اگر کبھی کوئی بحث کی جاتی ہے تو وہ اس کی شرح سے متعلق ہوتی ہے کہ کن حالات میں شرح سود کتنی ہونی اور کتنی نہ ہونی چاہیے۔ بہر حال چونکہ نظام سرمایہ داری میں سود کوئی بری چیز نہیں لہٰذا اس کے تمام اداروں میں سود کا عنصر کم و بیش ضرور موجود ہوتا ہے بینکاری کا ادارہ ہو یا بیمہ کاری کا

toobaa-elibrary.blogspot.com

ادارہ' در آمدی بر آمدی تجارت کا ادارہ ہو یا کارخانہ داری کا ادارہ' جوائنٹ اسٹاک کمپنیوں کا ادارہ ہو یا اجارے اور کرایہ داری کا ادارہ گویا نظام سرمایہ داری کے چھوٹے بڑے سب اداروں میں سود اس طرح جاری وساری ہوتا ہے جس طرح ایک زندہ جسم کے جملہ اعضاء میں خون جاری وساری ہوتا ہے۔ بنابریں نظام سرمایہ داری کی بحیثیت ایک کل کے قائم رکھتے ہوئے اس کے کسی ایک جزو مثلاً بینکاری کے ادارہ کو سود سے پاک کرنے کی کوشش کرنا' ایک بالکل ناکام اور لاحاصل کوشش ہوتی ہے کیونکہ جزو کا مزاج ہمیشہ کل کے مزاج کے تابع رہتا ہے۔ چنانچہ اس کا نمایاں ثبوت یہ کہ سابقہ ادوار میں بینکوں کے ادارہ کو سود سے پاک کرنے اور اسلامی بنانے کے لئے ماہرین اقتصادیات کا ایک پینل تشکیل دیا گیا جس میں اسلامی نظریاتی کونسل کے بھی بعض ارکان شریک تھے اس پینل نے طویل محنت وکاوش کے بعد ایک کافی مفصل رپورٹ پیش کی جس کا عنوان تھا "بلاسود بینکاری" اور پھر اس کو شائع بھی کیا گیا اس رپورٹ میں یہ تسلیم کرنے کے بعد کہ بینکاری کی جو موجودہ شکل ہے وہ قطعی طور پر سودی اور غیر اسلامی ہے اس کو اسلامی اور غیر سودی بنانے کے لئے متبادل کے طور پر متعدد تجاویز پیش کی گئیں اور کہا گیا کہ ان تجاویز میں پیش کردہ معاملات کی بنیاد پر بینکاری کی جائے تو وہ غیر سودی بھی ہو گی اور اسلامی بھی لیکن اسی پینل کے ایک رکن نے جن کو ماہر اقتصادیات کی مسلمہ حیثیت سے اس میں شریک کیا گیا تھا کیونکہ انہوں نے زندگی کا بڑا حصہ سود کی تحقیق وریسرچ میں صرف کیا تھا جیسا کہ ان کی سود کے موضوع پر شائع شدہ کتابوں اور تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے اس رکن سے میری مراد پروفیسر شیخ محمود احمد ہیں جن کا کچھ ہی عرصہ پہلے لاہور میں انتقال ہوا' پینل کی رپورٹ کے متعلق انہوں نے اپنے اختلافی نوٹ میں لکھا کہ رپورٹ میں سود کے متبادل جتنے معاملات پیش کئے گئے ہیں وہ اپنی حقیقت' غرض اور معروضی نتائج لحاظ سے سود کے مترادف ہیں لہٰذا غیر اسلامی ہیں علاوہ ازیں اس رپورٹ میں سود کے متبادل تجویز کردہ معاملات میں ایک معاملہ "نفع ونقصان میں شراکت" کے نام سے بھی پیش کیا گیا اور اس کا نفاذ بھی عمل میں آیا' متعدد علماء کرام نے اس کے غیر سودی ہونے کی تردید کی اور دلائل کے ساتھ بتلایا کہ یہ بھی اپنی حقیقت' غرض وغایت اور اپنے معروضی اثرات ونتائج کے لحاظ سے سودی معاملہ ہے۔

مقصد عرض کرنے کا یہ ہے کہ جس ملک ومعاشرے میں بنیادی طور پر سرمایہ دارانہ معاشی نظام رائج ہو چونکہ اس کے اندر سرمایہ کاری کی ایسی بکثرت شکلیں موجود اور قانوناً جائز ہوتی ہیں جن میں ایک فریق دوسرے کو کاروبار وغیرہ کے لئے سرمایہ اس شرط پر دیتا ہے کہ اس کا سرمایہ قرض کی طرح محفوظ رہے گا اور وقت کے لحاظ سے اس میں کچھ نہ کچھ اضافہ بھی ضرور ہو گا لہٰذا اس کے اندر بینک کا ادارہ بھی صرف اسی طریقہ سے کام کر سکتا ہے یعنی وہ دوسروں سے جو مال لے اس کی حیثیت واجب الاداء قرض کی اور مدت کے لحاظ سے اس پر اضافہ بھی ضرور ہو' اسی طرح بینک جن لوگوں کو کاروبار وغیرہ کے لئے مال دے اس کی حیثیت بھی واجب الادا قرض کی اور اس پر اضافہ ضروری ہو' مالی لین دین کا یہ طریقہ سودی طریقہ کہلاتا ہے۔ بینک اس طریقہ کے سوا دوسرے کسی ایسے طریقہ سے اپنا کاروبار جاری نہیں رکھ سکتا جس میں مال والے فریق کے لئے کچھ اضافہ کے ساتھ اصل مال کی واپسی کی ضمانت نہ ہو' مثلاً مضاربت کا طریقہ کہ اس میں اضافہ تو درکنار اصل مال کی واپسی کی بھی ضمانت نہیں دی جا سکتی کیونکہ اس مال والے فریق کام کرنے والے فریق کے پاس جو مال ہوتا ہے واجب الادا قرض کے طور پر نہیں ہوتا بلکہ امانت کے طور پر ہوتا ہے امانت والے مال کا شرعی حکم یہ ہے کہ وہ اگر کسی ارضی سماوی آفت سے ضائع ہو جائے تو اس کا نقصان امانت والے صاحب مال کو برداشت کرنا پڑتا ہے جب کہ قرض کا مال ضائع ہو جانے کی شکل میں بھی مقروض کو ضرور ادا کرنا پڑتا ہے قرض خواہ کسی نقصان کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔ لہٰذا سرمایہ دارانہ معاشی نظام میں بینک کا ادارہ مضاربت کی بنیاد پر نہیں چل سکتا مطلب یہ کہ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ سرمایہ دارانہ نظام کے اندر بینک کے ادارہ کو غیر سودی طریقوں سے چلایا جا سکتا ہے وہ مغالطے کا شکار ہیں اور دھوکے میں مبتلا' اسلامی بینکاری کے لئے یار لوگوں نے مختلف ناموں سے اب تک جتنے طریقے تجویز کئے ہیں وہ سب معنوی لحاظ سے سودی طریقے ہیں وہ برائی جو قرض والے سود میں پائی جاتی ہے وہ پوری طرح ان معاشی معاملات میں بھی پائی جاتی ہے جو بینکاری کے لئے متبادل کے طور پر تجویز کئے گئے ہیں' ان متبادل طریقوں سے بینکاری کے معروضی اثرات ونتائج سو فیصد ویسے ہی ظاہر ہونا لازمی ہے جو موجودہ سودی بینکاری کے آج ہمارے سامنے ہیں' مجھے اندیشہ اس کا ہے کہ جو لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے کہ اسلام کے نام پر جو نیا بینکاری نظام بنایا گیا ہے معروضی

toobaa-elibrary.blogspot.com

نتائج واثرات کے لحاظ سے اس میں اور سابقہ غیر اسلامی بینکاری نظام میں کوئی خاص فرق نہیں، جو غنی ومالدار لوگ سابقہ سودی بینکاری والے نظام سے جس طرح فائدے اٹھارہے تھے وہی لوگ اسی طرح سے اس نئے بینکاری نظام سے بھی فائدہ اٹھارہے ہیں اب بھی دولت کی گردش انہیں لوگوں کے درمیان محدود ہے جن کے درمیان سابقہ نظام بینکاری میں محدود تھی، عام آدمی کو جو اپنی خستہ معاشی حالت کی وجہ سے نہ بینک کو پیسہ دے سکتا اور نہ اس سے قرض لے سکتا ہے نہ سابقہ نظام بینکاری سے کوئی فائدہ پہنچتا تھا اور نہ اس نئے نظام بینکاری میں جو اسلام کے نام پر قائم کیا گیا ہے اس کو کوئی فائدہ حاصل ہو سکتا ہے تو گویا معاشرے کی پچانوے فیصد آبادی کو بینکاری کے اس نظام کو لفظی تبدیلی سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا اور اس غیر فطری معاشی عدم توازن میں ذرہ برابر کمی نہیں ہوتی جو معاشرے میں پایا جاتا ہے تو اس صورت حال کو دیکھ کر لوگوں کے اندر یہ خیال پیدا ہونا قدرتی ہے کہ اسلام کے معاشی نظام کے متعلق علماء کے دعوے غلط تھے جو عام مسلمانوں کے سامنے کرتے رہے کہ اس میں نہ کوئی غریب رہتا ہے اور نہ امیر بلکہ سب تقریباً برابر ہو جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ بلکہ کچھ کمزور ایمان کے لوگ خود اسلام سے ہی بدگمان اور متنفر ہو جائیں یہ بھی بعید از عقل نہیں، رہے مخالفین اسلام تو ان کو تو ایسی صورت میں اسلام کے خلاف زہر اگلنے اور پروپیگنڈہ کرنے کا خوب موقع ملے گا، بہر حال ایسی صورت میں اسلام کی نیک نامی کو جو نقصان پہنچے گا اس کے تمام تر ذمہ دار اور قصوروار اسلام کے وہ نادان دوست ہونگے جو بغیر سوچ سمجھے بے احتیاطی کے ساتھ اسلام کے معاشی نظام کی غلط ترجمانی کر رہے ہیں اللہ ان کو حقیقت حال کے صحیح طور پر سمجھنے کی توفیق بخشے!

ضمنی لیکن نہایت ضروری بحث کے بعد اب میں اپنے اصل موضوع کی طرف آتا ہوں، میں سمجھتا ہوں گزشتہ صفحات میں جو کچھ لکھا گیا اس سے مسئلہ زیر بحث کی غیر معمولی اہمیت کی وضاحت کے ساتھ ان وجوہ کی بھی نقاب کشائی ہو گئی ہے جن کے سبب یہ مسئلہ ایک نہایت مشکل اور پیچیدہ مسئلہ بھی ہے۔

کیا محض آرزوں سے مقصد حاصل ہو سکتا ہے؟: اب میں کچھ اس طریق کار کے متعلق عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جس کا اختیار کرنا میرے نزدیک اس مسئلہ کے حل کے لئے ضروری ہے، طریق کار کے متعلق کچھ عرض کرنے سے پہلے یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ جہاں تک دلی

خواہش وآرزو کا تعلق ہے دوسرے بہت سے مسلمانوں کی طرح میری آرزو بھی یہی ہے کہ جتنی جلدی ممکن ہو ہمارے ملک پاکستان اور پاکستانی معاشرے سے موجودہ استحصالی ظالمانہ معاشی نظام ختم اور اس کی جگہ اسلام کا عادلانہ معاشی نظام قائم ہو، لیکن اس عالم اسباب میں محض خواہشوں اور تمناؤں سے کوئی مقصد حاصل نہیں ہوتا بلکہ یہ صرف اس وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ ضروری اسباب مہیا ہو جائیں جو قدرتی طور پر اس کے لئے مقرر ہیں مثلاً ایک بھوکے پیاسے انسان کی بھوک پیاس محض کھانے وپانی کی خواہش وآرزو سے دور نہیں ہوتی بلکہ اس وقت دور ہوتی ہے جب کھانا اور پانی حاصل کر کے کھایا اور پیا جاتا ہے اسلام چونکہ اسی اللہ رب العالمین کا ہدایت کردہ دین ہے جس نے عالم اسباب کو پیدا فرمایا ہے لہٰذا اسلام کی مسلمانوں کے لئے یہ تعلیم اور ہدایت ہے کہ وہ ہر مقصد حاصل کرنے سے پہلے وہ اسباب ووسائل مہیا کرنے کی پوری کوشش کریں اور نتیجہ کے لئے اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب پر بھروسہ اور توکل کریں۔ مطلب یہ کہ توکل ترک اسباب کا نام نہیں بلکہ ضروری اسباب مہیا کرنے کے بعد نتیجہ کے لئے اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور بھروسے کا نام توکل ہے جس کی اسلام میں تعلیم ہے اور جو پیغمبر اسلام کی سنت سے ظاہر ہے آپؐ نے ہمیشہ ہر مقصد سے پہلے اس کے لئے ضروری اسباب فراہم کرنے کی کوشش فرمائی اور کامیابی کے لئے اللہ سے دعا کی، محض دعا پر بھروسہ نہیں فرمایا، لہٰذا اتباع سنت نبوی کے تحت ہم مسلمانوں کے لئے بھی ضروری ہے کہ نیک مقصد کو حاصل کرنے سے پہلے ان اسباب کو معلوم کریں جن پر اس مقصد کے حصول کا دارومدار ہے اور پھر ان اسباب کو مہیا کرنے کی ہر ممکن سعی وکوشش کریں اور کامیابی کے لئے نہایت عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں جو مسبب الاسباب ہے اور جس کے ہاتھ میں کامیابی کا پورا اختیار ہے۔

نظام عدل قیام کے لئے پہلا کام: بہر کیف معاشرے میں معاشی نظام کی تبدیلی کا جو مقصد ہے وہ محض آرزو اور خواہش سے حاصل نہیں ہو سکتا اس کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ اس کا طریق کار اور طرز عمل کو معلوم اور اختیار کیا جائے جو اس عالم اسباب میں اس کے لئے مقرر ہے جہاں تک اس بارے میں میرے علم وفہم اور غور فکر کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں اس سلسلہ میں سب سے پہلے کرنے کا جو کام ہے وہ قرآن حدیث کی روشنی ورہنمائی میں اسلام کے حقیقی معاشی نظام کے تعین کا علمی

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفکری کام ہے موجودہ حالات میں یہ اہم علمی کام انفرادی کی بجائے اجتماعی طریقہ سے ہونا چاہئے مطلب یہ کہ اس اہم علمی وفکری کام انجام دینے کے لئے ایسے علماء کرام کی ایک جماعت مقرر کی جانی چاہئے جو قرآن وحدیث کے وسیع وعمیق علم کے ساتھ علم المعاشیات اور جدید معاشی نظاموں سے بھی ایک حد تک واقف وآگاہ ہوں نیز ضروری ہے کہ اس کے ارکان کھلے ذہن کے ساتھ غور وفکر اور استنباط واستخراج کی غیر معمولی صلاحیت رکھتے اور استدلال کے منطقی طریقوں کو اچھی طرح جانتے ہوں اور کسی فقیہ کے اندھے مقلد نہ ہوں شخصیت سے زیادہ دلیل سے متاثر ہوتے ہوں اس جماعت کے ارکان کے لئے جدید معاشی علوم وافکار اور مروجہ معاشی نظاموں سے ایک حد تک واقفیت اس وجہ سے ضروری ہے کہ اس کے بغیر قرآن وحدیث کی معاشی تعلیمات کا نہ معاشی مفہوم ومطلب اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے اور نہ ان کو معاشیات کی زبان میں سمجھایا اور معاشی نظام کی صورت میں پیش کیا جاسکتا ہے اسی طرح چونکہ مطلوبہ علمی کام اجتہادی نوعیت کا ہے لہٰذا اس کام کو انجام دینے والی جماعت کا استنباط واستخراج کی صلاحیت سے آراستہ اور استدلال کے فقہی اور منطقی طریقوں سے آگاہ ہونا بھی ضروری ہے۔

اس میں شک نہیں کہ موجودہ حالات میں مذکورہ اوصاف کے علماء بہت ہی کم تو ہو سکتے ہیں لیکن بالکل ناپید اور مفقود نہیں اخلاص اور سنجیدگی کے ساتھ تلاش وجستجو کی جائے تو چند ایک ضرور مل سکتے ہیں ایسے علماء کرام کو تلاش کر کے ایک جگہ جمع کرنا مشکل ضرور ہے لیکن ناممکن نہیں اس کام کو سرکاری اداروں کی بجائے غیر سرکاری آزاد علمی ادارے بہتر طور پر کر سکتے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ غیر سیاسی علمی ودینی اداروں کو ہی یہ اہم علمی کام کرنا کرانا چاہئے۔

تین قسم کے معاشی تعلیمات: تحدیث نعمت کے طور پر عرض ہے کہ مجھے گزشتہ تیس سال سے اسلامی معاشیات کے موضوع سے خصوصی دلچسپی اور اس کی طرف بھرپور توجہ رہی ہے میں نے اس کے متعلق بہت کچھ پڑھا اور سوچا اور پھر لکھا بھی ہے کہ جس کا کچھ حصہ علمی ودینی ہفت روزہ اور ماہانہ پرچوں میں شائع ہوا اور کافی حصہ اب تک شائع نہیں ہوا اس عرض کرنے کا یہ مطلب ہے کہ مذکورہ موضوع سے متعلق بہت کچھ پڑھنے سوچنے اور غور وفکر کرنے کے بعد میں اس نتیجہ تک پہنچا ہوں کہ قرآن وحدیث میں معاشی نوعیت کی جو تعلیمات ہیں وہ تین طرح کی ہیں ایک وہ جن کی حیثیت اخلاقی

مواعظ وترغیبات کی ہے دوسری وہ جن کی نوعیت مستقل اور حقیقی قوانین کی ہے اور تیسری وہ جن کی حیثیت وقتی اور عارضی احکام وقوانین کی ہے ان تین طرح کی معاشی تعلیمات کے مابین کئی وجوہ سے فرق ومغائرت ہے اول الذکر اخلاقی تعلیمات احسان پر مبنی ہیں جس کے معنی ہے رضاکارانہ طور پر اپنے حق کا دوسرے کے لئے ایثار کرنا' بالفاظ دیگر اپنی مرضی خوشی سے دوسرے کو وہ چیز دے دینا جس کا وہ قانونا حقدار نہ ہو' ثانی الذکر مستقل اور حقیقی قانونی تعلیمات عدل پر مبنی ہیں جس کے معنی ہے معاملات میں ہر فرق کو اس کا حق ٹھیک اور پورا پورا ملنا' اور ثالث الذکر وقتی اور عبوری اور قانونی تعلیمات وقتی مصلحت پر مبنی ہیں جس کا مطلب ہے ناموافق حالات میں نسبتا جو بہتر ہو اس کو اختیار کر لینا دوسری وجہ ان تین طرح کی تعلیمات کے فرق ومغائرت کی یہ ہے کہ اول الذکر اخلاقی معاشی تعلیمات کی شرعی حیثیت نفل اور مستحب کی ہے جن پر عمل کرنے نہ کرنے کا بندۂ مومن کو اختیار ہوتا ہے چاہے تو ان پر عمل کرے اور چاہے تو نہ کرے البتہ ان پر عمل کرنا عند اللہ بڑے اجر وثواب کا موجب ہے اور نہ کرنا عند اللہ نہ گناہ اور نہ موجب عذاب' اسلامی حکومت ان کی پابندی پر کسی کو مجبور نہیں کر سکتی ہاں ترغیب ضرور دلا سکتی ہے مثلاً جو افراد ان پر عمل کریں ان کو قومی اعزازات اور خاص مراعات سے نواز سکتی ہے جب کہ ثانی الذکر قانونی تعلیمات کی شرعی حیثیت فرض اور واجب کی ہے جن پر عمل کرنا لازم وضروری ہوتا ہے۔ گویا یہ اختیاری نہیں جبری نوعیت کی ہیں' اور یہ کہ ان کی پابندی موجب اجر وثواب' نیکی' اور خلاف ورزی موجب عتاب وسزا جرم وگناہ ہے اسلامی حکومت ان قانونی تعلیمات کی پابندی شہریوں کو مجبور کر سکتی ہے چنانچہ خلاف ورزی کرنے والوں کو تعزیری سزا دے سکتی ہے اسی طرح تیسری تعلیمات جو وقتی اور عبوری احکام کی حیثیت رکھتی ہے مخصوص عبوری حالات میں واجب العمل ہوتی اور حکومت ان کی پابندی پر مجبور کر سکتی ہے تیسری وجہ ان تین قسم کی معاشی تعلیمات کے مابین فرق ومغائرت کی یہ ہے کہ جو تعلیمات عدل پر مبنی ہونے کی وجہ سے مستقل اور حقیقی قوانین کی حیثیت رکھتی ہیں ان پر عمل کے نتیجہ میں افراد کے معاشی حقوق پوری طرح محفوظ ہو جاتے اور معاشرے میں معاشی اعتدال وتوازن وجود میں آتا ہے ہر ہر فرد کو کسی نہ کسی شکل میں بنیادی معاشی ضروریات بھی میسر آجاتی ہیں اور معاشی ترقی کا موقع بھی مل جاتا ہے جب کہ احسان وایثار پر مبنی

toobaa-elibrary.blogspot.com

اخلاقی تعلیمات پر عمل کرنے سے ان لوگوں کے تعلقات میں سکون خوشگواری پیدا ہوتی اور عمل کرنے والوں کو اخلاقی وروحانی عظمت نصیب ہونے کے ساتھ معاشرے میں عزت اور قدرو منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے کیونکہ دوسروں پر احسان کرنا اور ان کو نفع اور راحت پہنچانا ایسا عمل ہے جس کو ہر انسانی معاشرے میں اچھا اور مستحن سمجھا جاتا ہے اور عمل کرنے والے کی تکریم و توقر کی جاتی ہے گویا یہ ایک عالمگیر اچھائی و سچائی ہے رہی تیسری نوع کی عبوری معاشی تعلیمات جو وقتی مصلحت پر مبنی ہوتی ہے ان پر عمل کرنے سے معاشرے میں موجود ظلم وفساد میں کچھ کمی واقع ہوتی اور اجتماعی حالت نسبتاً بہتر بن جاتی ہے چوتھی وجہ ان تین قسم کی معاشی تعلیمات کے درمیان فرق و مغائرت کی یہ ہے کہ عدل پر مبنی جو مستقل اور حقیقی قوانین کی طرح کی معاشی تعلیمات ہیں وہ اپنی وضع وساخت کے لحاظ سے ایک ہی متعین شکل رکھتی ہیں نظری طور پر بھی اور عملی طور بھی جب کہ احسان پر مبنی جو اخلاقی نوعیت کی تعلیمات ہیں انکی نظری اور عملی طور پر ایک سے زیادہ بکثرت شکلیں ہو سکتی ہیں اسی طرح وقتی مصلحت پر مبنی جو عارضی اور عبوری قسم کی قانونی تعلیمات ہیں ان کی بھی نظری اور عملی طور پر کوئی ایک متعین شکل نہیں بلکہ ایک سے زیادہ کثیر التعداد شکلیں ہو سکتی ہیں اس کی وجہ یہ کہ اول الذکر تعلیمات جس عدل پر مبنی ہیں اس میں مساوات وبرابری کا تصور ہے اور ثانی الذکر تعلیمات جس احسان پر مبنی ہیں اس میں زیادہ کا تصور ہے جب کہ آخر الذکر تعلیمات جس مصلحت پر مبنی ہیں اس میں کم اور ادھورے کا تصور ہے اور چونکہ لین دین کے کسی معاملہ میں مساوات کی صرف ایک شکل ممکن ہوتی ہے لہٰذا عدل ومساوات پر مبنی تعلیمات کی بھی صرف ایک ہی شکل ممکن ہے اور اس کے بالمقابل چونکہ زیادہ اور کم کی بکثرت شکلیں ہو سکتی ہیں لہٰذا زیادہ اور کم پر مبنی تعلیمات کی بکثرت شکلیں ہو سکتی ہیں اس بات کی مزید وضاحت کے لئے ایک مثال پیش کرتا ہوں ایک شخص دوسرے سے کہتا ہے کہ میرا یہ کام کر دو تو اس کی اجرت مثلاً دس روپے ہو گی دوسرا وہ کام کر دیتا ہے تو دس روپے کا حقدار کہلاتا ہے اب اگر وہ کام کرانے والا کام کرنے والے کو پورے دس روپے دیتا ہے تو عدل کی شکل اور دس سے زیادہ دیتا ہے تو احسان کی شکل اور دس سے کم دیتا ہے تو ظلم کی شکل قرار پاتی ہے اس مثال میں نظری اور عملی طور پر عدل کی صرف ایک شکل ہے یعنی پورے دس روپے دینا اور احسان کی بے شمار شکلیں ہو

سکتی ہیں اس لئے کہ دس روپے پر زیادہ کی بے شمار شکلیں ہو سکتی ہیں دس روپے پر مثلاً ایک پیسہ زائد ہو تو احسان کی ایک شکل ایک روپیہ زائد ہو تو دوسری شکل پانچ روپے زائد ہوں تو تیسری شکل اور دس روپے زائد ہوں تو چوتھی شکل۔ غرضیکہ مذکورہ معاملہ میں احسان کی سینکڑوں ہزاروں شکلیں ہو سکتی ہیں اس طرح مثال مذکور میں دس روپے سے کم کی پیسوں کے لحاظ نو سو ننانوے اور روپوں کے لحاظ سے نو شکلیں ہو سکتی ہیں اور ہر ایک ظلم وحق تلفی کا مصداق قرار پاتی ہے۔ اس مثال سے یہ بھی واضح ہوا کہ لین دین کے مالی معاملہ میں عدل کے تعین پر احسان اور ظلم کے تعین کا دارومدار ہے اور یہ کہ عدل گویا احسان اور ظلم کے درمیان حد فاصل ہے جس کی ایک طرف کا نام احسان اور دوسری طرف کا نام ظلم ہے لہٰذا جب تک کسی معاملہ میں عدل کی شکل متعین نہ ہو اس میں احسان اور ظلم کی شکلیں متعین و معلوم نہیں ہو سکتیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام کے معاشی نظام کو ایک متعین شکل میں مرتب اور پیش کیا جا سکتا ہے تو صرف اس کی ان معاشی تعلیمات کی بنیاد پر جو عدل پر مبنی ہونے کی وجہ سے مستقل و حقیقی قوانین واجب العمل فرض احکام کی حیثیت رکھتی ہیں نہ احسان والی اخلاقی تعلیمات کی بنیاد پر مرتب و پیش کیا جا سکتا ہے اور نہ وقتی مصلحت والی عارضی اور عبوری تعلیمات کی بنیاد پر جو عبوری حالات سے تعلق رکھتی ہیں۔

معاشی عدل اور عصری نظامہائے معیشت سے اس کا تقابل: علاوہ ازیں اسلام کے معاشی نظام کی سرمایہ دارانہ اور اشتراکی معاشی نظاموں پر عقلی و نظری لحاظ سے بہتری وبرتری ثابت کی جا سکتی ہے تو وہ بھی اس کی ان معاشی تعلیمات کی بنیاد پر جو عدل پر مبنی مستقل اور حقیقی قوانین کی حیثیت رکھتی ہیں جہاں تک احسان وایثار پر مبنی اخلاقی نوعیت کی معاشی تعلیمات کا تعلق ہے ان کی تعلیم وترغیب صرف دین اسلام میں ہی نہیں بلکہ دنیا کے ہر سماوی دین ومذہب میں موجود ہے بلکہ لادین قسم کے انسانی معاشروں میں بھی ایسے لوگوں کو اچھا سمجھا اور عزت واحترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے جو ازراہ ہمدردی اور خیر خواہی دوسروں کے لئے مالی ایثار کرتے اور رفاہ عام کے مصارف میں دل کھول کر حصہ لیتے ہیں حالانکہ وہ قانوناً اس کے پابند نہیں ہوتے گویا احسان والی اخلاقی تعلیمات پر عمل کی ترغیب تمام ادیان اور تمام معاشروں میں پائی جاتی ہے یہ دوسری بات ہے کہ اس قسم کی اخلاقی تعلیمات پر

toobaa-elibrary.blogspot.com

عمل کرنے کے جو معنوی اور روحانی محرکات اسلامی ہدایت میں ہیں وہ بہت قوی وزیادہ پائیدار ہیں بہر حال اسلام میں جو اخلاقی نوعیت کی معاشی تعلیمات ہیں ان کی بناء پر اسلام کے معاشی نظام کی بہتری وبرتری دوسرے معاشی نظاموں پر ثابت نہیں کی جاسکتی اسی طرح اسلام کی ان معاشی تعلیمات کی بناء پر بھی اسلامی معاشی نظام کی دوسرے معاشی نظاموں پر بہتری وبرتری ثابت نہیں کی جاسکتی جو ناموافق عبوری حالات سے متعلق عبوری اور وقتی احکامات کی حیثیت رکھتی ہیں کیونکہ ان کے اندر کچھ نہ کچھ ظلم وحق تلفی کی برائی ضرور موجود ہوتی ہے لہٰذا وہ خلاف عدل ہونے کی وجہ سے منشائے اسلام کے مطابق نہیں ہوتیں اور ان کا اختیار کرنا مالایدرك كله لايترك كله۔" کے طور پر ہوتا ہے یعنی جب مطلوبہ شے پوری نہ مل سکتی ہو بلکہ ادھوری مل سکتی ہو تو وقتی طور پر اسی کو اختیار کرلیا جائے اور پوری کے لئے کوشش جاری رہے یا یوں کہہ لیجئے کہ ان کا اختیار کرنا اھون البلیتین اور اخف الشرین کے طور پر ہوتا ہے یعنی جب دو برائیوں میں سے ایک کا اختیار کرنا ضروری وناگزیر ہو تو وقتی طور پر کم درجہ کی برائی کو اختیار کرلیا جائے یعنی نفرت کے ساتھ اور بالآخر چھوڑ دینے کے ارادہ سے بہر حال یہ عبوری حالات سے تعلق رکھنے والی معاشی تعلیمات ہرگز ایسی نہیں جن کی بناء پر اسلامی معاشی نظام کے بہتر ہونے کا دعویٰ کیا جاسکتا ہو۔

خلاصہ یہ کہ قرآن وحدیث میں معاشی نوعیت کی جو تین طرح کی تعلیمات ہیں وہ اپنی اساس وبنیاد، اپنی حقیقت وماہیت، اپنی شرعی حیثیت واہمیت، اپنے منشاء ومقصد اور معروضی اثرات ونتائج کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف اور جدا ہیں ان میں سے ہر ایک کے اطلاق کا محل وموقعہ الگ اور جدا ہے لہٰذا ان کو آپس میں خلط ملط کرنا اور ملانا اصولاً غلط قرار پاتا اور ان کے بگاڑ کا باعث بنتا ہے اسی طرح یہ بھی درست نہیں ہوتا کہ ان میں سے بعض کو لیا اور بعض کو نظر انداز کردیا جائے کیونکہ ان میں سے ہر نوع کی تعلیمات بجائے خود اہم اور ضروری ہیں اگرچہ ان کا محل موقعہ ایک دوسرے سے جدا ہے۔

جہاں تک میرے مطالعے اور تفحص کا تعلق ہے اسلامی معاشیات پر لکھی گئی کسی تحریر اور چھوٹی بڑی کسی کتاب میں میری نظر سے نہیں گزرا کہ کسی نے اسلام کی مذکورہ تین قسم کی معاشی تعلیمات پر بحث فرمائی ہو گویا کہ اس طرف توجہ گئی ہی نہیں اور یہ حقیقت نگاہوں سے اوجھل رہی چنانچہ

اس کا نتیجہ یہ سامنے آیا کہ اسلامی معاشیات پر لکھنے والے بعض حضرات نے مذکورہ تین قسم کی تعلیمات کو انمل بے جوڑ طریقہ سے آپس میں خلط ملط اور گڈمڈ کردیا دوسرے بعض حضرات نے صرف ایک نوع کی معاشی تعلیمات کو اسلام کی اصل معاشی تعلیمات قرار دے کر باقی تعلیمات کو تاویل کے ذریعے نظر انداز کردیا مثلاً بعض نے احسان والی اخلاقی تعلیمات کو اصل قرار دے کر عدل اور مصلحت والی معاشی تعلیمات کو نظر انداز کردیا اور بعض نے اس کے برعکس عدل والی تعلیمات کو اصل ٹھہرا کر احسان اور مصلحت والی تعلیمات سے صرف نظر کیا اور بعض نے بے سوچ سمجھے عدل والی مستقل قسم کی قانونی تعلیمات کو وقتی مصلحت والی عارضی قانونی تعلیمات سے ملا کر ایسا مجموعہ مرکب پیش کیا جس کے اجزاء کے مابین اتحاد کی بجائے تضاد پایا جاتا تھا گویا اسلامی معاشیات کے متعلق علماء کرام کے درمیان جو اختلاف ہے اس کا ایک خاص سبب یہ بھی ہوا کہ قرآن وحدیث میں جو تین طرح کی معاشی تعلیمات اور ان کے درمیان فرق ومغائرت کی جو متعدد وجوہ تھیں ان کی طرف ذہن نہ گیا اور وہ نگاہ سے اوجھل رہیں بنابریں ضروری ہے کہ اسلام کے معاشی نظام پر عملی کام کرنے والی جماعت مذکورہ حقیقت کو پوری طرح اور لازمی طور پر ملحوظ ومدنظر رکھے تاکہ اسلامی نظام اقتصاد کا خاکہ متفقہ صورت میں سامنے آئے۔

اسلامی معاشیات کے متعلق علماء اسلام کے مابین جو اختلافات ہیں ان کا دوسرا سبب میرے نزدیک بحث وتحقیق کا وہ طریقہ ہے جو بعض جزوی معاشی معاملات کی شرعی حیثیت متعین اور معلوم کرنے کے لئے عام طور پر اختیار کیا گیا بحث وتحقیق کے اس طریقہ سے مراد وہ طریقہ ہے جس میں کسی کل کے اجزاء میں سے ایک جزء کی جزوی حقیقت اور حیثیت متعین کرنے میں نہ کل کے مقصد وجود کو اور نہ اس کے بقیہ اجزاء کو سامنے رکھا جائے بلکہ صرف دوسرے خارجی دلائل سے فائدہ اٹھایا جائے جن کی تعبیر وتشریح میں مختلف آراء کی گنجائش پائی جاتی ہو چونکہ بحث وتحقیق کا یہ طریقہ جن دلائل پر مبنی ہوتا ہے ان میں اختلاف کی گنجائش موجود ہوتی ہے لہٰذا نتائج میں اختلاف رونما ہونا قدرتی امر ہے۔

معاملہ مزارعت اور اس کی شرعی حیثیت: مثال کے طور پر معاملہ مزارعت کو لیجئے اس کی شرعی حیثیت کے متعلق علماء کرام کے مابین جو اختلاف ہے کہ بعض اس کو شرعی طور پر جائز

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور دوسرے بعض اس کو ناجائز بتلاتے ہیں اس اختلاف کی بنیاد محض وہ احادیث و آثار ہیں جو مزارعت کے متعلق کتب حدیث میں مذکور ہیں اور جن کے الفاظ سے مزارعت کا جواز بھی نکلتا ہے اور عدم جواز بھی۔ لہٰذا محض ان احادیث و آثار کی بنا پر مزارعت کو جائز کہنے کی بھی گنجائش ہے اور ناجائز کہنے کی بھی گنجائش، تو پھر ظاہر ہے کہ یہ اختلاف کبھی ختم نہیں ہو سکتا حالانکہ اس کا ختم ہونا اس لئے ضروری ہے کہ اس کے ختم ہوئے بغیر اسلام کے حقیقی معاشی نظام کا تعین نہیں ہو سکتا اور یہ پتہ نہیں چل سکتا کہ مزارعت کی بنیاد پر قائم زمینداری نظام ازروئے اسلام جائز ہے یا ناجائز؟ کسی اسلامی ملک و معاشرے میں اس کو قائم رہنا یا ختم ہو جانا چاہیے؟ آج ہم یہ کہہ کر پوچھنے والوں کو مطمئن نہیں کر سکتے کہ فلاں امام و فقیہ کے نزدیک یہ جائز اور فلاں امام اور فقیہ کے نزدیک ناجائز ہے وہ اللہ اور رسول اور قرآن و حدیث کے حوالے سے صرف ایک بات سننا اور جاننا چاہتے ہیں دو مختلف اور متضاد باتیں ایک ہی معاملہ کے متعلق سننا اور جاننا نہیں چاہتے لہٰذا ضروری ہے کہ اس معاملہ کے متعلق جو اختلاف ہے وہ دور ہو اور صرف ایک بات واضح اور قطعی صورت میں سامنے آئے، اور میں سمجھتا ہوں ایسا اسی وقت ہو سکتا ہے کہ جب معاملہ مزارعت کی حیثیت متعین اور معلوم کرنے میں صرف احادیث و آثار یعنی روایات پر بھی اعتماد نہ کیا جائے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضرور دیکھا جائے کہ عام معاشی معاملات کے جواز و عدم جواز اور درست و نادرست کے متعلق قرآن حکیم میں جو اصولی اور کلی ضابطہ ہے اس کے مطابق معاملہ مزارعت جائز و درست معاملات کی فہرست میں آتا ہے یا ناجائز و نادرست معاملات کے زمرہ میں شامل ہے اور یہ کہ قرآن مجید میں معاشی حق اور معاشی عدل اور معاشی ظلم کا جو اصولی تصور ہے اس کی روشنی میں معاملہ مزارعت اپنے معروضی اثرات و نتائج کے لحاظ سے معاشی عدل کا مصداق ٹھہرتا ہے یا معاشی ظلم کا مصداق!!

مزارعت کی طرح جن دوسرے معاشی امور و معاملات کے شرعی حکم یعنی جواز و عدم جواز کے متعلق علماء کے درمیان اختلافات پائے جاتے ہیں وہ بحث و تحقیق کے اس نئے سائنسی اور عقلی اسلوب سے دور کیے جا سکتے ہیں اور ایک متفقہ اور یقینی صورت سامنے آسکتی ہے۔

مقصد اس دوسرے سبب اختلاف کو بیان کرنے کا یہ ہے کہ اسلامی معاشی نظام کے تعین پر

علمی کام کرنے والی مجوزہ جماعت اس کو بھی ضرور ملحوظ اور پوری طرح سامنے رکھے تاکہ جو متعین ہو متفقہ طور پر متعین ہو، اسلامی معاشیات سے متعلق علماء اسلام کے درمیان اختلافات کا تیسرا سبب جس کا ذکر ضروری ہے یہ ہوا کہ اسلامی معاشیات پر علمی کام کرنے والوں میں سے بعض نے اس کا التزام اور اہتمام کیا کہ اسلام کے حوالے سے بھی جو بھی بات کہی اور لکھی جائے وہ موجودہ حالات میں لوگوں کے لئے قابل قبول اور قابل عمل ہو تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ اسلام آج کے حالات میں قابل عمل نہیں لہٰذا انہوں نے اسلام کی خیر خواہی کے جذبہ سے رائج الوقت سرمایہ دارانہ معاشی نظام کے ہر جز کو حیلوں اور تاویلوں کے ذریعے اور الفاظ کے ردوبدل سے اسلامی ثابت کرنے کی کوشش کی۔ بینکاری کا ادارہ ہو یا بیمہ کاری کا ادارہ جوائنٹ اسٹاک کمپنیوں کا ادارہ ہو یا حکومت کے جاری کردہ مختلف قسم کے سرٹیفکیٹ اور بانڈز کے لین دین کا ادارہ، اسلام کے حوالے سے ان کو جائز ٹھہرایا۔ غرضیکہ ان کا تجویز کردہ اسلامی معاشی نظام بنیادی طور پر نظام سرمایہ داری ہی کی دوسری شکل ہے۔ اپنے معروضی اثرات و نتائج کے لحاظ سے دونوں میں کچھ فرق نہیں۔ لہٰذا اس سے ہمارے اس دعوے کی صاف تردید ہوتی ہے کہ اسلام کا معاشی نظام سرمایہ دارانہ معاشی نظام سے بنیادی طور پر مختلف اور افادی طور پر بہتر ہے ممکن ہے کہ یہ حضرات اس دعوے کے ہی قائل نہ ہوں یا یہ کہ اسلام کے معاشی نظام کو موجودہ حالات کے مطابق بنانے کی فکر و کوشش میں اتنے منہمک اور مستغرق ہو گئے ہوں کہ ان کو اپنے دعوے کا خیال ہی نہ رہا ہو بہر حال ان حضرات کا تجویز کردہ اسلام کا معاشی نظام اس سے بالکل مختلف متضاد ہے جو اسلام کے حقیقی مآخذ قرآن و حدیث میں مذکور ہے۔

مذکورہ اہل علم حضرات کے بالمقابل دوسرے بعض حضرات نے اسلام کے معاشی نظام کی تعبیر و ترجمانی میں سختی کیساتھ یہ رویہ اور طرز فکر اختیار کیا کہ اسلامی معاشی نظام کے متعلق اسلام کے حوالے سے جو بھی بات کہی اور لکھی جائے ضروری ہے کہ وہ قرآن و حدیث کے مطابق ہو یعنی اس کا اجمالی یا تفصیلی ثبوت قرآن و حدیث میں موجود ہو اس کی کچھ پروا نہ کی جائے کہ وہ موجودہ حالات میں قابل قبول اور قابل عمل ہے یا نہیں گویا ان کا موقف یہ رہا کہ اسلام کو حالت کے مطابق بنانے کی بجائے حالات کو اسلام کے مطابق بنایا جائے چنانچہ ان حضرات نے رائج الوقت سرمایہ دارانہ نظام کو ربٰو و سود پر

toobaa-elibrary.blogspot.com

مبنی ہونے کی وجہ سے غیر اسلامی قرار دیا اور ایسے تمام معاملات کو اسلام کی رو سے حرام و ناجائز بتلایا جو ربٰو و قمار یعنی سود اور جوئے پر مبنی اور نظام سرمایہ داری کے عناصر ترکیبی تھے چنانچہ طرز فکر کے مذکورہ اختلاف کے نتیجہ میں بہت سے وہ اختلافات وجود میں آئے جو اسلامی معاشیات سے متعلق علماء کے مابین موجود ہیں اور جن کی وجہ سے اسلام کا معاشی نظام ایک چیستاں اور خواب پریشان بن کر رہ گیا ہے۔

اس تیسرے سبب اختلاف کے بیان سے بھی مقصود یہ ہے کہ اسلام کے معاشی نظام پر عملی کام کرنے والی علماء کی مجوزہ جماعت اس پہلو پر بھی ضرور نگاہ رکھے اور وہ طرز فکر اور انداز تحقیق اختیار کرے جس سے حقیقی اسلام کا تحفظ ہو اور اسلام کا وہ اصل معاشی نظام سامنے آتا ہو جو قرآن و حدیث میں ہے۔

<u>فکری و نظری کام کے بعد اسلامی معاشی نظام کے اطلاق کا مرحلہ :</u> پھر جب اسلام کے حقیقی معاشی نظام کے تعین کا مرحلہ خیر و خوبی کے ساتھ اور اطمینان بخش طور پر طے ہو جائے اس کے بعد کا مرحلہ اس کے عملی نفاذ کا مرحلہ ہے جس کے متعلق پہلے کافی تفصیل کے ساتھ عرض کیا گیا کہ اسلام کا عادلانہ معاشی نظام صرف ایسے معاشرے میں نافذ ہو سکتا اور پائیداری کے ساتھ قائم رہ سکتا ہے جس کے اندر خاص طرح کا ذہنی اور خارجی ماحول موجود ہو نیز یہ بھی عرض کیا گیا تھا کہ خاص طرح کے ذہنی اور خارجی ماحول سے مراد کیسا ذہنی اور خارجی ماحول موجود ہو اور یہ بھی کہ وہ کس طریقہ سے معرض وجود میں آسکتا ہے اسی طرح یہ بھی اظہار حقیقت کے طور پر عرض کیا گیا تھا کہ موجودہ نام نہاد اسلامی معاشروں بالخصوص پاکستانی معاشرے کے اندر وہ ذہنی اور خارجی ماحول موجود نہیں جو اسلامی معاشی نظام کے عمل میں آنے اور پائیداری کے ساتھ قائم رہنے کے لئے ضروری ہے لہٰذا ایسی صورت حال میں پاکستانی ملک و معاشرے کے لئے اپنے ہاں اسلامی معاشی نظام نافذ اور رائج کرنے کا صحیح طریق کار صرف یہی ہو سکتا ہے کہ وہ اسلامی معاشی نظام کو بطور نصب العین اور آخری منزل کے پوری طرح سامنے رکھے اور حالات کی تبدیلی کے ساتھ درجہ بدرجہ اور مرحلہ بمرحلہ اس کی طرف بڑھنے اور پیش قدمی کرنے کی کوشش کرتا رہے چنانچہ اس کے لئے ضروری ہوگا کہ ایک

طرف مطلوبہ ذہنی ماحول پیدا کرنے کے لئے ایمانی عقائد پر مشتمل نظام تعلیم اور ذہنی ماحول کو قائم برقرار اور زندہ رکھنے کے لئے اسلامی عبادات و اخلاق پر مشتمل نظام تربیت عمل میں لائے اور پوری سنجیدگی کے ساتھ اس کو رواج دے تاکہ ذہنوں میں نہایت وسیع و ہمہ گیر عدل و احسان کی طرف رغبت اور ہر قسم کے ظلم و عدوان سے نفرت کے جذبات موجزن ہوں جن کی تحریک سے ایک انسان بلا کسی تخصیص و امتیاز ہر دوسرے انسان سے عدل و احسان کا برتاؤ کرے یعنی نہ صرف یہ کہ دوسرے کا حق اس کو ٹھیک ٹھیک اور پورا پورا دے بلکہ اپنے حق کا اس کے لئے ایثار کرے اور اس کا مقصد اللہ کی رضا و خوشنودی اور آخرت کی فلاح و کامیابی حاصل کرنا ہو اس کے اندر نفع اندوزی کی بجائے خلق خدا کی نفع رسانی کا ولولہ ہو ہر دوسرے کے ساتھ اس کا سلوک و برتاؤ ایسا ہو جیسا وہ اپنے لئے دوسرے سے چاہتا ہے۔ اسی طرح وہ اپنے نظام تعلیم و تربیت کے ذریعے ذہنوں میں اس بات کو بٹھائے اور راسخ کرے کہ تمام انسان بحیثیت انسان کے برابر ہے کسی کو کسی پر رنگ نسل وطن زبان خاندان نسب و ذات کی بناء پر فضیلت و برتری حاصل نہیں اسی طرح مال و دولت اور جاہ و اقتدار بھی وجہ فضیلت اور سبب عزت و شرف نہیں بلکہ فضیلت و شرف اور عزت و تکریم کا ایک اور صرف ایک سبب تقوٰی ہے جس کے عملی مظاہر میں سے سب سے بڑا اور نمایاں مظہر خلق خدا کے ساتھ احسان اور ایثار سے پیش آنا اور بے لوثی کے ساتھ ان کو نفع پہنچانا ہے بنابریں ضروری ہے کہ معاشرے میں ایسا معاشرتی ماحول تیار کیا جائے جس میں بلا کسی تخصیص و امتیاز تمام افراد کو بنیادی انسانی حقوق یکساں طور پر حاصل ہوں اور عزت و بڑائی کا معیار مال و دولت اور جاہ و اقتدار نہ ہو بلکہ نیکی اور تقوٰی اور احسان و ایثار ہو جو جتنا نیک متقی اور احسان و ایثار کرنے والا ہو اتنا ہی وہ معاشرے میں معزز و مکرم ہو۔ اسلامی معاشی نظام کے بروئے کار آنے کے لئے مذکورہ معاشرتی ماحول اس وجہ سے ضروری ہے کہ اسلامی معاشی نظام میں مال و دولت کو جمع رکھنے کی بجائے راہ خدا اور رفاہ عام مصارف میں خرچ کر دینے کی جو تعلیم اور قارونیت کی جو ممانعت ہے اس پر مذکورہ ماحول کے بغیر عمل نہیں ہو سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ جس معاشرے میں عزت و بڑائی کا معیار مادی مال و متاع ہو اور ہر اس شخص کو معزز اور بڑا سمجھا جاتا ہو جس کے پاس زیادہ سے زیادہ بڑا مال و دولت ہو تو اس میں مال و دولت حاصل کرنے اور اس میں ایک دوسرے پر

toobaa-elibrary.blogspot.com

سبقت لے جانے میں حلال وحرام اور جائز وناجائز کی تمیز ختم ہو جاتی اور ہر ایک تکاثر یعنی زیادہ سے زیادہ مالدار بننے کے خبط میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ عام بدامنی اور بے چینی کی صورت میں سامنے آتا ہے جس کو اسلام نہیں چاہتا۔

سازگار خارجی ماحول تیار کرنے کے لئے جس دوسری چیز کا وجود ضروری ہے اور جس کو وجود میں لانے کی ہر ممکن کوشش کی جانی چاہیے وہ بنیادی معاشی ضروریات میں خود کفالت ہے مطلب یہ کہ ایسی تمام چیزیں ملک کے اندر باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت پیدا کرنے کی انتہائی کوشش کی جانی چاہیے جو زندہ رہنے کے لئے ضروری ہیں آسائش اور تعیش کی چیزوں کی طرف اس وقت توجہ دی جائے جب ضروریات میں خود کفالت حاصل ہو جائے کیونکہ جو مسلم معاشرہ بنیادی معاشی ضروریات میں خود کفیل نہ ہو بلکہ وہ ان کے لئے غیر مسلم معاشروں کا محتاج ودست نگر ہو تو وہ زندہ رہنے کے لئے مجبور ہوتا ہے کہ غیر مسلم معاشروں سے ان کے شرائط اور خواہشات کے مطابق ضروریات زندگی حاصل کرے اور اس کی یہ مجبوری اپنے اسلامی معاشی اصولوں پر عمل کرنے کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہے۔

اسلامی معاشی نظام کے عملی نفاذ کے لئے جس خارجی ماحول کا وجود ضروری ہے اس کا ایک پہلو سیاسی آزادی اور کامل خود مختاری بھی ہے یعنی مسلم معاشرے کے لئے ضروری ہے کہ وہ دوسروں کے تسلط سے آزاد اور پوری طرح خود مختار ہو یعنی وہ اپنے معاملات بیرونی مداخلت کے بغیر اپنی مرضی سے طے کرسکنے کی پوزیشن میں ہو کیونکہ جو معاشرہ اور ملک کسی دوسرے معاشرے اور ملک کے زیر تسلط اور ماتحت ہو وہ اپنے ہاں کوئی ایسا معاشی نظام رائج نہیں کر سکتا جو اوپر والے مسلط ملک و معاشرے کے مفادات سے مطابقت نہ رکھتا ہو۔ لہٰذا مسلمان معاشروں پر لازم اور واجب ہے کہ وہ غیر مسلم معاشروں کے تسلط سے کامل طور پر آزاد اور خود مختار ہونے کی ہر ممکن کوشش کریں اس کے لئے وہ ایسے سب طریقوں سے کام لیں جو شرعاً جائز ہوں اور جن کو اختیار کرنے سے کامل آزادی اور خود مختاری کا مقصد حاصل ہو سکتا ہو' یہاں یہ عرض کر دینا غیر مناسب نہ ہوگا کہ آج بہت سے مسلم ممالک کو جو آزادی وخود مختاری حاصل ہے وہ محض نام کی اور ناقص آزادی وخود مختاری ہے جاننے والے جانتے ہیں ان کی تمام پالیسیوں اور منصوبہ بندیوں میں باہر والوں کا کتنا عمل دخل ہوتا ہے۔ خارجی امور میں ہی نہیں داخلی

امور میں بھی ان کو مغربی ممالک کی مرضی کا کتنا خیال اور لحاظ رکھنا پڑتا ہے۔ بہر حال جو مسلم ممالک اور معاشرے اپنے ہاں اسلام کے اجتماعی نظام کو کامل طور پر عمل میں لانا اور بروئے کار دیکھنا چاہتے ہیں ان کے لئے لازمی وضروری ہے کہ وہ سیاسی طور پر آزاد وخود مختار اور معاشی ضروریات کے لحاظ سے خود کفیل اور خود مکتفی بننے کی انتہائی سعی وکوشش اور پوری جدوجہد کریں۔

واضح رہے کہ سطور بالا میں یہ جو عرض کیا گیا ہے کہ اسلام کے حقیقی معاشی نظام کے عملی نفاذ کے لئے خاص طرح کے ذہنی اور خارجی ماحول کا معاشرے میں موجود ہونا ضروری ہے اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ جب تک وہ خاص طرح کا مطلوبہ ذہنی اور خارجی ماحول کامل طور پر وجود میں نہ آجائے اصلاح کے سلسلہ میں کوئی قدم نہ اٹھایا اور اس ظالمانہ معاشی نظام میں کوئی تغیر اور ردوبدل نہ کیا جائے جو فی الوقت معاشرے میں موجود ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ کامل طور پر اسلام کا معاشی نظام تو بلاشبہ اسی وقت عمل میں آسکتا ہے جب وہ مطلوبہ ذہنی اور خارجی ماحول پوری طرح عمل میں آجائے لیکن ناقص طور پر اس وقت بھی عمل میں آسکتا ہے جب مطلوبہ ذہنی اور خارجی ماحول ناقص طور پر موجود ہو۔ لہٰذا ایسے اسلامی معاشرے کے لئے اسلام کی ہدایت وتعلیم یہ ہے جس نے اجتماعی طور پر یہ طے کر لیا ہو کہ اس نے اسلام کے حقیقی عادلانہ معاشی نظام کو ضرور بالضرور اپنانا اور کامل طور پر عمل میں لانا ہے اور سنجیدگی اور تندہی کے ساتھ اس ذہنی اور خارجی ماحول کو موجود لانے کی بھرپور کوشش بھی کر رہا ہو جو اس کے عمل میں آنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ برابر اس پر نظر رکھے اور پورے غور سے جائزہ لیتا رہے کہ اس کی کوششوں کے نتیجہ میں ذہنی اور خارجی حالات کی کس قدر اصلاح وجود میں آئی ہے اور پھر اس کے مطابق اپنے لئے عبوری لائحہ عمل تیار کرے جو عام لوگوں کے لئے قابل قبول اور قابل عمل ہو اور جس پر عمل کرنے سے قدم آگے کی طرف بڑھتا اور اصل منزل مقصود قریب ہو جاتی ہو۔ ہو سکتا ہے پاکستان جیسے معاشرے کو اصل منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے متعدد عبوری مراحل سے گزرنا اور ہر مرحلہ کے لئے عبوری لائحہ عمل بنانا اور تیار کرنا پڑے۔

عبوری لائحہ عمل کے متعلق یہ بات ضرور ذہن نشین رہے کہ وہی عبوری لائحہ عمل' صحیح اور درست لائحہ عمل ہو سکتا ہے جو اس وقت کے عبوری حالات سے مطابقت رکھتا اور معاشرے کی اکثریت

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے لئے قابل قبول اور قابل عمل ہو تاکہ اس کے نفاذ سے مخالفانہ رد عمل کا ظہور نہ ہو سکے جس کا نتیجہ حاصل شدہ فائدہ کے مقابلہ میں نقصان کہیں زیادہ ہوا کرتا ہے۔ دوسری چیز جو عبوری لائحہ عمل کی صحت و درستی کے لئے ضروری ہے وہ یہ کہ اس پر عمل کرنے سے منزل مقصود کچھ نہ کچھ ضرور قریب ہوتی ہو' چنانچہ جو عبوری لائحہ عمل ایسا نہ ہو وہ غلط وباطل قرار پاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ عبوری لائحہ عمل بنانے کا کام خاصا نازک' پیچیدہ اور مشکل کام ہے جس کو علماء و مفکرین کی ایک ایسی جماعت انجام دے سکتی ہے جو اعلیٰ علم و فہم کے ساتھ اجتماعی حالات پر گہری اور وسیع نظر رکھتی اور ان اسباب و عوامل کو علیٰ وجہ البصیرت جانتی ہو جن کے زیر اثر انسانی معاشرے میں تبدیلیاں رونما ہوتی اور تعمیر و تخریب' بناؤ بگاڑ اور عروج و زوال کے مناظر سامنے آتے ہیں۔

پھر چونکہ عبوری لائحہ عمل جو مخصوص قسم کے ذہنی و خارجی حالات میں وقتی مصلحت کی خاطر بنایا جاتا ہے عدل کامل سے مطابقت نہیں رکھتا اور اس میں ظلم و حق تلفی کا کچھ نہ کچھ عنصر موجود ہوتا ہے لہٰذا اس کو حقیقی طور پر اسلامی سمجھنا اور کہنا درست نہیں ہو سکتا۔ بنابریں اس کے متعلق نہایت واضح اور واشگاف الفاظ میں یہ اعلان ضروری ہوتا ہے کہ یہ لائحہ عمل حقیقی طور پر اسلامی نہیں بلکہ اس کو اسلام کے اس اصول کے تحت وقتی طور پر بنایا اور اختیار کیا گیا ہے کہ جب حالات ایسے ہوں کہ خیر کامل کا حصول ناممکن ہو البتہ خیر ناقص حاصل ہو سکتی ہو تو وقتی طور پر خیر ناقص کو اختیار کر لیا جائے اور خیر کامل کے لئے کوشش جاری رہے۔ بالفاظ دیگر جب حالات ایسے ہوں کہ دو برائیوں میں سے ایک کا اختیار کرنا ضروری اور ناگزیر ہو تو جو برائی نسبتاً کم درجہ کی ہو وقتی طور پر اس کو اختیار کر لیا جائے۔ عبوری لائحہ عمل کے متعلق مذکورہ اعلان اس وجہ سے ضروری ہے کہ اس کو اختیار کرنے والے غلطی سے یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ یہ مستقل اور دائمی ہے لہٰذا آگے چل کر جب اس کو چھوڑنے کا مرحلہ آئے تو ان کو اس کے چھوڑنے میں دقت و دشواری محسوس ہو کیونکہ یہ انسان کی فطرت ہے کہ جس چیز کو وہ وقتی اور عارضی سمجھ کر اختیار کرتا ہے اس کے ترک کرنے میں اس کو کوئی دقت و دشواری پیش نہیں آتی۔ آسانی کے ساتھ ترک کر دیتا ہے مذکورہ اعلان کے ضروری ہونے کی دوسری اہم وجہ یہ ہے کہ اس کے بعد کسی مخالف اسلام کو اس عبوری لائحہ عمل کی بنا پر یہ کہنے اور پروپیگنڈہ کرنے کا موقع نہیں مل سکتا کہ یہ لائحہ

عمل مسلمانوں کے اس بلند بانگ دعوے سے مطابقت نہیں رکھتا جو وہ اسلام کے معاشی نظام کے متعلق عام طور پر کرتے ہیں کہ وہ افادی طور پر باقی سب معاشی نظاموں سے بہتر اور اپنے معروضی نتائج و اثرات کے لحاظ سے زیادہ مفید اور نفع بخش ہے۔

عبوری لائحہ عمل کے متعلق ایک بات یہ بھی یاد رکھنے کی ہے کہ اسلام عبوری لائحہ عمل بنانے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی اجازت صرف ایسے اسلامی معاشرے کو دیتا ہے جس نے صدق دل سے قطعی طور پر یہ طے کر لیا ہو کہ وہ اپنے ہاں اسلام کے حقیقی عادلانہ معاشی نظام کو ضرور بروئے کار لائے گا اور پھر اس کے ساتھ وہ پوری سنجیدگی اور تندہی کے ساتھ مطلوبہ ذہنی اور خارجی ماحول پیدا کرنے کی امکانی کوشش بھی کر رہا ہو۔ مطلب یہ کہ یہ اجازت اور رعایت ایسے اسلامی معاشرے کے لئے نہیں جس کا قصد و ارادہ نہ اسلام کے حقیقی مثالی معاشی نظام کو بالآخر اپنے ہاں عمل میں لانا اور نافذ کرنا ہو اور نہ وہ مطلوبہ ذہنی اور خارجی حالات پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہو جو اس کے عمل میں آنے کے لئے ضروری ہیں کیونکہ عبوری لائحہ عمل تو ہو ہی وہ سکتا ہے جو کسی مستقل اور دائمی لائحہ عمل تک پہنچنے کا ذریعہ بنتا ہو گویا اس کی حیثیت اصل مقصد کی نہیں بلکہ مقصد کے ذریعے اور وسیلے کی ہوتی ہے۔

اور چونکہ عبوری معاشی لائحہ عمل کی حیثیت' حقیقی و مستقل معاشی لائحہ عمل کے لئے وسیلے و ذریعے کی ہوتی ہے لہٰذا کسی عبوری معاشی لائحہ عمل کے متعلق یہ معلوم کرنے لئے کہ وہ صحیح ہے یا غلط' اصل معیار حقیقی معاشی لائحہ عمل ہوتا ہے چنانچہ جو عبوری معاشی لائحہ عمل' مخصوص عبوری حالات میں قابل عمل ہونے کے ساتھ حقیقی معاشی لائحہ عمل کے زیادہ مماثل و مشابہ ہو وہ صحیح اور جو کم مشابہ و مماثل ہو وہ غلط قرار پاتا ہے۔

دراصل اس وقت ہمارے سامنے دو مقصد ہیں ایک یہ کہ اسلام کے معاشی نظام کی دوسرے غیر اسلامی معاشی نظاموں پر علمی و عقلی طریقہ سے فوقیت و برتری ثابت کی جائے جیسا کہ عام طور پر ہمارا دعویٰ ہے اور دوسرا مقصد یہ کہ آج ہم مسلمانوں کی عام طور پر جو خراب و خستہ معاشی حالت ہے اس کو بتدریج اور مرحلہ وار ٹھیک اور درست کیا جائے۔ پہلا مقصد اسلام کے حقیقی اور مستقل عادلانہ معاشی نظام کے ذریعے حاصل ہو سکتا ہے جس کا تعین سب سے پہلے ضروری دیا گیا ہے جبکہ دوسرا مقصد عبوری

toobaa-elibrary.blogspot.com

معاشی لائحہ ہائے عمل کے ذریعے پورا کیا جاسکتا ہے جو معیشت کی گاڑی کو چلانے رکھنے کے لئے نہایت ضروری ہے۔

جہاں تک عبوری معاشی لائحہ عمل کے شرعی جواز کا تعلق ہے اس کا ثبوت قرآن وحدیث کی ان نصوص سے بخوبی فراہم ہوتا ہے جن میں مدنی زندگی کے ابتدائی دور میں مسلمانوں کے اندر بعض ایسے معاشی معاملات کے رواج کا ذکر ہے جو آخر میں تحریم ربٰو کے اعلان کے ساتھ ممنوع قرار پائے جیسے مخابرہ وغیرہ۔

اور پھر ہم عام طور پر یہ دعوئی کرتے ہیں کہ اسلام ایک ایسا دین ہے جس کے اندر ہر دور اور ہر زمان ومکان کے انسانوں کے لئے قابل عمل ہدایت وراہنمائی پائی جاتی اور ہر دور کے مسائل کا حل اس میں موجود ہے یہ دعوئی معاشی اور سیاسی مسائل کی بہ نسبت صرف اسی صورت میں صحیح ثابت ہو سکتا ہے جب اس کے اندر عبوری حالات کے لئے عبوری لائحہ عمل کا تصور اور جواز موجود ہو کیونکہ اگر اس کا انکار کر دیا جائے تو مذکورہ مسائل کی حد تک یہ دعوئی درست نہیں رہتا کہ اسلام ہر دور اور ہر عہد میں ان مسائل کے لئے قابل عمل ہدایت وراہنمائی دیتا ہے کیونکہ ان مسائل کے متعلق اسلام کا جو حقیقی اور مستقل ضابطہ ہدایت وراہنمائی ہے ہر طرح کے ذہنی اور خارجی دباؤ کے ماحول میں اس پر عمل نہیں ہو سکتا جیسا کہ پہلے اسی مضمون میں قدرے تفصیل کے ساتھ اس کے متعلق لکھا اور عرض کیا جاچکا ہے۔

قائین کرام! مسئلہ مذکور کے حل کے لئے میں نے جو طریق کار عرض کیا ہے ظاہر ہے کہ اس میں طویل وقت کا لگنا لازمی ہے۔ لیکن اگر مقصود پر امن طریقہ سے معاشرے کی پائدار اصلاح ہے تو وہ مذکورہ طریق کار کے بغیر ممکن نہیں' نیز میرے علم وفہم کے مطابق یہی طریق کار صحیح اسلامی طریق کار ہے۔

والله اعلم بالصواب

ماخذ ومراجع

toobaa-elibrary.blogspot.com

ماخذومراجع

۱۔ القرآن الحکیم۔

۲۔ ابن عابدین علاؤالدین محمد امین بن عمادالدین "ردالمختار علیٰ درالمحتار "مطبوعہ بولاق، مصر ۱۳۱۸ھ۔

۳۔ ابن القیم شمس الدین الجوزیہ" اعلام الموقعین عن رب العٰلمین "مکتبہ الکلیات الازھریہ، قاہرہ ۱۹۶۸ء۔

۴۔ ابن القیم شمس الدین الجوزیہ" الطرق الحکمیہ فی السیاسۃ الشرعیہ "مطبوعہ المؤید، المصر۔

۵۔ ابن منظور "لسان العرب "محشی محمد الشاذلی واٰخرون "الناشر دارالمعارف، القاہرہ ۱۱۱۹ھ۔

۶۔ ابوالحسن مسلم بن حجاج "الصحیح المسلم" ج۱، ۲، مطبوعہ دارالفکر بیروت س،ن۔

۷۔ ابو یوسف "کتاب الخراج"، بولاق، ۱۳۰۲ھ۔

۸۔ البخاری ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل "الصحیح البخاری" ج۱، ۲، ایچ ایم سعید کراچی ۱۹۷۵ء۔

۹۔ السہیلی عبدالرحمان بن عبداللہ "الروض الانف وبھامشیہ السیرۃ النبوی ﷺ" مطبع مصطفیٰ البابی، المصر، ۱۹۵۵ء۔

۱۰۔ العینی محمود بن احمد "عمدۃ القاری "ادارہ الطبعہ المنیریہ، بیروت۔

۱۱۔ الفتاویٰ الھندیہ "مطبوعہ داراحیاء التراث العربی "بیروت، الطبعہ الرابعہ، ۱۹۸۶ء۔

۱۲۔ الماوردی علی بن حبیب ابوالحسن "الاحکام السلطانیہ والولایات الدینیہ "مطبوعہ کابل۔

۱۳۔ امام غزالی "احیاء العلوم الدین "مطبوعہ قاہرہ۔

۱۴۔ جلبانی غلام حسین "شاہ ولی اللہ کی تعلیم "شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدر آباد، بار اول ۱۹۶۳ء۔

۱۵۔ دھلوی ذکاء اللہ "تاریخ ہندوستان "مطبوعہ علی گڑھ انسٹیٹیوٹ علی گڑھ، ۱۹۷۱ء۔

۱۶۔ دھلوی رحیم بخش "حیات ولی "مکتبہ طیبہ بلال گنج لاہور، بار سوم، ۱۹۶۰ء۔

۱۷۔ دھلوی شاہ ولی اللہؒ "البدور البازغۃ "ناشر مجلس علمی ڈابھیل، سورت، ۱۳۵۴ھ۔

۱۸۔ دھلوی "التفہیمات الالٰھیہ "(محشی غلام مصطفیٰ قاسمی) شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر آباد، بار اول ۱۹۷۰ء۔

۱۹۔ دھلوی شاہ ولی اللہ "الخیر کثیر "عربی شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر آباد، ۱۹۸۹ء۔

۲۰۔ دھلوی شاہ ولی اللہؒ "ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء "سہیل اکیڈمی لاہور، بار سوئم ۱۹۷۶ء۔

۲۱۔ دھلوی شاہ ولی اللہؒ "اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم "مطبع مجتبائی دھلی، ۱۳۰۸ھ۔

۲۲۔ دھلوی شاہ ولی اللہؒ "الامداد فی مأثر الاجداد "مطبوعہ مجتبائی، دہلی، بار دوم ۱۳۳۵ھ۔

۲۳۔ دھلوی شاہ ولی اللہؒ "حجۃ اللہ البالغہ "(اردو ترجمہ، برہان الٰہی مترجم ابو العلاء محمد اسماعیل گودھروی)۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ۱۹۶۵ء۔

۲۴۔ دھلوی شاہ ولی اللہؒ "مسوّیٰ عربی، شرح (مؤطا امام مالک) مطبوعہ الجمعیۃ بک ڈپو، دیوبند، ۱۹۴۰ء۔

۲۵۔ دھلوی شاہ ولی اللہؒ "مصفّیٰ فارسی شرح (مؤطا امام مالک) مطبوعہ الجمعیۃ بک ڈپو، دیوبند، ۱۹۴۰ء۔

۲۶۔ سرسید احمد خان "سیرت فریدیہ "مطبوعہ اعظم گڑھ طبع سوم، ۱۹۸۲ء۔

۲۷۔ سندھی عبیداللہ "الہام الرحمان فی تفسیر القرآن "حققہ غلام مصطفیٰ قاسمی، شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر آباد، بار اول ۱۹۸۹ء۔

۲۸۔ سندھی عبیداللہ "شاہ ولی اللہؒ اور ان کا فلسفہ "سندھ ساگر اکیڈمی لاہور۔

۲۹۔ سندھی عبیداللہ "شاہ ولی اللہؒ اور ان کی سیاسی تحریک "المحمود اکیڈمی اردو بازار لاہور، ۱۹۹۲ء۔

۳۰۔ سندھی عبیداللہ "شاہ ولی اللہؒ کے افکار "المحمود اکیڈمی اردو بازار لاہور، ۱۹۹۲ء۔

۳۱۔ سیوہاروی محمد حفظ الرحمٰن "اسلام کا اقتصادی نظام "دینی کتب خانہ لاہور، ۱۹۹۲ء۔

۳۲۔ شاہ رفیع الدین "تکمیل الاذھان "طبع اول، ۱۹۷۰ء، مکتبہ امدادیہ ملتان۔

۳۳۔ شیخ الہند محمود حسن "ایضاح الادلۃ "مطبوعہ ادارہ اسلامیات، لاہور، طبع دوم، ۱۹۸۲ء۔

۳۴۔ شیخ محمد عبدہ، تفسیر المنار، طبع دار المنار، مصر ۱۳۷۵ھ۔

۳۵۔ عبدالرحمٰن الجزیری "فقہ علی مذاہب الاربعۃ "دار الدعوۃ، استانبول، ترکیہ۔

۳۶۔ قاسمی غلام مصطفےٰ "سماجی انصاف اور اجتماعیت شاہ ولی اللہؒ کی نظر میں "شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر آباد ۱۹۷۵ء۔

۳۷۔ قریشی اشتیاق حسین "برعظیم پاک وہند کی ملتِ اسلامیہ "مترجم ہلال احمد زبیری شعبہ تصنیف و تالیف، کراچی یونیورسٹی، بار دوم، ۱۹۷۰ء۔

۳۸۔ قریشی طفیل احمد "اقتصادی مسائل اور ان کا حل شاہ ولی اللہؒ کی نظر میں "انسائکلوپیڈک کارپوریشن کراچی، ۱۹۷۵ء۔

۳۹۔ کشمیری محمد انور شاہ "فیض الباری "خضر راہ بک ڈپو دیوبند، سن طباعت ندارد۔

۴۰۔ گیلانی عبدالرحمٰن "اسلام میں فاضلہ دولت کا مقام "مکتبہ الاسلام، کوٹ پورہ، لاہور، بار اول، ۱۹۸۸ء۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۴۱۔ گیلانی مناظر احسن "اسلامی معاشیات" نفیس اکیڈمی کراچی بار پنجم، ۱۹۶۸ء۔

۴۲۔ گیلانی مناظر احسن "تذکرہ شاہ ولی اللہؒ" نفیس اکیڈمی کراچی باب پنجم، ۱۹۶۸ء۔

۴۳۔ لدھیانوی بشیر احمد بی اے "شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ عمرانیات و معاشیات" مکی دار لکتب، لاہور، ۱۹۹۴ء۔

۴۴۔ محسن شمس الرحمن "شاہ ولی اللہؒ کے عمرانی نظریے" سندھ ساگر اکیڈمی لاہور۔

۴۵۔ محمد اکرم شیخ "رود کوثر" فیروز سنز لاہور، طبع پنجم ۱۹۹۰ء۔

۴۶۔ محمد دین (ڈاکٹر) "شاہ ولی اللہ اور ان کے اقتصادی نظریات" غیر مطبوعہ مقالہ (پی ایچ ڈی) پشاور یونیورسٹی۔

۴۷۔ محمد سرور "عبید اللہ سندھیؒ کے حالات زندگی" تعلیمات، سیاسی افکار، الحمود اکیڈمی لاہور۔

۴۸۔ محمد طسین "اسلام اور ملکیت زمین" مجلس علمی کراچی، بار اول، ۱۹۹۰۔

۴۹۔ محمد طسین "اسلام کی عادلانہ اقتصادی تعلیمات" مجلس علمی فاؤنڈیشن، کراچی، ۱۹۹۵ء۔

۵۰۔ مودودی ابوالاعلیٰ "معاشیات اسلام" اسلامک پبلشرز، لاہور بار اول ۱۹۹۰ء۔

۵۱۔ میر ٹھی قاضی بشیر الدین "ملفوظات شاہ عبدالعزیز" مطبع مجتبائی، میرٹھ، ۱۳۱۴ھ۔

۵۲۔ نانوتوی محمد قاسم "آب حیات" مطبوعہ مجتبائی بار اول سن طباعت، لاہور۔

۵۳۔ نجات اللہ صدیقی "اسلام کا نظریہ ملکیت" ج ۱، ۲، اسلامک پبلشرز لاہور، ۱۹۷۴ء۔

۵۴۔ نظامی خلیق احمد "تاریخ مشائخ چشت" دار المولفین اسلام آباد۔

۵۵۔ نظامی خلیق احمد "شاہ ولی کے سیاسی مکتوبات" ادارہ اسلامیات لاہور بار سوم ۱۹۷۸ء۔

۵۶۔ یحییٰ بن آدم قریشی "کتاب الخراج" مطبوعہ سلفیہ، قاہرہ، ۱۳۴۷ھ۔

۵۷۔ یوسف الدین "اسلام کے معاشی نظریے" ج ۱، ۲، الائیڈ بک کمپنی کراچی، بار دوم، ۱۹۸۰ء۔

انسائیکلو پیڈیاز

۵۸۔ انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا۔

۵۹۔ دوائر معارف اسلامی "دانش گاہ" پنجاب یونیورسٹی لاہور۔

۶۰۔ انسائیکلو پیڈیا آف سوشل سائنس ایڈیٹ آدم کوثر۔

مجلّات

۶۱۔ ماہنامہ "الرحیم" شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر آباد۔

۶۲۔ ماہنامہ "الفرقان" (شاہ ولی اللہؒ خصوصی نمبر) بریلی۔

۶۳۔ ماہنامہ "الولی" شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر آباد۔

۶۴۔ ماہنامہ "دار العلوم" دیوبند۔

۶۵۔ سہ ماہی "فکر و نظر" ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد۔

SOME ENGLISH BOOK

ADAM SMITH,, NATURE AND CAUSE OF WEALTH OF NATION,

CHAPRA MUHAMMAD UMER,, ISLAM AND ECONOMIC DEVELOPMENT,, ISLAMIC RESEARCH INSTITUTE ISLAMABAD 1991-

HALI POTHIA ABDUL WAHEED,, PHILOSOPHY OF SHAH WALLIULLAH, AND HIS TIME,, LONDON-

KENYNES, J.M -,, THE GENERAL THEORY OF MONEY, INTEREST AND EMPLOYMENT,, MACMILLAN & CO LONDON-

MARX, KARL, CAPITAL VOL:1,2,3 MOSCOW,1959-

NORMAN-F-KEISER" INTRODUCTORY TO ECONOMICS,, PUBLISHED BY JOHN WILLY AND SONS, NEW YORK LONDON 1990-

PROF AFRED MARSHAL PRINCIPAL OF ECONOMICS PUBLISHED LAHORE 1988-

RIZVI SYED ATHAR ABBAS SHAH WALLI ULLAH AND HIS TIME-MA, RIFATH PUBLISHING HOUSE. AUSTRALIA-1980-